بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

جلد (۵) بابت ماہ جنوری ۱۹۱۹ء

شذرات

اِس ماہ کے رسالہ کے ساتھ عید الضحٰے کی نماز کا فوٹو شائع کیا جاتا ہے۔ جو ۱۶ ستمبر ۱۹۱۸ء کو مسجد ووکنگ کے میدان میں پڑھی گئی۔ اِس فوٹو میں وحدت کا رنگ نظر آتا ہے توحید تثلیث پر غالب آرہی ہے۔ اور اِنگلستان جیسی سرزمین میں جہاں کہا جاتا ہے کہ لوگ مذہب کی ضرورت سے قطعًا آزاد ہیں اِسلام نے کتنوں کے قلوب میں جگہ کی ہے اِس فوٹو میں نومسلمین یورپ کے علاوہ دیگر عیسائی معززین کس دلچسپی کے ساتھ اسلامی خطبہ میں حصہ لے رہے ہیں۔ اِس فوٹو میں اخوت اسلام کا منظر ہے۔ جس نے تمام گورے اور کالے اِمتیازات کو اڑا دیا ہے مشرق و مغرب کے مسلمان کس طرح پہلو بہ پہلو بیٹھے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری کی اقتدا میں ایک ساتھ ایک صف میں بیٹھے اپنے وحدہٗ لاشریک خدا کے حضور اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ اِلّا اللہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر وللہ الحمد کی تکبیریں ہم آہنگ ہوکر بآوازِ بلند پڑھ کر اسلامی اخوت و وحدت کا عملی ثبوت دے رہے ہیں +

اسی رسالہ میں ناظرین کرام کسی دوسری جگہ عید الضحیٰ کی مفصل روئداد ملاحظہ فرمائینگے اسکے علاوہ لندن کے دو مشہور و معروف اخبار نویسوں کی رائیں بھی قابل دید ہیں جو انہوں نے اِس اسلامی اجتماع اور حضرت خواجہ صاحب موصوف کے خطبہ کے متعلق اپنے ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء کے گرامی صحیفوں کی اشاعت میں دی ہیں +

کاغذ کی کمی کی وجہ سے ہمیں پھر اکتوبر اور نومبر کیلئے ایک ہی رسالہ (اسلامک ریویو انگریزی) شائع کرنا پڑا ہے۔ گو حجم کو کم کرنا پڑا ہے لیکن جو مضامین دیئے گئے ہیں وہ ہمارے دو رسالوں کے مضامین کے برابر ہیں۔ یہ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ کاغذ کی قیمت اس وقت اُس قیمت سے جو جنگ سے پیشتر تھی تین گنا ہوگئی ہے۔ بلکہ کاغذ کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ بڑی کفایت شعاری سے ہم نے اِس کاغذ کے ذخیرہ سے سال ۱۹۱۸ء کی ضرورت کو پورا کیا ہے لیکن ہمارے لندن کے کاغذ کے ایجنٹ نے ہمیں یقین دلایا ہو کہ سال ۱۹۱۹ء میں حالات بہتر ہونگے ممکن ہے کہ ہمیں اس سے بہتر کاغذ نہ ملے لیکن امید ہے کہ ہماری ضرورت کے مطابق کافی کاغذ مل رہیگا +

ووکنگ کی تازہ ڈاک سے ہمیں یہ پڑھ کر بہت رنج ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کو علالتِ طبع کی وجہ سے کئی ہفتوں تک طبی ہدایت کے ماتحت مشن کے کاروبار سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ نماز گاہِ لندن اور دوسری کسی جگہ بھی آپ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے حصہ نہ لے سکے آپ کی عدم موجودگی میں ہمارے مکرم و معزز برادران جناب عبد الخالق صاحب اسمٰعیل بے۔ جناب احسان البکری۔ بے صاحب اور جناب مسٹر خواجہ اسمٰعیل صاحب نماز جمعہ کراتے رہے اللہ تعالیٰ اِن احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے +

جن احباب نے حضرت خواجہ صاحب کے فرزند اکبر کی حسرتناک وفات پر ہمیں تعزیت کے خطوط فرداً فرداً ارسال فرمائے ہیں۔ ان سب کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو

اپنی درگاہ سے اس ہمدردی کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

یہ خبر اسلامی دُنیا میں فرحت افزا ہوگی۔ کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اپنے سالانہ جلسہ میں جو مورخہ ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لاہور میں منعقد ہوا یہ تجویز باتفاق رائے پاس کی۔ کہ ہندوستان کے اندر اور بیرونی ممالک میں متعدد اسلامی مشن قائم کئے جائیں اس کام کیلئے بیس ہزار روپیہ سالانہ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ جس کو پورا کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کے ممبروں نے ایک ایک ماہ کی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی جلسہ میں اس پاک مقصد کو سرانجام دینے کیلئے ایک اور اہم تجویز کی گئی جسمیں تقریباً پچاس حضرات نے صرف اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ان میں سے خصوصیت کے ساتھ ذیل کے اصحاب کے اسماء گرامی قابل تذکرہ ہیں:۔

(۱) حضرت* مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی۔

(۲) حضرت مولوی غلام حسن صاحب آنریری مجسٹریٹ۔

(۳) جناب صاحبزادہ سید عبدالجبار شاہ صاحب سابق بادشاہ سوات۔

(۴) جناب نواب زادہ محمد سلیم خانصاحب ٹیری۔

(۵) حضرت مولوی صدرالدین صاحب بی اے۔ بی ٹی۔

(۶) جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم

سنٹرل اسلامک سوسائٹی کے زیر اہتمام گذشتہ سالوں کی طرح سال ۱۹۱۸ء میں بھی آنحضرت صلعم کا یوم ولادت بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ یہ سعید تقریب دسمبر ۱۹۱۸ء کی کسی درمیانی تاریخ کو لندن نماز گاہ میں منعقد ہوئی۔ رسالہ دسمبر ۱۹۱۸ء اسلامک ریویو انگریزی مولود نمبر شائع ہوا ہے جسمیں وہ تمام تقاریر و مضامین درج ہیں جو کارکنان ووکنگ

* آپ نے حال ہی میں انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جو یورپ میں چھپا ہے اور قبولیت عام حاصل کر چکا ہے

و دیگر مشاہیر قوم نے اِس مبارک و سعید تقریب کو کامیاب بنانے اور آنحضرت صلعم کی ذات پاک کی فضیلت جتانے کے لئے پڑھے۔ یہ مضامین موجودہ زمانہ کے عجیب و غریب حالات کو (جنمیں کہ ہم اس وقت تمام کے تمام گذر رہے ہیں) ملحوظ نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ تاکہ مسلم و غیر مسلم قارئین رسالہ اسلامک ریویو کو آنحضرت صلعم کی اس پیشوائی کی خوبی معلوم ہو۔ جو آپؐ کے جلیل القدر پیغام میں موجود ہے۔ اور اس قسم کے دیگر حالات کے اندر آپ کی زندگی میں ہمیں ایک درخشاں نمونہ ملتا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے عالمگیر پیشوائی کے دعویٰ کو جو صحت اور معقولیت پر مبنی ہے تمام دنیا کے سامنے ثابت کرنے کیلئے موجودہ وقت سے بڑھکر کوئی اور وقت موزوں نہیں ہو سکتا ہے +

ایٹ ہوم

(دعوت چاء وغیرہ)

مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء بروز ہفتہ ایک نہایت ہی کامیاب و شاندار ایٹ ہوم (دعوت چاء) منعقد ہوئی۔ چاء نوشی اور نماز عصر کے بعد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری نے ایک مہتم بالشان لیکچر دیا جسمیں آپنے بتایا کہ ”مذہبی دُنیا کے آپس کے اختلافات میں سے اتحاد و وحدت کس طرح پیدا ہوتی ہے“۔ سامعین نے معزز مقرر کے لیکچر کو نہایت سکون و اشتیاق اور ہمہ تن گوش ہو کر سُنا۔ لیکچر کے اختتام پر سامعین میں سے بہت سے احباب نے مختلف قسم کے استفسارات فاضل لیکچرار سے کئے۔ جن کے تسلی بخش جوابات فاضل لیکچرار نے نہایت معقولیت اور خوش اسلوبی سے دئے۔

اس کے بعد ”دی کوسٹ“ کے فاضل ایڈیٹر جناب مسٹر میڈ صاحب نے ایک نہایت ہی فصیح اور مختصر سی تقریر فرمائی جسمیں کہ انھوں نے اِس فراخ حوصلگی اور وسیع القلبی کا اظہار کیا۔ جو اُنھوں نے حضرت خواجہ صاحب موصوف کے دوران تقریر میں مشاہدہ کی۔ فاضل ایڈیٹر نے حضرت خواجہ صاحب کی تقریر کی تائید کی۔ اور اس مبارک دن کے دیکھنے کی دلی خواہش ظاہر کی۔ جبکہ متذکرہ بالا فراخ حوصلگی اور وسیع القلبی کی رُوح کُل دُنیا کے مذاہب کا

خاصہ ہو جائے +

اِس کے علاوہ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کو بروز ہفتہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو اور اُن کثیر التعداد مسلمین و دیگر احباب کو دعوت دیگئی جو اسلامی کام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اور جنہوں نے ان تمام جلسوں میں باقاعدہ طور پر شامل ہونے کا عہد کیا ہوا ہے جو لندن نماز گاہ میں منعقد ہوتے رہتے ہیں نماز اور چاء کے بعد ایک مختصر سی تقریر حضرت خواجہ صاحب نے "میرا بہشت میرا اپنا ہے" کے موضوع پر فرمائی جسمیں آپ نے بتایا۔ کہ اسلام میں بہشت کی اصلیت اور ماہیت کیا ہے۔ تقریر کے اختتام پر سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا

لندن مُسلم نماز گاہ

لندن مسلم نماز گاہ میں اتوار کے لیکچر اور جمعہ کی نماز حسبِ معمول باقاعدہ جاری ہیں لندن مسلم نماز گاہ میں ہر اتوار کی دوپہر کے بعد لیکچر ہوتے رہے ہیں۔ جن کا پروگرام تاریخوار ہدئیہ ناظرین کیا جاتا ہے +

(۱) ۲۱ جولائی ۱۹۱۸ء حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے "خدا کے ساتھ عاجزی سے چلو" پر لیکچر دیا +

(۲) ۲۸ جولائی ۱۹۱۸ء جناب مسٹر احسان البکری صاحب نے "نماز" پر لیکچر دیا +

(۳) ۴۔ اگست ۱۹۱۸ء کو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے "نماز" پر لیکچر دیا جسمیں بتایا۔ کہ نماز پاکیزگی اور طہارت کی جڑ ہے +

(۴) ۱۱۔ اگست ۱۹۱۸ء کو مسٹر سی۔ سلمان سلیج نے "ترک اعتقاد" پر لیکچر دیا +

(۵) ۱۸۔ اگست ۱۹۱۸ء کو حضرت خواجہ صاحب نے قرآن کریم کی تعلیمات کی فضیلت پر لیکچر دیا۔ جسمیں معاشرتی قوانین پر روشنی ڈالی +

(۶) ۲۵۔ اگست ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر احسان البکری نے "زندگی کی جدوجہد" پر لیکچر فرمایا +

(۷) یکم ستمبر ۱۹۱۸ء کو حضرت خواجہ صاحب نے قرآن کریم کی تعلیمات کی فوقیت پر لیکچر دیا

اور اخلاقی قوانین پر روشنی ڈالی +

(۸) ۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر سی سلیمان سلیح نے "توکل اور اعمال" پر لیکچر فرمایا +

مسلمانان لندن کی سوسائٹی نے ماہ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں مندرجہ ذیل پروگرام پر عملدرآمد کر کے اپنی ہستی کو عوام الناس کیلئے مذہبی رنگ میں نہایت ہی مفید ثابت کیا ہے۔ ان مجمعوں میں سامعین کی تعداد ہمیشہ معقول رہی ہے۔ جن میں مختلف طبقہ کے انگریز نژاد لیڈیاں و اخوان شامل ہوتے رہے ہیں۔ اس سوسائٹی نے ماہ اکتوبر نومبر ۱۹۱۸ء میں جلسے منعقد کر کے مندرجہ ذیل لیکچر دیئے +

(۱) ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ صاحب نے "مذہب کے کار منصبی اور اسکی حقیقت" پر لیکچر دیا۔

(۲) ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر لوگرو نے "گیان دھیان" پر لیکچر دیا۔

(۳) ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ نے "آنحضرت صلعم بحیثیت ایک انسان کامل اور آپ کا کار منصبی" پر لیکچر دیا +

(۴) ۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر احسان البکری صاحب نے ایک لکچر فرمایا۔

(۵) ۱۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ صاحب نے "اسلام" پر لیکچر دیا۔ جسمیں یہ ثابت کیا۔ کہ اسلام میں صرف تقدیر پر ہی دارومدار نہیں ہے +

(۶) ۱۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ایس۔ ایچ رضا صاحب نے "اسلام اور عیسائیت" پر لیکچر فرمایا +

(۷) ۲۴ نومبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ نے لیکچر دیا +

حضرت خواجہ صاحب کی تقریر کے متعلق

لندن کے مشہور و معروف اخبار ٹیلیسٹ کی رائے

گذشتہ ہفتہ کو جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو مسلم پریٹر ہوس (عبادتگاہ مسلمین) واقعہ نکمپٹن ہل روڈ میں دعوت دیگئی۔ اور وہاں ایک کثیر تعداد مسلمانان لندن کی خواجہ صاحب

سے ملاقات کرنے کیلئے جمع ہوئی۔ ایک مختصر سے لیکچر میں جو انھوں نے اِس موقعہ پر دیا بیان کیا۔ کہ دُنیا میں ترقی کا قانون یہ ہے کہ ایک جنس سے مختلف قسم کی جنسیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر مختلف جنسوں کو ملا کر اتحاد اور وحدت کی صُورت پیدا کی جاتی ہے۔ مثلاً دنیا کے تمدن کی طرف نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک سادہ امُور خانہ داری سے جبکہ گھر میں ہر ایک آدمی شتکاری کاشتکار۔ جُلاہا۔ درزی وغیرہ کا کام کرتا تھا! ایک اعلےٰ درجہ کی مختلف الانواع جمہوریت پیدا ہوگئی جسمیں کہ مختلف قومیں ہی مختلف تجارتیں نہیں کرتیں بلکہ دُنیا کے مختلف حصے خاص صنعت و حرفت میں مشغول ہیں۔ یہ غیر جنسیت رحمت کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اگر اسکے مختلف جُز بین متفق ہوکر کام کریں۔ یہی اصُول اخلاقی اور رُوحانی امور میں عائد ہوسکتا ہے۔ مذہب ایک ہی خدا کی طرف سے آیا اور اسکی مختلف شاخیں ہُوئیں۔ اب سوال حل طلب یہ ہے کہ اس اختلاف کو وحدت میں کس طرح تبدیل کیا جائے۔ عالمگیر مذہب تو کسی خاص جگہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہوسکتا۔ اسکی بُنیاد ایسے اصولوں پر ہونی چاہئیے جو سب جگہ اور سب لوگوں پر حاوی ہو۔ اسلام ہی ایسا مذہب ہے۔ کیونکہ اسکے پیرووں نے ان سب احکام کو قبُول کیا جو خدا کی طرف سے اس کے پیغمبروں پر نازل ہوئے بلالحاظ اسکے کہ وہ پیغمبر کب اور کس جگہ پیدا ہُوئے + (از اخبار نیر ایسٹ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء)

بلادِ غربیہ میں تبلیغِ اسلام

قبُولِ اسلام

گذشتہ دو ماہ میں پانچ مستُورات نے اسلام قبُول کیا۔ دو تو اڈنبرگ کی رہنے والی ہیں ایک ناٹنگھم۔ ایک مانچسٹر اور ایک لنڈن کی۔ ان میں سے ایک اڈنبرگ یونیورسٹی کی گریجوایٹ ہے۔ اور اس نے موجودہ زبانوں کا اعلیٰ امتحان بھی پاس کیا ہے +

(از ملک عبد القیوم)

مسلمانوں کا تہوار عید الضحےٰ

مسجد ووکنگ میں تہوار عید الضحےٰ کے متعلق ہمیں پھر قلم اٹھانے کی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اب یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ یہاں کے مسلمان جو کہ تمام انگلستان میں پھیلے ہوئے ہیں اسلامی تہواروں کے بڑے شوق سے منتظر رہتے ہیں حسب معمول اس موقعہ پر بھی ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگ جمع تھے صرف اس لحاظ سے نہیں کہ وہ مسلمان مرد و زن جو کثیر تعداد میں جمع ہوئے مختلف قسم کے کاروبار کرنیوالے تھے۔ اور جن میں ہندوستانی مسلمان افسر جو فرانس سے چند یوم آرام کرنے کے لئے انگلینڈ آئے ہوئے تھے۔ اور ہمارے نومسلم انگریز بھائی کچھ تو سول کے اور کچھ جنگی محکمہ کے اپنی خاکی وردیوں میں اور ایک کثیر تعداد ہندوستانی اور مصری طالبعلموں کی جو انگلستان کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں شامل تھی بلکہ اس خیال سے ہی کہ ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کے مختلف طبقوں کے لوگ ایک بھاری مجمع میں اسطرح اکٹھے ہوئے ہوئے تھے کہ قومیت رسم و رواج اور لباس کے اختلاف کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ تھی۔ دنیا کے کسی حصہ میں ایسا مجمع شاید ہی دکھائی دے جسمیں مسلمان اور دیگر مذاہب کے مرد و زن شامل ہوں۔ اس موقعہ پر بڑے بڑے معزز پارسی۔ ہندو اور سکھ صاحبان بھی موجود تھے لندن سے آخری ریل گاڑی میں مسلمانوں کے پہنچنے پر جناب خواجہ کمال الدین صاحب امام مسجد نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد وعظ میں قربانی کے وسیع الاصل معنوں کے متعلق خطبہ بیان کیا۔ خطبہ* کے بعد مجمع میں سے ایک نے تمام حاضرین سے عموماً اور انگریزوں سے انڈیا ڈے فنڈ میں چندہ دینے کیلئے درخواست کی۔ یہ چندہ ان ہندوستانی مجروحیں اور بیماروں کے لئے سامان آرام و آسائش مہیا کرنے کیلئے تھا جو جنگ میں تھے۔ ایکدوسرے کو عید مبارک کہنے کے بعد ساری جماعت نے حسب معمول عید کا کھانا تناول کیا اور نماز ظہر کے بعد چاء نوشی ہوئی۔ اور پھر نماز عصر کے بعد زیادہ حصہ جماعت کا رخصت ہوا چند اصحاب نماز مغرب تک ٹھیرے۔ اور کھانا کھا کر رخصت ہوئے +

ہم اپنی انگریزی بہنوں کے ازحد شکر گزار ہیں جنہوں نے دو دن بڑی محنت سے کام کر کے عید کے دن کو کامیاب بنایا۔

* خطبہ عید الضحےٰ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ درج ہے

مسلم تہوار عید الضحیٰ کے متعلق

لندن کے مشہور و معروف اخبار پالمال گزٹ کی رائے

مسجد ووکنگ میں میں مسلم اجتماع کو دیکھ کر بہت مرعوب ہوا۔ ہندوستان عرب۔ ایران و مصر کے مسلمین اپنے انگلستانی نومسلمین بھائیوں سے ملے۔ ان لوگوں میں جو اسلامی طرز سے نماز ادا کرتے تھے۔ میں نے دو ٹومیز (گوروں) کو دیکھا۔ جن کی خاکی ٹوپیاں اپنے ہم مذہب بھائیوں کی سُرخ فیض ٹوپی سے نمایاں فرق ظاہر کر رہی تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحب جنہوں نے نماز کرائی اور اسکے بعد ایک شاندار خطبہ پڑھا پنجاب یونیورسٹی کے بی اے۔ ایل ایل بی ہیں۔ خواجہ صاحب موصوف انگریزی بولنے میں بڑے فصیح و بلیغ ہیں۔ اور ان کی آواز بھی خاصی بلند ہے + (پالمال گزٹ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۸ء)

مسجد ووکنگ

مسجد ووکنگ میں اتوار کی نماز اور لیکچر حسب معمول مسلسل طور پر ہوتے رہتے ہیں جنمیں حضرت خواجہ صاحب و جناب سید اکبری صاحب۔ اور جناب ملک عبد القیوم صاحب باری باری اس خدمت کو سر انجام دیتے رہتے ہیں +

ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۸ء میں مندرجہ ذیل لیکچر مسجد ووکنگ میں جناب ملک عبد القیوم صاحب نے دیئے

(۱) ۶۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جنگ پر لیکچر دیا۔ اور اسمیں اسلامی نقطۂ خیال سے روشنی ڈالی۔ اور جنگیوں کے حقوق بتلائے +

(۲) ۱۳۔ اکتوبر کو بھی جنگ پر لیکچر دیا۔ اسمیں جنگیوں کے فرائض بتلائے +

(۳) ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء "اسلام میں فتح و نصرت" کے مفہوم کو بیان کیا +

(۴) ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو "حضرت محمد صلعم فاتح" پر لیکچر دیا +

(۵) ۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو "زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے شعبہ میں اسلام کی حیثیت و ضرورت" پر لیکچر دیا +



قربانی اور تقوےٰ

ترجمہ خطبہ عید الضحیٰ (عید قربان) جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے مسجد ووکنگ میں ۱۶ ستمبر ۱۹۱۸ء کو پڑھا

ولکل امۃٍ جعلنا منسکًا لیذکروا اسم اللہ علیٰ مارزقھم من بھیمۃ الانعام ط فالٰھکم الٰہ واحد فلہ اسلموا ط وبشر المخبتین ۝ الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم والصبرین علیٰ ما اصابھم والمقیمی الصلوٰۃ لا ومما رزقنٰھم ینفقون ۝ والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیرٌ فاذکروا اسم اللہ علیھا صوافّ ج فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعترّ ط کذٰلک سخّرنٰھا لکم لعلکم تشکرون ۝ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم ط کذٰلک سخّرھا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم ط وبشر المحسنین ۝ ان اللہ یُدٰفع عن الذین اٰمنوا ط ان اللہ لا یحب کُلّ خوّانٍ کفورٍ ۝ سورۃ الحج آیت ۳۴ سے ۳۸ + (ترجمہ) اور ہر ایک اُمت کیلئے ہم نے قربانی قرار دی تھی۔ تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی چارپائے دے رکھے ہیں (قربانی کرتے وقت) ان پر خدا کا نام لیں سو (لوگو) تم سب کا خدا (وہی) خدائے واحد ہے تو اس کے فرمانبردار رہو۔ اور (اے پیغمبر) عاجزی کرنیوالے بندوں کو (جنّت کی) خوشخبری سُنا دو (جو) ایسے (نیک ہیں) کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ انکے دل لرز اُٹھتے ہیں۔ اور جب مصیبت اُن پر آپڑے اُس پر صبر کرتے اور نمازیں پڑھتے اور جو ہم نے انکو دے رکھا ہے اسمیں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور (مسلمانو) ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں کو (بھی) اور (قابل ادب) چیزوں میں قرار دیا ہے۔ جو خدا کے ساتھ نامزد کیجاتی ہیں۔ ان میں تمہارے لئے (چند در چند) فائدے ہیں۔ تو (ان فائدوں کے شکریہ میں خدا کے نام قربانی کرتے وقت) ان کو کھڑا رکھ کر (ذبح کرو اور ذبح کرتے وقت) ان پر خدا کا نام لو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (اور

ٹھنڈے ہو جائیں) تو ان میں سے (آپ بھی) کھاؤ۔ اور قناعت پیشہ اور گدائی پیشہ (ہر طرح کے محتاجوں) کو کھلاؤ۔ ہم نے یوں ان (جانوروں کو) کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ تاکہ تم (ہمارا) شکر کرو۔ خدا تک نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری (اور فرمانبرداری) پہنچتی ہے۔ خدا نے ان کو یوں تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ تاکہ اس نے جو (احکام حج تعلیم کر کے) تم کو (دین کا) رستہ دکھا دیا ہے۔ تو (اس کے) اس (احسان) کے بدلے میں اسکی بڑائیاں کرو۔ اور اے پیغمبر خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو (جنت کی) خوشخبری سُنا دو۔ خدا مسلمانوں (کے دشمنوں کو ان) سے ہٹاتا رہتا ہے بیشک اللہ کسی دغاباز ناشکر کو پسند نہیں کرتا +

آج ہم یہاں قربانی کا تہوار منانے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ یہ رسم ہر ایک قوم کے نزدیک متبرک ہے۔ اور ہر جگہ مذہب اور روایات اسے مقدس ٹھیراتا ہے۔ آج سے چار سال پیشتر ہیں اسی دن اس مشہور پہاڑی پر جو کہ مکہ معظمہ سے قریباً چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس غرض کیلئے گیا۔ کہ خدا کے اِس صادق عاشق یعنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کی زیارت کروں جو کہ قوموں کے باپ ہیں جو اپنے لڑکے حضرت اسمعیل کو قریباً پانچہزار سال آج سے پہلے اس مقام پر قربان کرنے کے لئے لائے۔ تاکہ اس روک کو جو دنیاوی محبت کی وجہ سے اُن کی خدا کی محبت کے درمیان حائل ہو سکتی ہے دُور کر دیں سچی محبت کے کیا معنے ہیں؟ دل وجان سے اس چیز میں محو ہو جانا جس کی ہم عبادت کرتے ہیں سچی محبت ایک سے زیادہ میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ سچا دل ہر ایک کا عبادتگاہ بن سکتا ہے۔ محبت کا تقاضا ہے کہ ہر ایک کو جس کی ہم قدر کرتے ہیں یا جس کا ہمیں خیال ہے قربان کر دیں۔ ہماری زندگی ہی ہمارے خیال میں سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور سب سے زیادہ اسکی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ عمدہ چیز ہم محبت کے مذبح پر قربان نہیں کر سکتے ہیں۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ خدا کے صادق عاشق کو جب اِس معشوق کے مذبح کیلئے کوئی مناسب قربانی نہ ملے تو وہ

اپنی زندگی قربانی کی صورت میں پیش کر دیں۔ اسی وجہ سے انسانی قربانی کا رواج گذشتہ زمانہ میں ہوا لیکن تم اپنے لڑکے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز خیال کرتے ہو۔ کیونکہ بڑھاپے میں وہ تمہارے لئے عصا کا کام دیتا ہے۔ اور تمہاری وفات کے بعد تمہارا نام زندہ رکھنے والا ہے۔ ہم اپنے بچوں کے فائدہ کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے۔ باوجود ان باتوں کے حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑے لڑکے حضرت اسمعیلؑ کو عشق و محبت کے مذبح پر قربان کرنے کیلئے لاتے ہیں انہوں نے گوارا نہ فرمایا کہ انکی اور ان کے معشوق کے درمیان وہ چیز حائل رہے جو اُن کی نظر میں نے بہا تھی۔ لیکن اپنے لڑکے کو ذبح کرنے سے پیشتر انہیں اس محبت کو اور اُن خیالات و تمام جذبات کو بھی ذبح کرنا تھا جو انسان کے دل کو اپنی اولاد پر جکڑ دیتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ضرور ان تمام رشتوں کو مذبح پر آنے سے پیشتر کاٹ دیا ہوگا۔ انہوں نے پدرانہ محبت کو ذبح کر دیا۔ ان کے دل سے وہ تمام باتیں نکل گئیں جن کی وجہ سے وہ پیارے بچہ کو محبت کرتے تھے۔ اور وہ دل صرف خدا کا ہو گیا۔ دِل کے اِس قسم کی کیفیت کے ساتھ وہ قوموں کے باپ خدا کے حضور اپنی قربانی لایا حضرت ابراہیم کا امتحان کیا گیا۔ اور وہ اسمیں کامل اُترے۔ وہ خدا کی عبادت کے اعلےٰ ترین مقام پر پہنچے۔ اور روحانیت کے تمام مدارج میں سے ہو کر گذرے۔ تو پھر کیا یہ ضروری تھا کہ وہ قربانی جو وہ کرنا چاہتے تھے ضروری کیجاتی۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں اس قربانی کا مُدعا تو پورا ہو چکا۔ کیونکہ تمام خواہشیں اور جذبات تو فنا ہو چکے عشق فتحمند ہوا۔ تمام خواہشیں اور جذبے قتل کیئے گئے۔ اور رُوح تمام دُنیاوی رغبتوں سے پاک کیا گیا۔ اس صُورت میں جان قربان کرنے کی ضرورت نظر نہیں آتی۔ اس کے خدا نے الہام کیا۔ اور انسانی قربانی کی جگہ حیوان کی قربانی مقرر کی گئی۔

رسم قربانی کا تنزّل

لیکن قربانی کی اِس پاک رسم کو جہالت اور خوش اعتقادی کی وجہ سے بگاڑ دیا گیا ہے۔ اِس رسم سے جو رُوح پیدا کرنے کی غرض تھی اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ توہمات نے عجیب طرح کے خیالات سے اسے ملبُوس کر دیا۔ اس سے تو دینداری اور صفائی کی رُوح پیدا کرنا تھا لیکن

اب اسے بدی اور گناہ کا کفارہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور ان مقدس انسانوں کو جنہوں نے راستی کیلئے قربان ہو کر اپنے خدا کے ساتھ محبت کا اظہار کیا خدا بنایا گیا۔ اور اُن کی موت کو کفارہ خیال کیا گیا +

اب سوال ہو سکتا ہے کہ آیا خون اور جان کُشی سے خدا جو کہ رحیم اور رحمن ہے حقیقت میں خوش ہوتا ہے۔ اور کیا وہ بخارات جنمیں حیوان کے خون کے ذرات ملے ہوئے ہوں اس خدا کے نتھنوں میں خوشبو کا کام دیتے ہیں۔ جو کہ برکات سخاوت اور رحم دلی کا سرچشمہ ہے لیکن بدقسمتی سے جہالت اور خوف۔ زود اعتقادی اور بزدلی نے اس پُر معنی رسم قربانی کو ایسی باتوں کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ سوائے خون اور قربانی کے ناراض شدہ خدا خوش نہیں ہوتا۔ خدا کا غصہ خونریزی ہی سے فرو ہو سکتا ہے۔ اس امر کا خیال نہیں کیا جاتا۔ کہ خدا کو ہم نے اپنے گناہوں سے ناراض کیا ہے۔ اور اس کے غضب کو اپنی بے انصافی اور بدکرداری سے بھڑکایا ہے۔ کیا ہم پر اس کا حکم سزا اس گناہ کی وجہ سے جاری نہیں ہوا جیسے بعض موروثی خیال کرتے ہیں۔ اب خدا کو جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ناراض ہوا ہے کیسے خوش کریں۔ انسان تو یوں استدلال کرتا ہے کہ یا تو ہمیں سزا ملے۔ یا ہم قربانی کریں اور یا کوئی چیز یا انسان ہمارے لئے کفارہ ہو۔ اور اس طرح اس پاک رسم قربانی کو اس نے بگاڑ دیا ہے۔ وقتاً فوقتاً ایک انسان کی شرارتوں کے کفارہ کے لئے مینڈھا۔ بکرا۔ کبوتر اور دیگر طیور کو اس نہج پر جو خدا کے لئے تیار کیا ہو ذبح کر دیا گیا لیکن کسی قوم کی اس شرارت اور ظلم کے لئے کفارہ دیا جائے جو بعض اوقات قوم کی بھاری تباہی کا موجب ہو۔ اس سے بچنے کیلئے کسی بڑی قربانی کی ضرورت ہے اور اس طرح ہندوستان میں زمانہ قدیم میں اسوامیدا یعنے گھوڑے کی قربانی کا رواج ہوا۔ اور آج ہم بنگالہ میں کالی دیوی کے مذبح پر سینکڑوں بھینسوں کو ذبح ہوتے دیکھتے ہیں۔ پس اگر یہ طریق استدلال صحیح ہے۔ اور اگر ہمارا خدا قدوس جو آسمانوں پر ہے ایسا سخت دل ہے۔ کہ وہ بغیر معاوضہ لئے رحم اور مہربانی نہیں کرتا۔ اور معاوضہ بھی بہت بھاری خون کی شکل میں مانگتا ہے۔ تو پھر سینٹ پال کی نیم پیغمبرانہ منطق

خوش کن معلوم ہوگی۔ اگر ایک قوم کی شرارت کا کفارہ گھوڑا ہو سکتا ہے۔ یعنے ایسا جانور جو سب جانوروں سے شریف ترین اس وقت ہندوستان میں خیال کیا جاتا تھا۔ تو تمام نسل انسانی کا بوجھ دور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ گھوڑے سے زیادہ شریف چیز کو قربان نہ کیا جائے۔ یعنے خود انسان کو۔ مگر یہ عجیب منطق سینٹ پال کے دماغ میں سب سے پہلے پیدا نہیں ہوئی۔ ایک نے ضرنحیف اللسان کو جو گلیل کا رہنے والا تھا مقام کالوری میں صلیب پر چڑھانے سے پیشتر بھی گاہ بگاہ انسانی گناہوں کیلئے بہت سی قربانیاں دی جا چکی تھیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہودیوں۔ یونانیوں اور مصریوں کے نزدیک یہ نیا مذہب ان کے اپنے پرانے قصوں کو گویا دُہرانا تھا +

لیکن خدا کی نسبت ایسا خیال ایک سخت غلطی ہے۔ آپ کا اس انسان کی نسبت کیا خیال ہوگا جو سوائے معاوضہ قبول کئے معافی نہیں دیتا۔ اور جس کے نزدیک دوسرے لوگوں کی غلطیوں کی سوائے خون اور قتل کے اور کسی قسم کی سزا نہیں۔ اور جس کی رضا جوئی سوائے خون بہانے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیا ایسا شخص ایک وحشی حیوان نہیں؟ اگر آپ کا یہ فیصلہ اسکی نسبت درست ہے تو پھر آپ اپنے خدا کی نسبت کیا خیال کرینگے۔ کیا تمام قوموں اور تمام ممالک میں لفظ خدا یا دیگر زبانوں میں اس لفظ کے ہم معنے لفظ عظمت اور نیکی بتمامہ کا لُب لباب نہیں۔ آپ خدا کو اپنا باپ جو آسمانوں میں ہے کہہ کر پکارتے ہیں تو کیا اس قسم کا اعتقاد اس باپ کے متعلق خیال میں عزیمت پیدا کرتا ہے۔ باپ کی طرف تو محبت۔ اُلفت۔ اور نرم دلی کو منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ اس باپ کے متعلق کیا رائے قائم کرینگے۔ جس کی غیروں کے ساتھ محبت کا اظہار خون کے قطروں میں ہوتا ہے

میرے بھائیو اس قسم کے اعتقادات سے آپ خدا کو ناراض کر رہے ہیں۔ خدا کی نسبت صحیح خیال پر یہ ایک قسم کی زد ہے۔ خون کے ذریعہ گناہ کا کفارہ دُنیا کے کسی مذہب میں نہ ہوا اور نہ جائز رکھا گیا۔ یہ خدا کی خوشنودی کا موجب نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن شریف قربانیوں کی اجازت دیتا ہے لیکن ساتھ ہی جب قربانیوں کے متعلق آیات بالا میں ذکر کرتا ہے تو یہ فرماتا ہے کہ خدا تک نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اُنکے خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری ہی پہنچتی ہے +

تمام مغالطہ غرض اور فعل کو تقویٰ کی غرض کے ساتھ مخلوط کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس ہی اسلئے ایک بُری قسم کی آئین پیدا ہوگئی ہے۔ آئین بنانیوالا حکم دیتا ہے کہ فلاں فلاں موقعہ پر حیوان ذبح کرو اور اس سے تمہیں نیکی و تقویٰ کا سارٹیفکیٹ ملجائیگا۔ اور تمہیں تمہارے تمام بُرے افعال کے نتائج سے مخلصی حاصل ہوجائیگی۔ کیا یہ خیالات کی قابل افسوس پستی نہیں۔ اور کیا یہ ایک عظیم الشان خیال کی طرف سے پست اور تمسخر انگیز خیال کی طرف قابل نفرت تنزل نہیں۔ وہ قربانی جس کی غرض و غایت بے نفسی کے خیالات پیدا کرنا۔ خدا کی رضا کے آگے جُھک جانا اور احکام الٰہی کو پورا کرکے کامل تقویٰ حاصل کرنا تھا اس طریق سے گناہ کرنے کے لئے ایک طرح کا انعام اور بد معاشی کے لئے ایک پروانہ راہداری کا کام دینے لگی +

پیشتر اس کے کہ میں کچھ اسکے متعلق بیان کروں کہ قرآن کس طرح سکھلاتا ہے کہ قربانی اور تقویٰ کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا کہ اسباب اور نتائج کا میں چاہتا ہوں کہ اس نکتہ چینی کا جواب مختصراً دوں جو اس رسم قربانی پر وہ لوگ کرتے ہیں جو ہمدردان اسلام کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا حیوانوں پر ظلم کرنا بدی نہیں۔ اور کیا کسی چیز کا ضائع کرنا خلاف راستی اور تقوےٰ نہیں۔ اور کیا قربانی کا تیوہار آج اسلامی دنیا میں ہزارہا حیوانوں کے ذبح ہونے کا باعث نہ ہوگا۔ اس سے کسقدر خوفناک فضول خرچی اور تباہی اور کسقدر ظلم جانوروں پر ہے۔ یہ منطق تو واقعی خوفناک ہے لیکن افسوس ہے کہ اسبارے میں امور تنقیح طلب پر اچھی طرح غور نہیں کی گئی اور ٹھیک طور پر نہیں نکالے گئے۔ ظلم و رحم۔ خونریزی اور نرم دلی وغیرہ وغیرہ الفاظ صرف ذہنی اختراعات ہی نہیں تبدیلئے حالات سے ان کے معنوں پر اثر پڑتا ہے۔ اغراض و مدعا اور نتائج کے لحاظ سے ہمارے تمام کام قابل تحسین یا قابل مذمت ٹھیرائے جاتے ہیں۔ اسبارے میں اس سوال پر گوشت خور اور سبزی خور فرقوں میں بحث ہے۔ اگر اصول حفظان صحت اور علم موجودات جو کہ حال ہی میں سائنسدانوں نے دریافت کئے ہیں گوشت خوری کو تمہارے جسم کی ساخت کیلئے اور جسمانی اعضا کے درست طور پر کام دینے کیلئے آب و ہوا کے حالات کو مدنظر رکھ کر ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اگر آپ ہر روز مختلف قسم کے گوشت پکاتے ہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ذبح کرنے کے معاملہ میں آپ کیوں اسقدر زود حس جاتے ہیں۔ کیا آپ اس تمام خونریزی کے ذمہ وار نہیں۔ آپ کا قصاب گویا قاتل ہے۔ اور اُسے آپنے ملازم رکھا ہے وہ ایک تنخواہ دار سفاک ہے اور آپ اس کے آقا ہیں +

اپنے آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالیں۔ اگر آپ جناب بُدھ کی سی زندگی کو اختیار نہیں کرسکتے۔ گو اس زندگی کو معدودے چند ہی نے اختیار کیا ہو لیکن عام طور پر انسانوں کیلئے یہ مفید ثابت نہیں ہوا۔ تو آپ کا فعل آپکے خیالات کے مطابق نہیں۔ اور اگر آپ گوشت کو عمدہ غذا اور لطیف اور ضروری قسم کی خوراک خیال کرتے ہیں تو

توکیا آپ اسمیں سے اپنے پڑوسی غریب کو حصہ نہ دینگے - مجھے تو آپ کے فیاض طبع ہونے پر یقین ہے لیکن کیا آپ نے سوسائٹی کے غریب اور محتاج لوگوں کو اسمیں سے تھوڑا سا حصہ دینے کا انتظام کیا ہے جس کا آپ رات دن مزا اُڑا رہے ہیں - اور اگر آپ نے غریبوں کو بھلا دیا ہے تو چاہیئے کہ مذہب آپ کو اپنے فرائض یاد دلانے کیلئے موجود ہو - ہمیں اسلئے قربانی کا تہوار منانا چاہیئے - اور جسقدر جانور ہماری خوراک کیلئے روزانہ ذبح کئے جاتے ہیں انکی تعداد میں چند ایک ہزار کا اضافہ کردیا جائے - آپنے تو اپنے فائدہ کی خاطر جانوروں کو مارنے کے فعل کو جائز رکھا ہے - تو آپ پھر دوسروں کے نقصان کیلئے کیوں نئے طرز کے اخلاق کا وعظ کرتے ہیں - اب تو سوال صرف تعداد اور قسم قربانی کا باقی رہگیا ہے - اور اس کا فائدہ غریب اور نادار لوگوں کو پہنچتا ہے - جیسا کہ کتاب اللہ میں آیا ہے - فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر - ترجمہ - ان کو کھڑا رکھ کر ان پر خدا کا نام لو پھر جب وہ کسی پہلو گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور قناعت پیشہ اور گدائی پیشہ کو بھی کھلاؤ -

کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ غربا اور مساکین کی ضروریات کا خیال رکھنا فضولخرچی ہے - اور کیا یہ ناخدا ترسی ہے کہ آپ کی جیب میں سے کچھ رقم اس غرض کیلئے نکال لیجائے - کہ سال میں ایک یا دو دفعہ محتاج لوگ اس قسم کی مزیدار خوراک کھائیں جس کا لطف آپ رات دن اُڑاتے ہیں +

اب ہماری سوال حیوانی زندگی کو تکلیف دینے اور اس پر ظلم کرنے کا سامنے آتا ہے - اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرتا - کہ جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے اور خطرناک ہوتی ہے - میں اس فعل کو یہ کہہ کر جائز قرار نہ دونگا کہ دنیا میں میرے چاروں طرف ایسا ہی دیکھنے میں آتا ہے کہ ادنےٰ طبقہ کے جاندار اعلےٰ طبقہ کے جانداروں کی خوراک کا موجب ہوتے ہیں - لیکن یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بہتری اور ترقی تکلیف کی راہ سے ملتی ہے - اس کیلئے مصائب اور ابتلاؤں میں پڑنا پڑتا ہے - اور جان بھی قربان کرنی پڑتی ہے - فناہ کے دروازوں میں سے گذر کر تکریم و احترام حاصل ہوتا ہے - ذرہ ان مختلف مدارج کا خیال آپ کریں جنہیں ایک ذرہ بھر ایتھر* کو گذرنا پڑتا ہے پیشتر اسکے کہ وہ انسانی جسم تک پہنچے - اور کس طرح ان ذرات سے جو کسی خاص غرض کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ایک نئی ترتیب پیدا ہوتی ہے مگر اعلیٰ طبقہ میں ظہور نے سے مراد ادنے طبقہ میں موت کا اختیار کرنا ہے - کسی قسم کی ترقی اور عروج حاصل نہیں ہوتا - جبتک کہ فنا نہ ہوا اور موجودہ ساخت بگڑ نہ جائے - اور کوئی نئی ترتیب اور ساخت نہیں ہوتی پیشتر اسکے کہ پرانی ترکیب کے حصے متفرق نہ ہو جائیں ترقی کا اصول فنا ہے - اور جناب بُدھ کے اس کلام سے کہ فناہ ہی مُکتی ہے - یہی مُراد ہے +

(باقی آیندہ)

* ایک مادہ لطیف جو کرہ ہوائی کے اوپر ہے -

رسول کا کارِ منصبی

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (سورۂ اعراف آیت ۱۸۸)

یہ سورت جس عمدگی اور سادگی سے رسول کے فرض منصبی وکام کو ظاہر کرتی ہے۔ اُسکی نظیر دکھلائی نہیں دیتی۔ رسول صلعم مومنوں کو فتح وظفر کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اور شریروں کو ان کے افعال کے بدنتائج سے جو انہیں اس دنیا میں اور آخرت میں بھگتنے پڑینگے آگاہ کرتے ہیں لیکن آپ یہ دعوی نہیں فرماتے کہ آپ میں خدائی زور اور طاقت ہے۔ عربوں کی ایک توہم پرست قوم تھی۔ اور اگر رسول پاک جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے چاہتے تو آپ دعوے فرما سکتے تھے۔ کہ آپ میں بہت بڑی فوق العادت طاقتیں ہیں۔ لیکن آپ کی رسالت کا لُبِّ لباب آیۂ کریمہ بالا نے مختصر الفاظ میں صاف ظاہر کر دیا ہے۔ بہت سی ایسی روایات بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگوں نے آپ کی طرف خدائی طاقتوں کو منسوب کیا لیکن آپ نے اس قسم کے تمام بیہودہ خیالات کا صاف صاف انکار کر کے زائل کر دیا۔ روایت ہے کہ آپ کے بیٹے ابراہیم کی وفات کے دن سورج کو گرہن کامل لگا۔ لوگوں میں چپکے چپکے یہ بات ہو رہی تھی کہ رسول صلعم کے بیٹے کی وفات کی وجہ سے سورج بالکل سیاہ ہو گیا ہے لیکن آپ ایسے دیانتدار اور صادق تھے۔ کہ آپ نے گوارہ نہ فرمایا کہ لوگ اس قسم کے دھوکہ میں رہیں اگرچہ آپ کی خاموشی سے آپ کی قدر و منزلت آپ کے متبعین کی نظروں میں بہت بڑھ جاتی۔ لہٰذا آپ منبر پر چڑھے اور یوں گویا ہوئے:۔

الشمس والقمر ایتان من ایات اللہ لا تنکسفان لموت احد ۔۔ الخ چاند اور سورج یقیناً اللہ کے دو نشان ہیں۔ نہ تو انہیں کسی کی وفات کی وجہ سے گرہن لگتا ہے۔ اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے پس اگر تم گرہن دیکھو تو اللہ کو پکارو۔ اسکی تسبیح کرو۔ اسکی عبادت کرو۔ اور خیرات دو۔ کبھی کسی رسول نے اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ اور اس سے زیادہ صاف دلی

سے اپنی قوم سے گفتگو نہیں کی۔ جن لوگوں کو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کیا وہ کئی صدیوں سے توہم پرستی اور بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور اگر رسول پاک اپنے لئے دعویٰ خدائی پیش کرتے تو لوگ بڑی خوشی سے اس دعویٰ کو قبول کر لیتے لیکن آپ تمام اغراض نفسانی سے بالاتر تھے۔ اور جو کچھ آپ نے فرمایا۔ وہ ایک ایسے قلب سے نکلتا تھا جو ہر ایک قسم کی ریاکاری اور ذاتی خیال و مفاد سے مبرا تھا۔ آپ نے صاف صاف خدا کے حکم کی تعمیل میں فرما دیا۔ کہ آپ ایک انسان ہی ہیں۔ اور آپ کے پاس خزائے غیب۔ اور نہ انسان ہونے کی حیثیت میں آپ نے دعوے کیا کہ آپ غیب دان ہیں۔ اور نہ ہی آپ نے بشریت سے بالاتر ہونے کا اظہار کیا۔ جتنے عمدہ اور احسن کام آپ نے کئیے۔ اور جتنی پیشگوئیاں آپ نے کیں۔ ان سب کی وجہ سے کسی قسم کی شہرت یا نام آپ نے حاصل کرنا پسند نہ فرمایا۔ آپ نے پکار پکار کر یہی کہا۔ کہ سب بڑائی اور بزرگی اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہاں عوام الناس میں اور آپ میں یہ مابہ الامتیاز تھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ اپنی رضاو حکم ظاہر کرتا تھا۔ اور آپ بڑی دیانت اور امانت سے اس پر چلتے اور جو کچھ آپ پر نازل ہوتا اُسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ اور آپ چاہتے تھے کہ لوگ بھی آپ کی طرح ہی بن جائیں۔ آپ کا ہرگز منشاء نہ تھا کہ آپ کے متبعین خزانوں کے مالک بنیں یا طلسمات دکھائیں یا نجومیوں کا سا کام کریں۔ بلکہ آپ کی خواہش تھی کہ ان میں انسانیت اور شرافت پیدا ہو اور وہ زندگی کے اُن اعلےٰ اصولوں پر قدم ماریں جو آپ پر خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے۔ آپ نے لوگوں کو کھلے الفاظ میں جتلا دیا کہ آپ اُن سے کیا چاہتے ہیں۔ اور اپنی صاف گوئی ہی کی وجہ سے آپ کو بار بار قرآن شریف میں نذیر مبین کر کے پکارا گیا ہے۔

رسول کریم صلعم کی بے مثال بزرگی اور عظمت یہی ہے۔ کہ آپ نے کبھی بھی لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ آپ موفوق الانسانی طاقتیں ہیں۔ اگرچہ بہت سی قرآن شریف کی پیشگوئیاں آپ کی زندگی ہی میں پوری ہو گئی تھیں لیکن آپ یہی فرماتے رہے۔ کہ آپ کو غیب کا علم نہیں اسلام نے غلبہ پا یا لیکن آپ نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ آپ خدائی خزانوں کے مالک ہیں پیشگوئیوں کے پورا ہونے اور کامیابیوں کے حاصل کرنے پر آپ یہی فرماتے رہے کہ یہ سب کچھ اس اللہ کی طرف سے ہے جو قادر اور علیم ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی۔ کہدے (اے رسول) میں تم سے نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں۔ نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور میں پیروی نہیں کرتا کسی چیز کی سوائے اسکے کہ جو مجھ پر اُتاری گئی ہے +

ان آیات کا مقابلہ جناب مسیح کے ان اقوال سے جو انہوں نے اپنے متعلق کہے کہا۔ میں خود بخود کچھ نہیں کرتا (یوحنا ۸ باب ۲۸ آیت) میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔ (یوحنا ۱۴ باب ۲۸ آیت) مجھے تم نیک کیوں کہتے ہو سوا ایک کے اور کوئی نیک نہیں جو اللہ ہے میں شیطان کو خدا کی انگلی سے نکال دیتا ہوں (لوقا ۹ باب ۲۰ آیت) لومڑوں کے لئے بل ہیں ہوا کے پرندوں کے لئے گھونسلے ہیں لیکن انسان کے فرزند کیلئے کوئی جگہ سر رکھنے کی نہیں۔ میری نسبت پوچھتے ہو تو میں کہتا ہوں۔ کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس دن اور اُس ساعت کی نسبت کسی انسان کو علم نہیں۔ اور بیٹے کو بھی نہیں) ان الفاظ سے خواہ کچھ ہی معنے کیئے جائیں۔ کیا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والا ایک بے بس انسان تھا نہیں وہ ایک رسول تھا یا ایک خدا۔ لیکن اگر اسے خدا مانیں تو دیکھئے کہ خدائی کو کس درجہ تک گرا دیا گیا ہے +

اب ہم یہاں قرآن شریف کی اُن آیات کو لکھتے ہیں جو خدا کی صفات کے متعلق ہیں۔

لہ ما فی السموات وما فی الارض یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم وسع کرسیہ السموات والارض ج ولا یؤدہ حفظھما +

ظہورِ اسلام اور مابعد

ترجمہ لیکچر جو جناب عبد الحق اسمٰعیل صاحب نے مسلم لٹریری سوسائٹی لندن میں دیا ۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کام ایک قسم کا سلسلۂ انقلابات تھا ۔ اور میں آپ کی کامیابیوں کے متعلق مختصر طور پر کچھ بیان کرونگا ۔ آپ نے ایک تنزل کی طرف لیجانے والے طرز زندگی کا خاتمہ کر کے اسکی بجائے ایک جدید اور نہایت مفید تہذیب کا بیج بو دیا +

مذہبی انقلاب

حضرت محمدؐ کے زمانہ میں بہت سے مذاہب موجود تھے ہر ایک میں مادہ کی پرستش کسی نہ کسی رنگ میں کیجاتی تھی ۔ اور ہر ایک میں جدا جدا فرقے تھے ۔ جو ایکدوسرے کے ساتھ زبان سے قلم سے ہاتھ سے اور تلوار سے لڑتے تھے ۔ اس طرح مذہب بجائے امن و آرام کے سرچشمہ ہونے کے لڑائی اور ابتری کا منبع تھا کسی جگہ کشت و خون ہوتا ۔ اور کسی جگہ آتشزدگی ہوتی ۔ غرضیکہ ہر جگہ طوفان بے تمیزی برپا تھا +

حضرت محمد صلعم کو معلوم تھا ۔ کہ عرب و شام میں اس قسم کی حالت ہے ۔ آپ نے ان معاملات پر غور فرمایا ۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ۔ کہ مذہب کا کام بگاڑنا اور تباہ کرنا نہیں بلکہ سنوارنا اور بنانا ہے ایک کو دوسرے سے جدا کرنا نہیں بلکہ ملانا ۔ لوگوں کو غلام نہیں بلکہ انہیں آزاد کرنا ۔ اور انہیں بجائے ذلیل اور بداخلاق بنانے کے انہیں خوشحال عروج کی طرف لیجانا ہے ۔ آپ کئے سالوں کی توجہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اچھا مذہب جس کی طرف ہر ایک کو رجوع کرنا چاہئے وہ ہے جسمیں انسان ایک اعلےٰ اور غیر فانی خدا کی عبادت کرے ۔ اور غیر متزلزل خدائی قوانین پر چلے آپ نے خیال کیا کہ ایک گندم کے دانے یا کسی پودے یا درخت کے بیج بونے ۔ اسکی نشو و نما پانے ۔ اس کے پھوٹنے ۔ اور پھر اس کا انسان کے جسم کے لئے خوراک دینے اور آنکھوں کے لئے خوش منظر پیش کرنے میں صرف خدا ہی کا ہاتھ ہے ۔ اس حیرت انگیز دنیا میں ہر ایک کام کی تہ میں وہی ہستی ہے اور وہ ہستی نہ تو چاند سورج اور ستارے ہیں اور نہ درخت پودے اور پھول ہیں ۔ نہ وہ پہاڑ ۔ دریا اور سمندر ہی ہیں ۔ اور نہ کوئی اور بیجان چیز ہے اور پھر وہ ہستی انسان بھی نہیں ۔ بلکہ وہ مخلوق کی

رُوح ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ خدا کا غیر فانی ہونا نہایت ضروری امر ہے وہ ہر جگہ حاضر ہے لیکن وہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ شرق و غرب سیاہ و سفید و زرد رنگ قوموں کا اور ہر ایک ذرہ کا جہاں کہیں بھی وہ ہو۔ خدا ہے۔ وہ واحد ہے اور سب کا خدا ہے۔ اسکی نظر میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو خلق اللہ کی سچی خوشی و آرام کیلئے سب سے زیادہ کوشاں ہے۔ خواہ وہ سیاہ رنگ کا ہو اور خواہ سفید کا +

اِس قسم کا مذہب تمام مخلوق پر حاوی ہوتا ہے۔ اور تمام سابقہ رُسلوں کو جو اتحاد علم اور تہذیب پھیلانے کیلئے آئے۔ کُل جہان کے لوگوں کا مشترکہ ہادی خیال کرتا ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام دُنیا متحد و متفق ہو جاتی ہے۔ حضرت محمد صلعم نے اس مذہب کو جسمیں انسانی ہمدردی ہے محمدی مذہب کے نام سے نہیں پُکارا۔ اور نہ وہ شخص جو اس کا متبع ہے محمدی کہلایا۔ حضرت محمد صلعم بشر تھے غیر فانی نہ تھے۔ مگر یہ مذہب غیر فانی ہے۔ اور اس کا نام اسلام ہے۔ فقط ایک اور واحد خدا ازل سے ہے۔ اور اسکے قوانین ازلی و ابدی ہیں۔ اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے اٹل قوانین کی اطاعت کرنا ہی اسلام ہے۔ اور حضرت محمدؐ آپ کی اور میری طرح تھے اور مسلمان تھے +

اسلام ایک مفید اور متواتر ترقی چاہتا ہے مسلمان بعد از موت بھی ترقی کرتا ہے۔ وہی مسلمان ہے جو فطرت کے باریک اور پوشیدہ رازوں کی تلاش میں ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ اور ہمارے اس علم میں جو دُنیا کے متعلق ہے اضافہ کرتا ہے۔ یہ کام اِسی طرح جاری رہیگا حتیٰ کہ انسان اس کمال تک پہنچ جائے جس کا اُسے وعدہ دیا گیا ہے۔ اِس حالت میں کل خدا سے وصال ہوگا۔ اور یہی اسلام ہے +

اِنقلاب قوائے عقلیہ

آزادی رائے ۔ اولین اصول اسلام

دوسرا امر جس کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو توجہ مبذول فرمانی پڑی یہ تھا کہ لوگ بجائے ترقی کرنے اور متحد ہونے کے کیوں رُوبہ تنزل اور ایکدوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں نہایت غور و خوض کے بعد آپ نے دیکھا کہ تمام توہمات تعصبات اور خرابیوں کی تہ میں

عقل و قوت استدلال کو استعمال نہ کرنا اور اسے گویا جکڑ بند میں رکھنا ہے۔ انسان عقل سے کام نہیں لیتے اور وہ بھیڑوں کی طرح آنکھ بند کر کے چلتے ہیں۔ حضرت محمد صلعم نے فرمایا کہ عقل و فہم خدا کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ وہ شخص جو اسے استعمال کرتا ہے وہ خدا کا شکر گذار ہے۔ اور جو اس سے کام نہیں لیتا۔ وہ کفران نعمت کرتا ہے۔ ہر ایک بات کی سچائی حتےٰ کہ خدا کی ہستی کے متعلق بھی اطمینان کرنے کیلئے عقل و دلائل کو کام میں لانا چاہئے۔ حضرت محمد صلعم پیغمبر ہیں نہ صرف اسلئے کہ آپ نے ہمیں یہ سب باتیں بتلائیں۔ بلکہ اسلئے بھی کہ آپ نے انسانی بہتری اور ہمدردی کے لئے بہت معجزنما کام کیا۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں۔ اور قدر کرتے ہیں۔ اِس طرح آزاد خیالی کی بنیاد ڈالکر حضور نے ان عجائبات کے لئے راہ کھولدی جو علم سائنس۔ تجارت۔ حرفت اور لوگوں کے میل جول سے ظہور میں آئے پس اسلام نے معقولیت اور استدلال کو ممتاز جگہ دی +

اِنقلاب تمدّن

حضرت محمد صلعم نے جو اصلاحیں تمدن کے متعلّق فرمائیں وہ بہت عظیم الشان تھیں اور اُن کا اثر دُور تک پہنچا۔ آپکے قوانین کاغذات ہی پر لکھنے کیلئے نہیں تھے۔ بلکہ آپنے تمام لوگونکو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اور وہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کیلئے ہر وقت مستعد اور سرگرم تھے + یہ اصلاحات مختلف قسم کی ہیں۔ اور ہر ایک بذاتہٖ ایک جُدا مضمون ہے۔ میں ان کے متعلق مختصراً ہی بیان کر سکتا ہوں +

(الف) عورت کے مُتعلّق

ا۔ کثیر الازدواجی اس وقت عالمگیر تھی۔ اور عیسائی ممالک میں بھی باوجود جسٹینین کے حکم کے اس کا رواج تھا۔ ایک مرد علاوہ ناجائز طور پر عورتوں سے تعلق رکھنے کے جسقدر بیویاں اپنے بیاہ میں لانا چاہے لاسکتا تھا۔ عرب میں تو عورت کو جائداد سمجھا جاتا تھا۔ اور جب کبھی کوئی مرد فوت ہوتا۔ اس کا لڑکا علاوہ دیگر جائداد پر قبضہ کرنے کے اسکی بیویوں کا بھی مالک بنتا اور جس طرح چاہتا ان سے برتاؤ کرتا۔ اس کے اختیار میں تھا کہ وہ ان میں سے ایک یا زیادہ سے شادی کرے یا اُن سے ناجائز طور پر تعلق پیدا کرے یا اُنہیں فروخت کرے۔ یا انہیں بطور تحفہ

کسی دوسرے کے پیش کرے +

۲۔ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ اور مصر میں ہر سال ایک جوان دوشیزہ لڑکی کو دریائے نیل میں غرق کر دیا جاتا تھا +

۳۔ اگر کوئی آزاد (حُر) عورت کسی غلام سے بیاہ کرتی تو اُسے قتل کر دیا جاتا +

۴۔ اِس قسم کے بیشمار ہولناک واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی کچھ قدر و منزلت نہ تھی۔ اِس وقت ایسے حالات کی موجودگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ فرما کر دنیا کو چونکا دیا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اور مسلمان کو چاہئیے کہ عورتوں کے متعلق بدگوئی نہ کرے۔ خدا کی نظر میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ اور اسلام نے مرد اور عورت کو اتحاد محبّت اور برادری کے سلسلہ میں باندھ دیا ہے۔ اور تعلیم سب مرد اور عورت کیلئے لازمی ہے۔ نیز آپ نے عورت کے حقوق اس کے لڑکی، بیوی، ماں اور فرد خاندان یا جماعت ہونے کی حیثیّت میں قائم کر دیئے +

وہ حقوق جو مسلمان عورتوں کو گزشتہ کئی صدیوں سے ملے ہوئے ہیں۔ یورپین عورتوں کو تھوڑے عرصہ میں اس ایکٹ کے ذریعہ دیئے گئے ہیں جو انگلینڈ میں شادی شدہ مستورات کی جائداد کے متعلّق نافذ ہوا ہے۔ عام کاروبار میں اسلام نے مرد و عورت کو ہمیشہ یکساں رکھّا ہے +

(ب) غلامی

غلامی بھی عالمگیر ہو رہی تھی۔ زبردست زیردست کو غلام بنا لیتا تھا۔ غلام کو خوراک اور لباس بُری قسم کا دیا جاتا تھا۔ اُسے دُکھ و عذاب میں رکھّا جاتا تھا۔ حتّٰے کہ اُسے بلا خوف سزا قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔ عیسائیت نے بھی غلام کی حالت بہتر نہیں بنائی۔ رُوما کے قانون اِسپارہ میں جاری ہوئے لیکن غلامی پھر بھی موجود رہی غلام آپسمیں ایک دوسرے سے شادی کر سکتے تھے۔ اگر غلام کسی آزاد (حُر) عورت سے شادی کر لیتا تو اُسے زندہ جلا دیا جاتا۔ دُور کیوں جائیں امریکہ والوں کا طرز عمل غلاموں کے بارے میں اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔ اور اسپارے میں بیسویں صدی کے نئے قسم کے قوانین ایسے عام ہیں کہ انکی تشریح کی ضرورت نہیں +

اسلام نے شروع میں انسانی مساوات کا اعلان کیا۔ اور غلاموں کے متعلّق قانون جاری کیا جس کی غرض و غایت اس شرمناک طریقہ کو بالکل نیست و نابود کرنا تھا۔ میں ذیل میں چند ایک کا

ذکر کرتا ہوں :-

۱۔ جو شخص انسانوں کی تجارت کرتا ہے وہ دائرہ انسانیت سے خارج سمجھا جائیگا +

۲۔ اگر کسی غلام عورت کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو تو وہ آزاد سمجھی جائیگی۔ اور اُس بچے کے وہی حقوق ہونگے۔ جو ایک جائز اولاد کے ہوتے ہیں +

۳۔ کوئی مسلمان غلام نہیں بنایا جاسکتا +

۴۔ ان جنگوں میں جو جائز طور پر کئے جائیں گرفتار شدہ لوگ اس وقت تک غلام تصور کئے جائینگے۔ جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کریں یا زرِ فدیہ ادا نہ کریں یا آزاد نہ کئے جائیں۔

۵۔ غلام اپنے آقا کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے +

۶۔ خدا کی عبادت کا نہایت مقبول طریق یہ ہے۔ کہ غلاموں کو آزاد کردیا جائے +

۷۔ صاحبِ غلام اگر قانون کی نظر میں مستوجبِ سزا سمجھا جائے تو ایک سزا یہ بھی ہے کہ اُس کا غلام آزاد کیا جائے +

۸۔ آقا اور غلام کے لباس اور خوراک میں کوئی تمیز نہ ہو +

۹۔ کسی غلام کو اُسکی طاقت اور قابلیت سے زیادہ کام نہ دیا جائے +

۱۰۔ غلام کو بوجہ اُس کی غلامی کے حقارت سے نہ دیکھا جائے +

۱۱۔ بیتُ المال کا ایک یہ بھی فرض ہے۔ کہ روپیہ ادا کرکے غلاموں کو اُن کے مالکوں سے آزاد کرایا جائے +

۱۲۔ اگر آقا اور غلام کے باہمی معاہدہ کا توڑا جانا آقا کی طرف سے پایا جائے تو اُس سے غلام کو حتے الامکان آزاد کئے جانے کا فائدہ اُٹھایا جائے +

(ج) قوانین

۱۔ دیوانی اور فوجداری قوانین۔

مجموعۂ قوانین دیوانی و فوجداری تیار کیا گیا۔ اور اس قسم کے عام اصول جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ آیندہ ہونیوالے واضعانِ قوانین کی ہدایت و رہبری کے لئے درج کردیئے گئے۔

(۱) علما و فضلا میں سے صرف وہی لوگ قانون وضع کرسکتے ہیں جو اپنے تمام علوم کی

واقفیت اور انسانی زندگی کے حالات جاننے کی وجہ سے ممتاز ہوں۔ قوانین پرانے روایات پر مبنی ہوں بلکہ نئے حالات کو مدنظر رکھ کر اصول اسلام کے مطابق ہوں۔ جب کبھی انمیں اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ کثرت رائے پر کیا جائے +

(۲) تمام امور میں خواہ وہ اخلاقی ہوں یا جسمانی اعتدال کو مدنظر رکھا جائے +

(۳) کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے +

(۴) قانون کے ظاہری الفاظ پر اس کی اصل غرض منشا کو ہمیشہ فوقیت دیجائیگی +

(۵) از روے قانون تمام لوگ برابر سمجھے جائینگے (۶) بدی کو احسن طریق سے دور کیا جائے +

قوانین جنگ

اسلام سے پہلے فاتح لوگ مغلوب دشمن کے ساتھ نہایت بیرحمی سے سلوک کرتے تھے کسی قانون سے بھی اُن کے اس ظلم و تعدی کی روک تھام نہ تھی۔ اِس طرح یہودی۔ یُونانی۔ اہل روما اور اہل فارس میں بربریت الانسان کو جلانے اور مقتول کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا رواج تھا +

انجیل کی عبارتوں سے جو ذیل میں درج کیجاتی ہیں اس قسم کے واقعات کی صاف تصویر نظر آتی ہے۔

کتاب چہارم عہدنامۂ قدیم (گنتی) ۳۱ باب ۱۰ آیت۔ اور انکے سارے شہروں کو جنمیں وہ رہتے تھے اور اُن کے سب قلعوں کو پھونکدیا +

کتاب چہارم عہدنامۂ قدیم (گنتی) ۳۱ باب ۱۷ آیت۔ سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو +

کتاب استثناء ۔ ۳ باب ۶ آیت ۔ اور ہم نے اُن کو یعنی اُنکے مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کو ہر ایک شہر میں ..... حرم کیا +

حزقیل ۔ ۹ باب ۶ آیت ۔ اور چھوکروں اور ننھے بچوں اور عورتوں کو ایک لخت مار ڈالو +

اسموائیل ۔ ۱۵ باب ۳ آیت ۔ سو اب تو جا اور عمالیق کو مار ۔ اور سب جو کچھ کہ اُن کا ہے کر ۔ ایک لخت حرم کر ۔ اور ان پر رحم مت کر ۔ بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار ۔ اور بیل بھیڑ اور اُونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر +

آؤ آیات بالا کا ان ہدایات سے جو حضرت محمد صلعم نے اسلامی مہمات کے رہنماؤں کو دیں مقابلہ کریں

آپ حکم دیتے ہیں۔ کہ ان تکالیف کے بدلے میں جو ہمیں دی گئی ہیں اُن بے ضرر لوگوں کو جو گھروں میں ہیں دُکھ نہ دو۔ مستورات کو بچاؤ۔ جو بچے دُودھ پیتے ہیں اُنہیں ایذا مت دو۔ اور بیماروں کو بھی تکلیف نہ دو۔ اِن باشندوں کے گھروں کو جنہوں نے مقابلہ نہیں کیا مسمار نہ کرو۔ اور اُنکے ذرائع خورد و نوش کو ضائع نہ کرو اور نہ ہی اُن کے پھلدار درختوں کو جو احکام حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ حضرت محمد صلعم نے اسلامی فوجوں کو دیئے وہ بھی ذیل میں برائے مقابلہ لکھے جاتے ہیں :۔

اِس امر کا اطمینان کر لو کہ تم اپنی قوم کو تکلیف نہیں دے رہے۔ اور اُنہیں بےچینی میں نہیں ڈال رہے۔ بلکہ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرو۔ اور خبردار کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو سچائی اور انصاف سے دُور ہو۔ کیونکہ جو اس کے خلاف کرینگے وہ خوشحال نہ ہونگے۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ بہادری سے مقابلہ کرو۔ اور اپنی پیٹھ مت دکھاؤ۔ اور اگر تم فتح حاصل کرو۔ تو چھوٹے بچوں۔ بڑے مردوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔ کھجور کے درخت ویران نہ کرو۔ اور اناج کے کھیت مت جلاؤ۔ پھلدار درخت نہ کاٹو اور نہ کسی مویشی کو ایذا پہنچاؤ بجز اُن جانوروں کے جنہیں تم اپنی خورش کیلئے ذبح کرو۔ اور اگر تم کوئی معاہدہ کرو تو اُسکی پابندی دل سے کرو۔ تمہیں سفر میں ایسے مذہبی لوگ ملینگے جو خانقاہوں میں گوشہ نشین ہیں اور اپنے طریق پر خدا کی عبادت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہرگز قتل نہ کرو اور نہ اُنکی خانقاہوں کو ویران کرو +

اسلامی جرنیلوں نے اِن ہدایات کے مطابق اپنے سپاہیوں سے بڑی احتیاط کے ساتھ کام لیا۔ عمر ابنِ عباس جب قاہرۂ قدیم میں داخل ہوئے۔ تو اُنہوں نے تمام مصریوں کے قانون کے مقابلہ میں آزادی اور مساوات کا اعلان کر دیا۔ امن اور انصاف اور قانونی عدالتیں قائم کر دیں۔ اور عوام الناس کی بہتری کے انتظام میں مصروف ہوئے۔ جب وہ قاہرہ سے سکندریہ جانے لگے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک کبوتری نے اُن کے خیمہ کے اُوپر گھونسلا بنا رکھا ہے اور اُسمیں انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اس کبوتری کی خاطر خیمہ چھوڑ دیا اور تاکیدی حکم دیا۔ کہ کوئی اس جانور کو نہ چھیڑے۔ یا اس خیمہ کو نہ اکھاڑے جب تک کہ کبوتر کے بچے اُڑنے کے قابل نہ ہوں +

اُس زمانہ میں مصریوں کا اعتقاد تھا کہ دریائے نیل میں اس وقت تک طغیانی نہیں آتی جب تک کہ کسی جوان باکرہ کو عروسانہ لباس پہنا کر ہر سال اسمیں نہ ڈالا جائے۔ جب اُنہوں نے اس رواج کے متعلق

سنا تو انہوں نے خلیفۂ وقت کی خدمت میں لکھا اور انکی ہدایات کے مطابق اس مکروہ رسم کو فوراً بند کر دیا

قوانین حفظان صحت

حضرت محمد صلعم کو علم تھا کہ شراب۔ گرد و غبار اور ناصاف ہوا انسان کیلئے مضر ہیں اسلئے آپ نے روزانہ وضو و غسل کے متعلق ہدایات صادر فرمائیں۔ اور حکم دیا کہ ہفتہ میں کم از کم ایکبار تمام جسم کو پانی سے صاف کیا جائے اور ستھرے کپڑے پہنے جائیں۔ اور شراب سے اور تمام ایسی اشیاء سے جو تجربہ سے انسانی صحت کے لئے مضر پائی گئی ہیں قطعاً ممانعت فرمادی۔ قرآن کا حکم ہے کہ کھاؤ پیو لیکن اعتدال سے باہر قدم نہ مارو۔ اس حکم کی ممانعت میں ہمیشہ فائدہ ہی ہے +

۴۔ اخلاقی قوانین

ہر مسلمان کیلئے بعض فرائض مقرر کر دئیے گئے ہیں۔ جو اسکی ذات کے متعلق دیگر مسلمانوں کے عام انسانوں کے اور بیزبان جانوروں کے متعلق ہیں +

قمار بازی قطعاً بند کر دی گئی۔ انصاف۔ راست گوئی اپنے جذبات پر قابو رکھنے اور دیگر نیک خصائل کے بارے میں بہت تاکید کی گئی۔ چونکہ وقت تھوڑا ہے۔ اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف تین احکام اس موقعہ پر بیان کئے جاتے ہیں :۔

(۱) مسلمان بوجہ ہم مذہب ہونے کے ایکدوسرے کے بھائی ہیں۔ اسلئے چاہئیے کہ وہ ایکدوسرے کو تکلیف نہ دیں۔ اور نہ ایک دوسرے کی مدد سے پہلوتہی کریں۔ اور نہ ایکدوسرے کو حقارت سے دیکھیں وغیرہ وغیرہ +

(۲) سب سے اچھا انسان وہ ہے جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے +

(۳) جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں خدا کا خوف دل میں رکھو۔ ان پر اس وقت سواری کرو جب وہ سواری کے قابل ہوں۔ اور جب وہ تھک جائیں ان سے کام نہ لو۔ جو بیزبان جانوروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں انہیں اجر ملیگا +

بہت سی مخرب الاخلاق باتوں کی ممانعت کردی مثلاً کعبہ کے گرد برہنہ اور بے تمیزی سے طواف کرنا

(د) ممانعت رہبانیت

حضرت محمد صلعم نے دیکھا کہ انسان نہ تو سب کے سب نیک ہی ہیں اور نہ سب کے سب بُرے البتہ گناہ

ترقی کرنے سے کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن رُہبان بن کر ترقی کرنا مشکل ہے بلکہ رفتہ رفتہ
اِس طریق سے دور ہو سکتی ہے۔ کہ انسان دُنیا اور اس کے طریقوں کا پورا پورا علم حاصل کرے۔ اسی وجہ
ہر قسم کی رُہبانیت سے اسلام نے لوگوں کو روک دیا۔

(۳) اِنسدادِ مفلسی

اسلام کے بینظیر ارکان میں سے ایک رُکن زکوٰۃ یعنے انسدادِ مفلسی ہے یہ سال کے بعد ہر ایک سرمایہ
میں سے جس کی مقدار ایک خاص رقم سے زائد ہو اڑھائی روپیہ فیصدی محصول یا ٹیکس وضع
کیا جاتا تھا۔ جو معہ دیگر ٹیکسوں کے بیت المال کا بنیادی پتھر تھا۔ اِس طرح آمد و خرچ کا اندازہ
رکھا جاتا تھا۔ اور موجودہ بجٹ کی ابتداء اِس سے ہوئی ہے۔ اسلام سے پہلے بادشاہ اپنی
ہر قسمت رعیت اور مفتوح لوگوں سے جس قدر مال جبر و تعدی سے وہ وصول کر سکیں کرتے تھے۔ اور
اس مال کو بیہودگیوں اور دیگر اپنی بدمعاشیوں میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ لوگوں کی آرام آسائش
کا کبھی خیال نہ کیا جاتا تھا تاوقتیکہ حاکم کی بھی اسمیں دلچسپی نہ ہو۔ لیکن اسلام نے حکومت کو
لوگوں کا خادم بنا دیا۔ بیت المال قائم کیا گیا اور وہ لوگوں کی مشترکہ جائداد سمجھا جاتا تھا خلیفہ
اسمیں سے فقط اسقدر ملتا تھا جو اس کے اور اسکے عیال کے گذارہ کیلئے کافی ہو۔ جو دولت
باہر سے آتی تھی وہ اسلام کے عام اغراض پر بڑی دانشمندی کے ساتھ خرچ کیجاتی تھی یتیموں
بیوگان اور بیکسوں کی خورونوش کا انتظام کیا جاتا تھا۔ جو بحیثیت ہونے کے ان کا حق تھا
لیکن اسے خیرات نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت مدد دی جاتی تھی۔ ہر ایک مسلمان
کا فرض تھا کہ وہ اپنی قوم کی بہتری کیلئے کچھ نہ کچھ امداد کرے۔ اور اگر وہ نادار ہوتا تو اُسے کچھ
دیا جاتا۔ اگر کوئی معزز مسلمان دیوالیہ ہو جاتا تو اس کا خاندان کسی قسم کی امدادی کام کرنے کی درخواست
نہ کرتا بلکہ وہ اُلٹا ایک حق طلب کرتا جو اُسے فوراً دیا جاتا۔ اگر ناداری اسکی اپنی کسی غفلت کی وجہ سے
ثابت نہ ہوتی۔ اگر وہ کسی کام کیلئے درخواست کرتا تو اُسے دیا جاتا اور اسکی مدد ہر طریق سے کیجاتی تاکہ
وہ اپنی پہلی تجارت قائم کر سکے۔ یا کوئی اور تجارت شروع کرنے۔ مثلاً اگر اسلامی سلطنت کے کسی
حصہ میں قحط سالی ہوتی تو بیت المال ضروری امداد دینے کیلئے تیار رہتا تھا۔ اور اس بر مسلمان
ہونے کی حیثیت سے لوگوں کا حق تھا۔ اس دستور العمل کو وہ لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے جنہیں

اس تباہی کا اور اس کے نتائج کا علم ہی جو یورپ کے ان مقامات میں ہو رہی ہے۔ جہاں مفلس او نادار لوگ رہتے ہیں۔ یورپ میں بیکاروں کے جلوس دیکھے جاتے ہیں۔ اور ان میں سب ایسے نہیں ہوتے جو کام کرنا نہیں چاہتے بلکہ ان میں ایسے بد قسمت لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو باوجود قوی اور طاقتور ہونے کے کام حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے دُبلے پتلے چہروں اور پھٹے پُرانے کپڑوں سے صاف طور پر مفلسی عیاں ہوتی ہے۔ اکثر ان میں سے آسمان تلے رات گذارتے ہیں اور جب کبھی لحہ بھر کیلئے ان پر نیند غالب آتی ہے۔ تو پولیس والا ہوشیار ہو کہہ کر انہیں بے آرام کر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چلے جاؤ۔ اگر مفلس لوگوں کے محلّوں کے تنگ و تار کوچوں اور صحنوں میں آپ جائیں تو وہاں ان کی مفلسی کا ایک نیا نظارہ دکھائی دیگا۔ وہاں اس قسم کے غریب مزدوری پیشہ لوگ آباد ہیں جنہیں محنت کی مزدوری اسقدر ملتی ہے جو ان کے جسم و جان کو قائم بمشکل رکھ سکتی ہی کوچے ایسے بچّوں سے پُر نظر آتے ہیں جو گندی نالیوں ہی میں کھیلتے ہیں۔ ان بچوں کی حالت نہایت رحم کے قابل ہے۔ کیونکہ ابتدا ہی سے انہیں کوئی مفید موقعہ نہیں ملتا جس صورت میں ان کے چاروں طرف ناقابل بیان گندگی اور اُس کے لازمی نتائج ہوں تو کب معزز شہری بننے کا وہ موقعہ پا سکتے ہیں نیویارک کے ایک شخص کی نسبت میں نے سُنا کہ وہ ہر سال موسم سرما میں خفیف سے جُرم کا مرتکب اسلئے ہوتا کہ اُسے جیلخانہ میں خوراک اور گرم جگہ ملیگی۔ اسطرح ایک ضعیف العمر شخص نے چند ہفتے لیوی پوسٹر بٹ میں کہا کہ میں جیلخانہ میں جاکر مشقت کرنے کو اس کارخانہ پر ترجیح دیتا جہاں کہ وہ گذشتہ سال سے کام کر رہا ہے۔ اصل تہذیب اس کا نام نہیں کہ ہر ایک شخص کیلئے کام مُہیا کیا جائے بلکہ اس ذلیل مفلسی کو دُور کرنا ہی سچی تہذیب ہے جیسا کہ اسلام نے مختلف طریقوں سے کیا +

انقلاب ملکی

نئی طرز حکومت جس کی بنیاد مدینہ میں رکھی گئی حقیقت میں جمہوری سلطنت تھی۔ مرد اور عورت بُوڑھا اور جوان۔ شہری اور آزاد شدہ سب کے سب اس سچی جمہوری حکومت کے ماتحت مساوی حقوق رکھتے تھے۔ اور ہر ایک کا کل سلطنت و قوم کی بہبودی کیلئے کوشاں رہنا فرض تھا۔ اس نئی حکومت نے کمزور کو زبردست سے۔ غریب کو دولتمند سے اور عوام کو طبقۂ امرا سے بچانے کا

بیڑا اُٹھایا۔ غربا کیلئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو پناہ وحفاظت میں سمجھا اور انہیں معلوم ہُوا کہ کوئی زبردست طاقت انہیں بچانے والی موجود ہے۔ زبردست اب محتاط ہو گئے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ انکی سختیوں کی وجہ سے انہیں سزا ملیگی +

اس وقت نہ تو کوئی مطلق العنان اور نہ موروثی بادشاہ تھا۔ قوم میں سے جو سب سے اچھا ہوتا اُسے قوم کی بہتری کیلئے اور اسلام کے اصُولوں کے مطابق حکومت کرنے کیلئے منتخب کیا جاتا تھا خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اکثر مسجد کی سیڑھیوں پر سویا کرتے خلیفہ کا خزانہ عامرہ پر دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حق نہ تھا۔ انکی تنخواہ مقررہ تھی۔ اور مسلمانوں کی رائے کے خلاف اسمیں اضافہ نہ کیا جا سکتا تھا +

محصُول و ٹیکس مقررہ تھے۔ اور بیت المال کے ذریعہ اکٹھے کئے جاتے اور اُنکا انتظام ہوتا بیت المال کا کام ایک نرالی قسم کا تھا۔ بیوگان یتیمی اور بیکسوں کی پرورش اس سے ہوتی۔ بیکاروں کیلئے کام کا انتظام ہوتا۔ اور جب تک یہ انتظام اپنی اصلی اور ابتدائی صُورت میں رہا مفلسی معدوم ہوگئی۔ بیت المال کسی فرقہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ بلکہ تمام مسلمانوں کا اس پر برابر حق تھا۔ یہ نئی اخوت حقیقی تھی اور متحد کرنیوالی تھی۔ کسی جماعت کو کوئی خاص حقوق لوگوں پر ظلم کرنے کیلئے حاصل نہ تھے۔ خواہ جماعت دنیاداروں سے تعلق رکھتی ہو اور خواہ مذہبی لوگوں سے مشرقی مصر اور مغربی ہسپانیہ کا حال پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس اتحاد واخوت نے غیرممالک کے لوگوں پر اور بالخصوص ان مفتوحہ اقوام پر جو رومیوں کے ماتحت تھے ضرور اثر کیا ہوگا۔ یہ لوگ مدینہ میں آئے۔ اور دیکھا کہ اس قسم کے حالات اور کسی جگہ نہیں۔ پس انہوں نے فوراً مسلمانوں سے التجا کی کہ وہ انہیں ان ظالموں کے پنجہ سے جن کے ماتحت وہ اس وقت تھے نجات دلائیں +

حالتِ ہسپانیہ رومیوں اور مغربی گاتھ کے زیرِ حکومت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں سلطنت روما کے دیگر علاقوں کی طرح ہسپانیہ کی بھی بہت بُری حالت تھی۔ گو اُمرا تعداد میں زیادہ نہ تھے لیکن اُنکے قبضہ میں قریباً ملک کی ساری دولت تھی۔ ان کی خدمت میں بیشمار غلام موجود رہتے۔ اور وہ تمام عُمر قماربازی عیاشی اور ہر ایک قسم کی بدمعاشی میں صرف کرتے۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ ان پر کسی قسم کا ٹکس و محصُول نہ تھا۔ بلکہ اس کا بوجھ دیگر فرقوں اور اشخاص پر تھا۔ ان خونخوار و حریص رومیوں کی خاطر

مختلف قسم کی تعدی و دست درازی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی مالگذار یا ٹکس ادا کرنیوالا نادار ہو جاتا تو اُس کے ہمسایہ کو دوگنا ٹکس یا خراج ادا کرنا پڑتا +

متوسط درجہ کے زمینداروں کی حالت قابل افسوس تھی۔ ان لوگوں پر تمام محصول و خراج کا بوجھ پڑتا۔ پھر اپنی زمین بلا منظوری شاہ روما فروخت نہ کرسکتے تھے! اور اگر ان میں سے کوئی مایوسی کیحالت میں بھاگ جاتا تاکہ کوئی بُری بھلی ملازمت کرے تو اُسے ڈھونڈ کر پکڑا جاتا۔ اور اپنے پہلے کام پر پھر اُسے جبراً لگایا جاتا۔ زمینداروں کی آسامیوں کی حالت تو اَور بھی بدتر ہوتی۔ وہ گویا زمین کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ اور زمین کے ساتھ وہ بھی بیچ دیئے جاتے تھے۔ اُن کا فرض تھا۔ کہ وہ زمین کے مالک کے لئے کام کریں اور غلہ بہم پہنچائیں۔ رومیوں کو وہ اپنا علیحدہ محصول ادا کرتے۔ اُن سے فوجی خدمت لینے کا رومیوں کو ہر وقت حق تھا۔ غلاموں کی ان سے بھی بڑھ کر خراب حالت تھی وہ اپنے مالک کے نزدیک ایک قسم کی جائداد سمجھے جاتے تھے۔ وہ تعداد میں اس قدر بیشمار تھے کہ جب ایک دفعہ روما کے مدبروں نے تجویز کی کہ سب کے سب ایک ہی قسم کی پوشاک پہنا کریں تو اس تجویز کو اس بنا پر رد کیا گیا کہ غلاموں کو معلوم ہو جائیگا کہ انکی تعداد ان کے مالکوں کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔ ایک بہت بڑی جنگ کے بعد بھی جس میں بیشمار غلاموں کا نقصان ہوا دیکھا گیا کہ بعض مالکوں کے پاس چار ہزار بلکہ آٹھ ہزار تک غلام موجود تھے۔ اُن غریب بدقسمتوں کے ساتھ انکے مالک بڑی بےرحمی سے سلوک کرتے۔ اور ان کی زندگی اور موت برابر سمجھی جاتی تھی +

اوسط درجہ آدمی اور زمینداروں کی آسامی اور غلام کے لئے اِس ظلم سے نجات حاصل کرنیکی ایک راہ تھی۔ وہ جنگلوں میں بھاگ جاتے اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ وہ قزاقوں کا ایک جتھا بنا لیتے اور وقتاً فوقتاً جہاں کہیں ممکن ہوتا ڈاکہ زنی کرتے ایکدفعہ تو ان کا وجود ایسا خطرناک ہو گیا کہ ان سے مقابلہ کیلئے ایک فوج بھیجنی پڑی +

اِن واقعات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عوام کو اس بات کی بالکل پرواہ نہ تھی کہ ملک پر کون حکمران ہے۔ انکی اِس قسم کی لاپرواہی سے مغربی گاتھ کیلئے ہسپانیہ کا فتح کرنا آسان ہو گیا۔ ان وحشیوں نے اگرچہ ان کا مقابلہ بھی کسی نے نہ کیا۔ گرجوں اور گھروں کو جلا دیا۔ اور عورتوں مردوں اور بچوں کو یا تو قتل کیا اور یا غلام بنا لیا۔ اس خوف کی وجہ سے جو لوگوں کے دلوں پر طاری ہوا جنگلوں میں قزاقوں

کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد کاہنہ وہاں مالک کی حیثیت میں منقسم ہو گئے لیکن پادریوں
کے اثر میں آگئے جو اِس طرح ایک زبردست طاقت بن گئے +

جب پادریوں کی طاقت کمزور تھی۔ تو یہ سامیوں اور غلاموں کی مدد کرتے۔ بلکہ انکی آزادی اور
رہائی کے لئے وعظ بھی کیا کرتے تھے لیکن جونہی انکی طاقت بڑھی۔ اور اُن کے قبضہ میں پڑے ہوئے
املاک اور محلات معہ خدمتگاروں اور غلاموں کے آگئے تو انہوں نے علے الاعلان ظاہر کیا۔ کہ فطرت نے
بعض کیلئے غلام اور بعض کیلئے آقا ہونا لکھ دیا ہے۔ جب حالات اس سے بھی بدتر ہو گئے۔ اور لوگ پکار
اُٹھے کہ پادریوں کی حکومت بجائے زمینی بہشت ہونے کے ایک زمینی دوزخ ہو گئی ہے۔ تو کلیسیا
سے جواب ملتا کہ یہ حالت اسلئے ہے کہ یہودیوں کو جنہوں نے جناب مسیح کو مارا تھا تا حال سزا نہیں
ملی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بدبختوں کو ہر جگہ دکھ دیا گیا۔ پھر موت سے بچنے کیلئے بعض یہودی
عیسائی بن گئے لیکن اس حالت میں بھی ان کے بچے اُن سے جدا کئے گئے۔ تا کہ ان بچوں کی تربیت
پشتینی عیسائیوں کی طرح ہو۔ بعض کی آزادی اور جائدادیں چھین گئیں۔ اور اُنہیں ان عیسائیوں کا
غلام بننا پڑا جو خود پہلے غلام تھے + (باقی دارد)

دین عیسوی کا مفاد

اکثر اور بار بار میرے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فائدہ کیسی راحت اور طمانیت اور کیا نفع
رُوحانی اخلاقی یا مادی ان لوگوں کو ہوتا ہے۔ جو اس زمانہ میں مسیحی عقائد پر ایمان رکھتے اور
اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں جبکہ سائنس اور معقولیات اس درجہ ترقی کر چکی ہیں اور جو زمانہ اسی
حیرت انگیز انقلاب سے تیرہ صدی سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد آتا ہے۔ جو انقلاب بی بی آمنہؓ کے یتیم بچے
نے مذہب اخلاق۔ رُوحانیت اور تمدنی اور سیاسی نظامات کے متعلق انسانی خیالات میں پیدا کر دیا
بلکہ خود عقل انسانی میں ایک تغیر پیدا کر دیا۔ اور اُسے اوہام باطلہ اور تعصبات کی
جکڑبندیوں سے آزاد کر کے حریت کے زیور سے آراستہ کر دیا پس میں نہایت انکساری اور خاکساری کے
ساتھ ان فاضل بزرگوں سے استفسار میں ہدایت چاہتا ہوں۔ جو موجودہ یا سابقہ عیسائیت پر پختہ یقین

رکھتے ہیں۔ اگر ایسے اصحاب واقعی کہیں موجود ہیں +

یہ بحث ایسا بلند پایہ اور وسیع النشان ہے کہ اسکے متعلق سوال دلآزاری اور رنج دہی کی نظر سے نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس کا جواب بھی کٹ حجتی کے خیال سے نہیں بلکہ پورے طور پر یقین دلانے والا ہونا چاہئے۔ عیسائیت اسقدر شاخ در شاخ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ عیسائیوں میں عام اور متفق علیہ عقیدہ کیا ہے۔ جسے عیسائیت کے نام سے موسوم کیا جا سکے عیسائیت اب ہرگز ایسی مشخص اور مصرح نہیں رہی۔ جیسا کہ مثلاً اسلام ہے۔ اسلام میں بھی مذہبی مناقشات اور فرقہ بندیاں ہوئی ہیں بہت سے اختلافات اور تفرقے پیدا ہوئے ہیں۔ جن سے اسلام کے اس پہلو کے اعتبار سے جو علم فقہ سے متعلق ہے۔ بلکہ بعض رسمیات کے بارہ میں بھی کئی فریق ہو گئے ہیں۔ لیکن اسلام کے بنیادی اصول آج بھی بعینہ وہی ہیں۔ جو آج سے تیرہ سو برس پیشتر تھے۔ اللہ تعالےٰ کی توحید پر کامل اور شرک سے پاک ایمان کہ وہ پاک اور بزرگ ہے حاضر و ناظر ہے۔ قادر مطلق ہے اور الرحمٰن اور الرحیم ہے۔ فراخ دلانہ اور فرق نہ کرنیوالا ایمان تمام ان انبیاء اور صحف پر جو اللہ تعالےٰ نے مختلف اقوام و ممالک کے لوگوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً اور آخری اور خاتم النبیین نبی کی بعثت سے پیشتر جو اپنے ساتھ آخری اور ابدی اور ناقابل تحریف ہمہ گیر کتاب لایا مبعوث یا نازل فرمائے اور ایمان اللہ تعالےٰ کے فرشتوں پر اور یوم آخرت پر۔ یہ تمام عقائد تا حال اسلام کے اساسی عقائد ہیں۔ علیٰ ہذا اسلام کے پانچ ارکان بھی وہی ہیں جو پہلے تھے یعنی (۱) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر صدق دل سے ایمان (۲) نماز پنجگانہ (۳) زکوٰۃ یعنی غربا کی اعانت اور دیگر نیک کاموں کے لئے لازمی چندہ (۴) حج کعبہ زندگی میں کم از کم ایکبار (۵) ماہ رمضان میں روزے +

بخلاف اس کے دین عیسوی میں کیا بلحاظ عقائد اور کیا بلحاظ اصول زندگی کوئی بات بھی معین و مشخص نہیں رہی ہے۔ اکثر عیسائی اب بھی پرانے عہد نامہ کو اپنے لئے شریعت کی کتاب مانتے ہیں۔ لیکن یہی جماعت کثیر بعثت مسیح کے متعلق جو عقیدہ رکھتی ہے اس کا اُسے پہلے عقیدہ سے توافق نہیں ہے۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عام عقیدہ تو یہ ہے کہ پرانا عہدنامہ الہامی کتاب ہے۔ لیکن عام عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک ناقابل شکست

اور نادر شریعت لانے نے شریعت کے آئین کی جگہ قربانی نے لے لی۔ جس سے کفارہ کا مسئلہ منتج ہوا
ان دونوں باتوں میں توافق پیدا کرنا ناممکن ہے۔ اگر شریعت کو قائم رکھا جاتا۔ اور اگر ان قوانین
کی بجا آوری جو ایک خاص قوم کے لئے خاص حالات میں وضع کئے گئے تھے۔ اس ترقی یافتہ زمانہ میں
جبکہ نوع انسانی ایکدوسرے کے قریب تر آگئی ہے۔ ممکن ثابت ہو جاتی۔ تو صاف ظاہر تھا
کہ عیسائیوں کو عیسائی ہونے سے وہی خلاقی یا مادی فواید حاصل ہوتے جو یہودیوں کو یہودی ہونے سے
حاصل ہوتے ہیں لیکن عیسائیت موجودہ صورت میں تمام الہامی قوانین سے تقریباً پورے طور پر مبرا
اور بے تعلق ہو چکی ہے۔ مسیحی دنیا میں قانون سازی کا کام ان لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے
جنہیں مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ پس کاروبار کی سرانجام دہی کیلئے انفرادی یا قومی حیثیت سے ان کا
عیسائی یا دہریہ کہلانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم عیسائی ممالک میں دیکھتے
ہیں کہ پادریوں کی مخالفت کے باوجود قانون پاس کرلئے جاتے ہیں۔ جیسا مثلاً انگلستان میں متوفی زوجہ
کی ہمشیرہ کے ساتھ جوازِ نکاح کا قانون +

عیسائیوں کے مذہبی اور تمدنی قوانین بھی پرانے عہد نامہ کے قانون نہیں ہیں۔ ان کا سبت
الگ ہے۔ انہوں نے تعداد ازدواج کو جس کا یہودی بزرگوں میں رواج تھا۔ ترک کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ
جیسی کہ آجکل عیسائیت کی صورت ہے۔ وہ عملاً اس عقیدہ پر عامل ہے۔ کہ حضرت مسیح ایک بالکل
نئی شریعت لائے۔ ہزاروں سال کے تجربہ کے بعد خدا کو معلوم ہوا کہ انسان جو خود اسکی مخلوق ہے۔ اس
قابل نہیں ہے۔ کہ اسکے قوانین کی تابعداری کرکے نجات حاصل کرسکے۔ لہذا اس نے نوع انسان
کیلئے نجات حاصل کرنے کا ایک نیا طریق نکالا۔ اور وہ یہ کہ تمام بنی آدم کے اعمال کی ذمہ واری کا
بوجھ ایک شخص کے کندھوں پر ڈال دے۔ مسیح کے مصلوب ہونے کے دن اسبات کی ضرورت نہ رہی
کہ لوگ قانون الٰہی کی تابعداری کرتے ہیں یا نہیں۔ بلکہ نفس الواقعہ یہ تسلیم کر لیا گیا۔ کہ وہ ان
قوانین کی پابندی کے فطرتاً ناقابل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کجروی اور نافرمانی اپنے مورث
اعلےٰ حضرت آدم اور حوا سے ورثہ میں پائی ہے۔ اگر وہ دوسری دنیا میں نجات حاصل کرسکتے ہیں
تو صرف مسیح کے ذریعہ سے۔ اور جہانتک دنیاوی معاملات کا تعلق ہے۔ یہ بادشاہوں کا فرض ہے۔ کہ
انکی نگہداشت کریں۔ عیسائیت کو بناتہ اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اسکے کہ معاشرتی قوانین

مثلاً طلاق یا اقوام میں ترک مسکرات کے متعلق اصلاحات میں رُکاوٹ پیدا کرے۔

تمام وہ قومیں مثلاً یہودی اور مسلمان جو مذہبی شریعت رکھتی ہیں ان شریعتوں پر عمل کرتی ہیں نہ صرف ان قوانین پر جو انکی کتب مقدسہ میں مرقوم ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے اُسوہ پر بھی۔ موسےٰ علیہ السلام یہود کیلئے سند ہیں۔ وہ ان کے لئے اُسوہ اور نمونہ ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ آج بھی وہ موسیٰ کے نقش قدم پر چلنے سے کچھ حاصل کرتے ہیں یعنی کہ وہ آج اُن کے ہادی اور رہنما ہیں مسلمانوں کیلئے تو زندگی یا خیال کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جسمیں حضرت محمد صلعم کی ذات مبارک ایسا ہی اُسوہ۔ نمونہ اور مثال پیش نہ کرتی ہو۔ جیسا کہ وہ اس زمانہ میں پیش کرتی تھی۔ جبکہ آج سے تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلعم بجسد عنصری اس معمورہ میں تشریف فرما تھے ہر ایک مسلمان کو اپنے ابد قرار اور ہمہ گیر پیغمبرؐ کی ذات مبارک پر فخر اور ناز ہے۔ تاریخ کے فتووں نے ان پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ جس قدر وہ حضرت محمد صلعم کے اُسوہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں اسیقدر زیادہ وہ قومی اور انفرادی حیثیات سے مادی عقلی اور رُوحانی ترقی کرتے ہیں۔ اسلام کی پاک کتاب محفوظ ہے۔ اور تحریفات اور تصرفات سے پاک ہے۔ کیونکہ اسکی تصنیف انسانی ہاتھوں سے نہیں ہوئی ہے۔ تمام ضروری قوانین اسمیں موجود ہیں۔ پھر بھی اہل اسلام محسوس کرتے رہے ہیں۔ کہ اس دنیا میں بھی وہ اسوہ اور نمونہ کے محتاج ہیں۔ انہوں نے نہایت صحت کے ساتھ ہزاروں احادیث نبوی جمع کی ہیں۔ اس وسیع عالم میں کوئی انسان نہیں ہے۔ بلکہ اس پیرانہ سالہ دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں گذرا۔ جس کے حالات زندگی اس قدر تفصیل۔ باریک بینی خلوص عقیدت اور صحت کے ساتھ معرض تحریر میں لائے گئے ہوں۔ جیسے کہ ختم المرسلین۔ ختم المصلحین۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھے گئے ہیں مسلمان رسُول اللہ کے اُسوہ کی ضرورت کامل طور پر محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت نے خود فرما دیا تھا۔ کہ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ اسلام کا مرکزی اصول ہمیشہ مسلمانوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ کہ محمد صلعم صرف اللہ کے رسُول تھے یعنی اللہ کے بندے تھے باوجود اسکے تمام جہان کے مسلمانوں میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں ملیگا۔ جو یہ یقین نہ کرتا ہو۔ کہ وہی نبی تمام جہان کیلئے اُسوہ حسنہ ہے۔

عیسائیوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ مسیح ان کے لئے اسوہ نہیں ہیں۔ اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ انہوں نے اسکو خدا بنا رکھا ہے۔ وہ اسکو خدا کے بیشمار فرزندوں سے ایک نہیں سمجھتے۔ بلکہ واحد اور اکلوتا بیٹا مانتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ اور اس کے نمونہ کو اس دنیا میں ناقابلِ اتباع نہ بنا دیا ہوتا۔ تو بھی وہ شخص جسے سر ٹکانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ جو تحفظ ذاتی کے خلاف وعظ کہتا تھا جس نے دولتمندوں کیلئے بہشت میں جانا ناممکن قرار دے دیا تھا۔ جو خود اپنی زندگی میں اپنے مٹھی بھر قریبی پیرووں اور شاگردوں میں وفاشعاری، جانبازی اور اخلاقی جرأت کی روح نہ پھونک سکا۔ اور جو ایک قبیلے کی زندگیوں میں بھی کوئی اصلاح نہ کر سکا ممکن نہیں کہ اس زمانہ کی ترقی یافتہ اور منضبط نسلِ انسانی کے لئے نمونہ بن سکے ✦

پس یہ سمجھنا آسان نہیں۔ کہ عیسائی لوگ اپنے آپ کو مسیح کا پیرو کہنے سے اس دنیا میں کونسا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ فی الواقع وہ اسکی پیروی نہیں کرتے۔ نہایت نیک ارادوں اور نہایت بلیغ کوششوں کے باوجود وہ اسکی پیروی نہیں کر سکتے۔ عیسائیوں کو اس سے کوئی اخلاقی فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ عیسائیت زندہ مذہب نہیں ہے۔ اسلام کی طرح یہ ایک زندہ طاقت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اعمال و افعال ان کے عقائد پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر علاوہ اس کامیابی کے جو اسے نسلِ انسانی کے ایک کثیر حصّہ کو جمہوریت، مساوات اور اخوت کے اصولوں پر عمل پیرا بنا دینے اور ان میں مسکرات کو قطعاً ترک کرا دینے میں حاصل ہوئی۔ اور یہ ایسی کامیابی تھی جسمیں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر اسلام سوائے اسکے اس دنیا میں اور کچھ بھی نہ کرتا۔ تو بھی یہ اس قابل تھا۔ کہ ہر ایک مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر فخر اور ناز کرتا۔ وہ زندہ اخوت جو باوجود تنزل و انحطاط کے اس زمانہ میں بھی مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اسلام کا ایک انمول عطیہ ہے ✦

جب میں قسطنطنیہ گیا۔ اور مجھے پرائیویٹ طور پر مسلمانانِ عالم کے خلیفہ شہنشاہ معظم کے حضور میں شرف باریابی بخشا گیا۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ اس عنایتِ خسروانہ سے مجھے اور میرے ہموطنوں کو بہت بڑا شرف اور اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اس کا جواب نہایت سبق خیز تھا۔ سلطان المعظم نے فرمایا۔ کہ شرف وغیرہ کا کیا ذکر۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پس وہ سب ایک دوسرے

کے مساوی حصے رکھتے ہیں۔ کیا یہ ایسا موقعہ نہ تھا۔ کہ میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا۔ یقیناً محض مہمانی یا سخاطر کی راہ سے نہیں تھا۔ بلکہ حقیقی اور عملی بات تھی۔ میں اس ملک میں اجنبی تھا۔ جو مرتبہ مجھے اپنے ملک میں حاصل ہے۔ سلطان المعظم کو اس کا چنداں علم نہ تھا۔ میرا نام تعارف صرف یہ تھا۔ کہ میں مسلمان تھا۔ اور میں نے دیکھ لیا۔ کہ نہایت عالیمرتبت اور بلند ترین ہستی سے مساویانہ اور برادرانہ سلوک حاصل کرنے کیلئے صرف یہی سند کافی ہے +

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ کہ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک انگریز مسلمان کے ایک عیسائی بھائی کو جرمنوں نے اس جنگ میں گرفتار کر لیا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ اسی کیمپ میں الجیریا کا ایک مسلمان بھی اسیر جنگ تھا۔ مسلمان قیدی کو جب معلوم ہوا۔ کہ انگریز قیدی کا ایک بھائی مسلمان ہے۔ تو اخوت اسلامی نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔ اور اسے انگریز مسلمان بھائی کو محبت آمیز خط لکھنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ نہ تو وہ اسکی زبان جانتا تھا۔ نہ اس کا ملک اس نے کبھی دیکھا تھا۔ اور کوئی جان پہچان نہ تھی +

اس قسم کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ جو ثابت کرتی ہیں۔ کہ اسلامی اخوت ایک زندہ طاقت ہے۔ پس کم از کم اس لحاظ سے تو مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے بہتر حالت میں ہیں +

بخلاف اس کے عیسائیوں میں ایسی اخوت اور ہمہ گیر جمہوریت یا مساوات ہرگز نہیں ہے امریکہ میں ایک سفید رنگ عیسائی دوسرے سیاہ رنگ والے عیسائی کو مار پیٹ کرنے سے چنداں پس و پیش نہیں کرتا۔ ہندوستان میں جب عیسائی مشنری پادری کسی نہایت نیچ ذات کے آدمی کو (اور عیسائی مشنری عموماً نہایت نیچ اور مفلس طبقہ سے اپنے رنگروٹ بھرتی کرتے ہیں) گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو ذات پات کا امتیاز نہ صرف باقی رہتا ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ نام نہاد گوروں کا مسیحی تکبر و نخوت نہایت بیدردانہ ہے عیسائیوں میں ملکی۔ تراعظمی نسلی۔ طبقی بلکہ جنسی امتیازات بھی ہمیشہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں جسمیں مذہبی شعبہ بھی شامل ہے نہایت نمایاں رہتے ہیں۔ حالانکہ جس انسان کو وہ خدا بنا کر پوجتے ہیں وہ ایک معمولی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جس کا خاوند نجاری پیشہ کرتا تھا۔ عیسائی جماعت میں پیشہ ور اور مزدور حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ

امرا کے محلات میں تاجر پیشہ لوگوں کے اندر آنے کے لئے الگ پائیں دروازے مخصوص ہوتے ہیں پس مساوات اور اخوت کے اعتبار سے اور ہمہ گیر جمہوریت کے لحاظ سے کوئی عیسائی بحیثیت عیسائی ہونیکے بہتر حالت میں نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک مسلمان ہے +

اخلاقی بندشوں کے لحاظ سے عیسائیوں کی حالت اور بھی خراب ہے۔ ایک عیسائی ملک میں جہاں کہ کلبوں اور پرائیویٹ مکانات میں قمار بازی کی اجازت ہوتی ہے۔ جہاں زنا کاری کوئی جرم نہیں ہوتا۔ جہاں شراب خانوں کی تعداد گرجوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور جہاں شراب نوشی نہ صرف ممنوع ہی نہیں۔ بلکہ خاص خاص مواقع پر مذہبی تقدس اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہاں ایک مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو بہتر حالت میں محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ یہ محض اسکے مذہب کی تعلیمات ہی کے فیض سے ہے۔ کہ وہ ان تمام بدیوں سے حظ اُٹھانے کی ترغیبات اور تحریصات پر قابو پانے کے قابل ہو جاتا ہے +

مسلمانوں کی زندگی ان کے مذہب کے قواعد کے پورے پورے تابع ہوتی ہے عیسائیوں کی زندگی پر ان کے مذہب کا ہرگز کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔ اسلام ایک مسلمان کو تمام وہ قوانین اور تعلیمات دیتا ہے۔ جو اس کو ایک بہتر رعایا۔ بہتر سپاہی بہتر تاجر۔ بہتر سیاست دان الغرض بحیثیت مجموعی بہتر مرد اور عورت بنانے کیلئے ضروری ہیں عیسائیت کو ان جملہ معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کے پیرو ونکو اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس سے وہ کوئی ہدایت نہیں پاتے۔ یہ ان کو کوئی ضابطہ نہیں سکھاتی +

پس اخلاقی تمدنی سیاسی یا اخوت ہمہ گیر کے اعتبار سے عیسائیت قطعی بے سُود ہے اور اس سے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی میری سمجھ میں آتا ہے۔ کہ اس شخص کو جو یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے اعمال کی ذمہ داری کا بار کسی دوسرے کے کندھوں پر ڈالا جاچکا ہے اور اسکی نجات اور بھلائی بجائے اسکے کہ اپنے اعمال پر مبنی ہو اس کا انحصار کسی دوسرے شخص کے خون کی قربانی پر ایمان لانے پر ہو جو ان تمام لوگوں کیلئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں کفارہ ہو کر مرا۔ ایسے شخص کو اس مذہب سے کیا روحانی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کسی مسلمان شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بہ پائمردیٔ ہمسایہ در بہشت

مسیح کے خون کے ذریعہ کفارہ کا ایمان اگر وہ ایمان واقعی اور حقیقی ہو۔ تو سوائے بغایت مخرب الاخلاق ہونے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین واثق ہے۔ کہ کوئی سلطنت اس ایمان کی بناء پر کہ بپتسمہ ہی حصولِ نجات جبلی اور فطری معصیت کی بیخکنی کیلئے کافی ہے۔ قوم کے بچوں کو اخلاقی قوانین و احکامات کی تعلیم دینا ترک نہیں کردیگی +

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی رُوح جو خود اپنا بار اُٹھائے ہوئے ہے کسی دوسری رُوح کا بار نہیں اُٹھائیگی۔ غیر مسلم لوگ اپنے اعمال کا نتیجہ پالینگے اور مسلمان اپنے اعمال کا اجر پالینگے وعلیٰ ہذا القیاس +

خون کے ذریعہ حصول نجات کا عقیدہ نہ صرف مخرب اخلاق ہے بلکہ بالکل وحشیانہ ہے۔ رُوحانیت اور تقوےٰ کے خلاف اس سے زیادہ اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ قادر مطلق۔ رحیم اور منصف خدا نہ صرف ایک سفاکانہ قتل تجویز کرے۔ بلکہ ایک معصوم انسان کو نہایت شدید عذاب کا شکار بنائے۔ خواہ اس فعل کا مقصد تمام نسل انسانی کی نجات ہی کیوں نہ ہو۔ یہ عقیدہ تو خدا کو ایک ظالم سنگدل اور ناکارہ ہستی ثابت کرتا ہے۔ جو دیدہ و دانستہ اپنے اکلوتے بیٹے پر عذاب الیم نازل کرنے کا صرف اس وجہ سے تہیہ کرلیتا ہے۔ کہ وہ خود انسانی رُوح کو معصوم پیدا نہ کرسکا۔ اس سے تو خدا ایک معمولی آدمی سے جو اپنے لختِ جگر کو رنج و بلا سے محفوظ رکھنے کیلئے خود اپنے آپ کو گرفتار بلا کرنے کو تیار ہو جائیگا بھی کم محبت کرنے والا کم فیاض اور کم شفقتِ پدری رکھنے والا ثابت ہوتا ہے +

کیا ایسے عقائد سے کوئی شخص بھی جو اپنے اندر رُوح رکھتا ہے رُوحانیت میں ترقی کر سکتا ہے۔ کیا ایسے ایمان سے اسکو راحت اور طمانیت حاصل ہو سکتی ہے نسل انسانی کا بہترین طبقہ اس قسم کی خود غرضی سے بہت بالا ہے۔ کہ ایسے مکروہ عقائد پر ایمان لاکر دوسرے دُنیا میں نجات کے وعدہ پر خوش ہو۔ ایک بلند ہمت اور عالی حوصلہ شخص ایسے خدا کی پرستش کرنے کی بجائے جو اسقدر بے درد۔ ظالم اور سفاک ہے کہ اسنے اپنے اکلوتے بیٹے کو عذاب میں گرفتار کرنے کا منصوبہ

باندھا۔ اسبات کو زیادہ پسند کریگا۔ کہ اس خدا کے قہر کا شکار بنے اور ابدی جہنم میں رہے
ایک بلند ہمت شخص اپنے اعمال بد کی سزا بھگتنا زیادہ پسند کریگا۔ اور یہ گوارا نہ کرے گا
کہ کوئی بےگناہ آدمی اسکی جگہ اسکو بچانے کیلئے سزا پائے +

جو عیسائی اس عقیدہ سے اپنے قلب میں راحت محسوس کرتے ہیں کہ مسیح کا خون اُن کیلئے
نجات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ شرافت و نجابت اور عدل و انصاف کا صحیح مفہوم انکے
دلوں میں ہو۔ مردمی بلکہ انسانیت کے درجہ سے بھی وہ بہت گرے ہوئے ہیں۔ اگر میں یہ جان لوں
کہ کسی دوسرے شخص نے میری جگہ اپنی جان دے دی ہے۔ تو خوش ہونے کی بجائے میری تمام عمر رنج و
الم کی تلخکامی میں گذریگی۔ کیا کسی مرد یا عورت کو کوئی تسلی اسبات سے ہو سکتی ہے کہ مسیح اُن کیلئے
ظلم کی موت مرا +

نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ الٰہیات کے نقطۂ نظر سے بھی مسیحی تثلیث کا عقیدہ
کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور مذہب میں ایک گھُندسا نہ پیچیدگی داخل کرنے سے
کوئی زمینی مفاد یا سماوی طمانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ واحد علیم و بصیر۔ قادرِ مطلق رحیم
لیکن ساتھ ہی جزا و سزا کے مالک خدا پر ایمان لانا اور اسکے آگے سر بسجود ہونا بہت زیادہ سیدھا
سادہ دلنشین ہونیوالا اور روح کو ترقی دینے والا ہے اس سے کہ انسان اپنے دماغ کو پریشان کرے
اور از راہِ خوش عقیدگی ظاہر داری کے طور پر ایمان لے آئے۔ کہ "ایک تین ہے اور تین ایک
ہے"۔ تضرع۔ محبت! اطاعت اور تابعداری کو ایک سے زیادہ ہستیوں میں کیوں تقسیم کرتے ہو۔
اس سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے کونسی راحت حاصل ہوتی ہے۔ اگر خدا قادرِ مطلق ہے۔ تو
اسکو ایک بیٹے کی امداد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ علیم و بصیر اور رحمٰن ہے تو انسان کو اسبات
کی ضرورت نہیں کہ اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے انسان کو وسیلہ بنائے +

اگر ہم مسیح کی صلیب کشی کے سانحۂ روح فرسا پر ایمان لے بھی آئیں۔ کہ خدا نے اپنا اکلوتے
کو بھیجا کہ عذاب سہے اور قتل ہو۔ تو اب تثلیث پر ایمان رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ باپ اور بیٹا
پھر ایک ہو گئے ہیں۔ بیٹا پھر باپ کے اندر ضم ہو گیا ہے۔ لہذا تمام عبادت اور عاجزی صرف باپ کے
آگے ہی ہونی چاہئے۔ خدائے منقسم پر اب کیوں ایمان جاری رکھا جائے۔ اور خدا کے لئے یہ بھی تو

بتاؤ کہ خدا کا رحم اور محبت مقابلتہً نہایت قلیل تعداد تک کیوں محدود رکھتے ہو۔ مسیحی المناک وقعہ پر ایمان رکھنے والوں کی تعداد نسل انسانی کے اس کثیر حصہ کے مقابلہ میں جو اس پر ایمان نہیں رکھتی بہت تھوڑی ہے انہیں کیوں ابدی جہنم کا سزاوار ٹھیراتے ہو اور اس قرآنی تعلیم پر کیوں عمل نہیں کرتے کہ ان الذین امنو والذین ھادو والنصاریٰ والصابیئن من امن باللہ والیوم الاخر وعمل الصالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورہ بقر آیہ ۶۲) ترجمہ۔ تحقیق وہ جو ایمان لائے (مسلمان) اور وہ جو یہودی ہیں اور عیسائی ہیں اور سابی ہیں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے۔ وہ اپنے رب سے اس کا اجر پائینگے۔ پس ان کے لئے خوف نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کو رنج ہوگا +

الغرض کسی پہلو سے بھی نگاہ ڈالی جائے بحیثیت مذہب اخلاقی قوت۔ نظام تمدن ملائمت اور نرمی پیدا کرنے اور عقل کو فروغ دینے کا ذریعہ اور طاقتور محرک عمل ہونے کے عیسائیت کا مفاد اسلام کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔ اسلام تمدنی پاکیزگی اور مسکرات سے قومی پرہیز کی کامیابی کے ساتھ تعلیم دیتا ہے عیسائیت ایسا نہیں کرتی۔ اسلامی ہمہ گیر اخوت اور مساوات عمومی کی عملی تعلیم دیتا ہے۔ دین مسیحی اس سے قاصر ہے۔ اسلام موثر اخلاقی قوانین نافذ کرتا ہے۔ عیسویت اس سے غافل ہے۔ اسلام مردانگی۔ بہادری عمل اور قوت کی روح پھونکتا ہے۔ نصرانیت بے ہمتی۔ اباحت اور رہبانیت پیدا کرتی ہے۔ اسلام عملی تحقیقات واشاعت علوم۔ سفر اور تجارت کی حمایت کرتا اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مسیحیت کا جب زور تھا۔ تو اس نے ان سب کی مخالفت کی۔ اور ہسپانیہ سے لیکر گلیلیو تک ذکی الذہن اور نئے خیالات پیدا کرنیوالوں کے ساتھ نہایت بے دردانہ سلوک کیا جہاں اسلام نے غلاموں کو آزادی اور عورتوں کو حقوق دینے کیلئے قوانین بنائے وہاں عیسائی مذہب نے غلاموں پر جفاکاری کی اور عورتوں کو جادوگرنیاں کہکر زندہ آگ میں جھونک دیا۔ عیسائی مذہب نے سب سے زیادہ خون بہایا ہے۔ اور سب سے زیادہ انسانوں کو ایذا اور دکھ پہنچایا ہے +

عیسائیت کا الٰہیات کا پہلو و حیثیتوں سے بھی گرا ہوا ہے خالص ویدک اور بدھی مطمح نظر بھی اس سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں ویدمت اور بدھمت دونوں نے خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے ایک راہ نکالی ہے گو وہ تنگ پرخطر دشوار گذار اور مشکل ہے تاہم انہوں نے انسان کو بلند کرنے کی کوشش کی ہے +

اسلام ایک کشادہ صاف پختہ جنگلہ دار اور ہموار راستہ۔ شاہراہ بلکہ شارع عام بنانے میں کامیاب ہوا جس پر اندھے بھی سلامتی سے چل سکیں اور عورتیں اور بچے بھی خدا کی راہ میں چل سکیں۔ اسلام نے انسان کو اس زمین پر خدا کا خلیفہ بنا دیا۔ جو سوائے اس بالا و برتر ذات کے اور کسی سے کم نہ رہا۔ بخلاف اسکے دینِ عیسوی نے انسان کو ایک بدنصیب بدبخت اور فطرتاً معصیت کار بنایا۔ عیسائیت نے خود خدا کو بھی نیچے گھسیٹ کر انسان کے برابر کر دیا اور اسے ایک ایسا انسان بنا دکھایا۔ جو انسانی اور شہوانی جذبات سے پُر ہے۔ یہانتک کہ وہ ایک بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ دینِ مسیحی نے خدا کو بُت پرستوں کا سا خدا بنا دیا ہے۔ جس کا قہر صرف خونی قربانی سے ہی ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔ جو مصیبت اور بلا میں پھنستا ہے بشری خصائص اور کیفیات سے متصف ہے۔ انصاف نہیں کرتا۔ اسکے بیٹے کے توسل کے بغیر اس تک پہنچنا ناممکن ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ عیسائیت نے خدا کا رُتبہ کم کیا۔ انبیا کا رُتبہ کم کیا۔ اخلاقی۔ روحانیت اور انسانیت کو ذلیل کر دیا۔ اور فرقہ اناث پر فتوےٰ کفر لگا دیا کہ نافرمانی اور گناہ کی علت اولےٰ یہی ہے۔ پس عیسائیت سے انسانی روح کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہر ایک مرد اور عورت کو جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے +

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ مسیح کی ذات کی کوئی عزت میرے دل میں نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اگر میرے دل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت نہ ہو۔ وہ ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔ گو اتنی محبت تو نہیں لیکن اسقدر عزت میرے دل میں حضرت مسیح کی ہے جس قدر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے لئے ہے۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ عیسائی لوگ (بدقسمتی سے انکی تعداد نہایت ہی قلیل ہے) جو مسیح کی درویشانہ زندگی کا تتبع کرتے ہیں جو سادگی اور افلاس کی زندگی بسر کرتے ہیں

مجرد اور تارک الدنیا رہتے ہیں انکساری اور مسکینی سے رہتے ہیں ا در ہمہ تن مصروف عبادت ہیں۔ وہ اس قسم کی زندگی سے کچھ نہ کچھ قلبی راحت اور سکون محسوس کرتے ہوں گے گو ان کے لئے بھی شاید گوتم بُدھ بہتر نمونہ ہوتا۔ لیکن جس سوال کی تشریح میں چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ بیس کروڑ انسان جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں عیسائیت سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ بوجہ عیسائی ہونے کے آپ کو کس طرح بہتر حالت میں پاتے ہیں عیسائیوں کو عیسائیت سے کونسا روحانی۔ اخلاقی۔ سیاسی۔ تمدنی یا عقلی فائدہ ہوتا ہے عیسائیت کے وجود کے ہی سرے سے کیا فائدہ ہے + (العتدوائی)

اسلام سراسر امن ہے

اسلام و وفاداری مترادف ہیں

تاج برطانیہ کا وفادار حامی اور قیصر ہند شاہ انگلستان کا عقیدت کیش ہواہ خواہ ہونے کی حیثیت سے میں اس امر کا اظہار کر دینا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔ کہ پیغمبر عرب صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کی کثرت کسی طرح بھی سلطنت برطانیہ کیلئے موجب خطرہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ **اسلام اور وفاداری** دو مترادف الفاظ ہیں۔ اور ہر ایک مومن جو قرآن کو خدا کی کلام سمجھتا ہے۔ اُس کا فرض ہے۔ کہ محبت الٰہی اور شفقت علی خلق اللہ کو اپنا شعار بنائے۔ اور دُنیا کے کسی لالچ یا حرص سے مغلوب ہو کر صراط مستقیم کو نہ چھوڑے۔ اور ہمیشہ بغاوت و دغا کی راہوں سے بچتا رہے +

مسلمان باغی نہیں ہوسکتا

قرآن کریم میں لکھا ہے۔ لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ اور اس حکم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ماقبل آیت الکرسی جیسا اسم اعظم اور بعد میں مفصلہ ذیل ارشاد باری ہے

قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن	تحقیق ظاہر ہو گئی ہدایت گمراہی سے پس جو شخص انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ پر

بالله فقد استمسك بالعروة الوثقیٰ لا انفصام لها والله سميع العليم	اس نے پکڑ لیا مضبوط رسہ کو جو کہ ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے +

اب اس حکم ربانی سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کا عامل ہرگز کوئی ایسی راہ اختیار نہیں کر سکتا۔ جو بغاوت کے گرد و غبار سے آلودہ اور امن و آشتی سے بیگانہ ہو +

حقیقی مُسلمان ہر ایک سچا مُسلمان خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کو اپنا فرضِ اولین سمجھتا اور خالق ارض و سما کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم و نیاز خم کرنا اپنے لئے نہ صرف موجب سعادت تصور کرتا ہے۔ بلکہ اسکی نظر میں مقام تسلیم ہی وہ مقام ہے جہاں سے بہشت بریں بہت قریب اور نزدیک ہے اُس مقام پر پہنچا ہُوا مومن خواہ امیر ہو یا غریب۔ وہ بہرحال محبت اور عشقِ الٰہی کے جام تلطف آفرین سے سرشار رہتا اور ورلی زندگی کے جملہ بیم و ہراس سے امن میں ہوتا ہے۔ اور وہ کیوں اس امن و سلامتی سے بہرہ اندوز نہ ہو؟ جب کہ اس کے رگ و ریشہ میں یہ خواہش سرایت کر چکی ہے۔ کہ اس کا کوئی فعل خلاف منشاء ایزدی نہ ہوگا اور وہ ہر حالت میں رُوح القدس کی رہنمائی اور تائید سے خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی حاصل کرتا رہیگا مسیحی دُنیا اگرچہ حقیقی مُسلمان کے مدارج سے ناواقف ہے تاہم فطرت انسانی نے ان دُعاؤں کی کتاب میں بھی نحولہ بالا مقام کے حصُول کیلئے ایک دعا کا اندراج کرا دیا ہے۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

امن و سلامتی کے لئے دُعا اے خُداوند خدا! ہم تیرے بغیر تیری عبادت کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ پس تو اے رحیم و کریم خُداوند رُوح القدُس سے ہماری رہنمائی کر اور ہمارے دلوں پر حکومت کر +

سُبحان اللہ کیا اعلیٰ دُعا ہے۔ اور مخلوق کی طرف سے اپنے خالق کے حضُور میں کیسی نیازمندانہ التجا ہے لیکن اگر اس انسانی تصنیف کردہ دُعا کو دین فطرت کے آسمانی صحیفہ کی فتتاحی دُعا کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تو نہ صرف یہ کہنا پڑیگا کہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بلکہ اسباب کا بھی مقر ہو جا پڑیگا۔ کہ حقیقی سلامتی و امن کا وہی راستہ ہے جس کی طرف قرآن کریم کی پہلی سُورت لیجا رہی ہے +

اللہ! اللہ کیا پاک عبارت ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی مولا ہم تو صرف اُنہی لوگوں کا راستہ چاہتے ہیں۔ جن پر تیرا انعام ہُوا ہے۔ اور یہ راستہ اے رب العلمین ہم ابھی عرض کر چکے ہیں۔ کہ ہم صرف اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ یعنی تیرے ہی حضور جھکنے اور تیری ہی مدد و رہنمائی سے حاصل کر سکتے ہیں +

تسلی دینے والا مذہب اب جو قوم صرف خدا ہی سے اپنی دستگیری اور راہنمونی کی ملتجی ہو اور اسی اسلام یعنی مبداء سلامتی سے اپنی سلامتی اور امن کی خواہاں ہو۔ بھلا وہ کیونکر بغاوت کی راہیں اختیار کر سکتی اور کیونکر اپنے اطمینان قلب کو خلجان و بددلی سے مبدّل کر کے خدا کی عطا کردہ تسلی و تسکین کو پس پشت ڈال سکتی ہے ؟ اور ہر ایک سچا مسلمان جو ذات باری کو احکم الحاکمین اور اسلام کو "تسلی دینے" والی سچائی کی رُوح کا تعلیم کردہ پاک مذہب یقین کرتا ہے۔ اسکی نظر میں مشرق بعیدہ کا ارزنگ چینی یا برّ اعظم افریقہ کا سیاہ فام حبشی نئی دنیا کا سُرخ رنگ انڈین ہو یا فرنگستان کا گورا فرنجی سب کے سب ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی آسمان کے نیچے رہنے والے انسان ہیں مسلمان کو اُنکی دنیوی حیثیت اُن کے مُلکی حالات ان کی قومیت اختلاف السنہ اور آب وہوا سے سروکار نہیں۔ اگر وہ اُس کے ہم عقیدہ ہیں تو کُلّ مُومِنٌ اِخْوَةٌ کے ماتحت اُن کے برادرانِ دینی ہیں۔ اگر وہ مسافر ہیں تو ابناء السبیل ہونے کی حیثیت سے قابل خدمت ہیں۔ اگر وہ محکوم ہیں تو رعیت ہونے کے باعث قابلِ رعایت ہیں۔ اور اگر وہ حاکم ہیں۔ تو سلامتی کا مذہب اُن کی اطاعت اور وفاداری کا سبق دیتا ہے۔ غرض ہر حالت میں اسلام کامل تسلی اور امن کا مذہب ہے۔ اور اسکی تعلیم تشکر و تلطف۔ جود و سخاوت۔ کامل اطاعت و حمد و ثنائے الٰہی اور صلح و آشتی کے سُنہری اصولوں پر مبنی ہے +

امن کیلئے جنگ کرنی پڑتی ہے ہمارے مسیحی دوست کہ سکتے ہیں کہ دراصل

امن کا مذہب تو مسیحیت ہے۔ کیونکہ خداوند یسوع مسیح نے فرمایا جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔ لیکن میں کہوں گا۔ یہ تعلیم مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں ہی موزوں ہو سکتی تھی۔ اب تو اس پر عمل کرنا بعض حالات میں معصیت کا موجب ہو سکتا ہے کیونکہ شیطان کی افواج تمام اقطاع عالم میں مستعدی سے یلغار کرتی اور ایمان کے قلعوں کو توڑنے میں مصروف ہیں۔ اس لئے امن کی بحالی کی بہترین صورت اب یہی ہے۔ کہ بدیوں کے شہزادہ کو دار پر لٹکا دیا جائے۔ اور جزاءُ سیئۃٍ سیئۃ مثلھا پر عمل پیرا ہو کر شیاطین کے کیمپ پر خطرناک گولہ باری کی جائے لیکن سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان جنگ کی طرح کس طرح ڈالی جائے؟ اور تاریکی کے فرزندوں کا کن قوانین حرب کے ساتھ مقابلہ کیا جائے؟ اور ملائکہ کی افواج کس کے اشارہ وارشاد پر میدان جنگ میں اتریں؟

شہزادۂ امن ان سوالوں کا بہترین جواب صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں۔ جو الہام الٰہی کے تواتر پر ایمان رکھتے اور اس بات کے قائل ہیں۔ کہ قادر مطلق خدائے یگانہ اب بھی اسیطرح زندہ خدا ہے۔ جس طرح وہ پہلے انبیاء کے زمانہ میں تھا۔ اور اب بھی ہماری ہدایت کیلئے اسیطرح آسمان کے دروازے کھلے ہیں جس طرح پہلے تھے +

ایسے مومن اپنے ایمان کی بناء پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت رب الارباب جناب احدیت مآب کو نقص امن اور بغاوت ناپسند ہے۔ لہٰذا مقدر تھا کہ رب العٰلمین کی پیشگاہ عالی سے لشکر اشرار کی سرکوبی کا خاص حکمنامہ ایک موعود شہزادۂ امن یا آسمانی سپہ سالار کے سپرد ہو اور وہ شیطان کی باغی جمعیت و ذریت کو مغلوب و مقہور کر کے اُن کی شرارتوں سے خدا کے پاک بازوں کو مخلصی دے +

وہ مثیل انبیا ہوتا ہے لیکن جب ایسے شخص دنیا کی اصلاح اور تاریکی کے فرزندوں کی گوشمالی کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ تو شیطان کے کیمپ میں ایک کھلبلی مچ جاتی ہے۔ اور کم فہمی سے دوست کو دشمن خیال کر لینے کی غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے مثلاً کسی وقت دنیا اپنی ارتقائی رفتار سے ترقی کرتے کرتے ایسی حالت میں پہنچے کہ مسیح علیہ السلام

کی بزم تعلیم میں مصلحت وقت کے تقاضا سے ترمیم یا ایزادی کی ضرورت لاحق ہو تو خیال کیا جائیگا۔ کہ ایسی تعلیم کا وعظ کرنیوالا دجال اور مسیح کا دشمن ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ ایسا شخص تو خدا تعالے کے ہاتھ میں بمنزلہ ایک آلہ کے ہوتا ہے۔ اور اُس سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کیلئے موسٰی۔ مسیح اور محمد الرسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت وقوع میں آئی تھی۔ وہ سلسلۂ انبیاء کی زنجیر کا ایک جُزو اور الہام الٰہی کے چشمہ سے جاری شدہ ندی کے پانی کی مانند ہوتا ہے چونکہ قانون فطرت کی دفعات غیر مُبدّل اور غیر متغیر ہیں۔ لہٰذا بعد میں آنیوالا الہام اپنی نوعیت میں نرالا ہونے کی بجائے سابقہ الہامات سے مماثلت رکھتا۔ اور ملہم من اللہ انبیاے سالقین کا مثیل ہوتا ہے +

دُنیا مخالفت کرتی ہے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسمانی لوگوں کی آمد پر زمینی انسانوں کو اُن کے شناخت کرنے میں ہمیشہ غلطی لگتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ دُنیا شیاطین کے زیر اثر ہو کر آسمانی حکومت سے بغاوت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور جب کوئی آسمانی عامل پروانۂ حکومت لے کر آتا ہے۔ اور اپنی سرکار کے محکم وصریح احکام سُناتا ہے۔ تو باوجود اس صراحت وتوضیح کے بگڑی ہُوئی دُنیا اُس مُرسل من اللہ کو مجنون وسڑی اور وہمی خیال کرتی ہے۔ آہ۔ اُس پیار کرنیوالے ہاتھ کو کاٹنے کی کوشش کی جاتی اور آسمانی پیغام سُنانے کا صلہ مخالفت اور ایذادہی کی صُورت میں دیا جاتا ہے مگر آخر فرشتے اُس کی نُصرت کو آتے اور ایک نہ ایک دن تاریکی کے بادلوں کو کاٹ کر راستی کا مُنوّر چہرہ دُنیا کو دکھاتے ہیں +

مخالفت کی وجہ جہالت ہے یہاں پر اگر کوئی شخص مُتعجب ہو کر پُوچھے۔ کہ ایں! اپنے محسن اور بہی خواہ کی مخالفت کی جا سکتی ہے؟ تو میں کہوں گا۔ کہ اس مخالفت کی وجہ نادانی اور ناواقفی ہے۔ اور چنانچہ آپ فرض کر لیں۔ کہ اگر آج کوئی شخص البرٹ ہال میں لیکچر دیتا ہُوا کہدے۔ کہ میں یوحنا فقیہہ کی کرامات مندرجہ کتاب مکاشفات

کا اپنی ذات میں مشاہدہ کیا ہے۔ تو ایسے خطیب پر فوراً مجنون ہونے کا فتویٰ صادر کیا جائیگا اور اسے اپنے دماغ کا علاج کراتے کا مشورہ دیا جائیگا۔ اور کوئی تحقیقات نہ ہوگی۔ کہ آیا اُس کا بیان صحیح ہے یا غلط۔ اس جلد بازی اور حق کی تلاش سے لاپرواہی کا باعث یہ ہے۔ کہ دہریت اور مادیت نے دُنیا پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور وہ خداوند تعالےٰ کی لامحدُود طاقتوں سے ناواقف ہونے کے باعث یہ نہیں جانتے۔ کہ وہ اپنے قوانین کو مُعطّل یا مُبدّل یا حالات کے موافق کر سکتا ہے۔ اور

شہزادۂ امن کے اوصاف

اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے الہام سے مستفیض کر کے مختلف عالموں کی خوبیوں اور کُنہ سے آگاہی بخشتا ہے۔ اور اُس کو غیب کے اُن اُمور سے مطلع کرتا ہے۔ جن کی اُس عالم الغیب کی وساطت کے بغیر کسی نفس کو قطعاً اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور اس طرح وہ السلام خدا شیطان کے مکاید وحیل کو توڑنے اسکی بڑھی ہوئی افواج کو شکست دے کر امن وامان بحال کرنے کے لئے بوقت ضرورت ایک شہزادۂ امن مامُور کر کے اسلام کی نصرت کرتا رہتا ہے پس اے مسلم! تُو خوش ہو۔ کہ تیرا مذہب سراسر امن ہے" ✦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق

کیا ابھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔ یہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل سے ذکر کے لئے اور اس کے لئے جو حق سے نازل ہوا جھک جائیں +

برادران اسلام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک درد دل کا پیغام آپ کی خدمت میں پہنچاتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کے دلوں کو اس کے لئے کھول دے +

اسلام پر مصائب کی انتہا ہوگئی ہے۔ بہتوں کی نظر اسلام کی ملکی طاقت کے جاتے رہنے پر ہے۔ اس کی بادشاہتوں کی بربادی میں وہ اسلام کی تباہی کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ عیسائی۔ پادری کھلے طور پر یہ لکھتے ہیں کہ اسلام اب تباہ ہو جائیگا۔ کیونکہ اسکی طاقت کا موجب اس کا ملکی اقتدار تھا۔ وہ جاتا رہا۔ واقعات عالم کو دیکھ کر کچھ دوستوں کے دل بھی بیٹھے جاتے تھے۔ مگر علیم وحکیم خدا نے اسلام کی کمزوری کے وقت یہ سنا دیا تھا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

خدا وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ اسے سارے دینوں پر غالب کرے۔

خدا کا وعدہ

اسلام کے بڑے بڑے مصائب کے وقت میں سچا ہوا۔ خود بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایسے موقع آئے کہ دشمنانِ اسلام نے سمجھا کہ اسلام اب گیا۔ کبھی عین میدان جنگ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مارا جانے کی خبر اڑتی ہے مگر ایمان ان لوگوں کا تھا۔ کہ اس خبر کو سُن کر بول اٹھے ان کان محمدًا قد قتل فرب محمد لم یقتل۔ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے۔ تو رب محمدؐ قتل نہیں ہوا۔ کبھی چوبیس ہزار لشکر جرار مٹھی بھر مسلمانوں کو محصور کر لیتا ہے۔ اور کمزور دلوں میں وعدہ الٰہی کی صداقت پر شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ تو سچے مومن بجائے گھرانے کے پکار اٹھتے ہیں۔ ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا (کہ اسلام پر بڑے بڑے سختی کے دن آئینگے) اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا (کہ اسلام آخر کار کامیاب اور غالب ہوگا) اور تھوڑے ہی دنوں میں۔

اسلام کی بادشاہت دور دراز ملکوں میں قائم ہو جاتی ہے

کبھی ایک دوسرا نقشہ نظر آتا ہے۔ کہ اسلام کی سلطنت غیر مسلموں (تاتاریوں) کے ہاتھ سے تباہ ہو کر جب اسلام شکست خوردہ نظر آتا ہے۔ تو خود فاتح قوم ہی اسلام کی زبردست آسمانی سلطنت کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔ اور یوں **شکست ہی اسلام کی فتح کا موجب** ہو جاتی ہے۔ غرض اگر کبھی خدا کا زبردست ہاتھ اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اسلام کے غریب نام لیواؤں کو ملکوں کا فاتح اور بادشاہ بنا دیتا ہے تو وہی زبردست ہاتھ دوسرے وقت میں زبردست فاتحین اور بادشاہوں کو اسلام کی غلامی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ پس اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اسلام کا ملکی اقتدار جاتا رہا۔ تو اس میں اسلام کی مغلوبیت کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ یہ کسی **فتح کا پیش خیمہ** ہے۔ اور یہ ملکی اقتدار کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مذہب کی ترقی و تنزل کا حقیقی مدار ہو۔ بلکہ یہ خود ایک تبدیلی ہوتے رہنے والی چیز ہے۔ اور سب

سے بڑھ کر یہ کہ ہر قوم کا اپنی قسمت اور اپنے نظم و نسق کا آپ مالک ہوتے چلے جانا ایک ایسا امر ہے جس کی طرف کل دنیا میں ایک حرکت پیدا ہو رہی ہے ۔ مذہب کے اصول ہمیشہ کے لئے قایم ہیں ۔ بدلنے والی چیزیں ان پر اپنا آنی اثر ڈال لیں مگر ان اصول کو برباد نہیں کر سکتیں

اسلام کی آخری کامیابی

دنیا کے کل مذاہب پر غالب آنے کی خوشخبری جو ہم کو ہمارے مولا نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دی اور جس کا ظہور ان تیرہ سو سال میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے ۔ اگر غور کی نگہ سے دیکھا جائے تو آج اس کے کھلے آثار بھی ہم کو نظر آتے ہیں ۔ بلکہ خود یہ جنگ جس میں چار ساڑھے چار سال کے عرصہ میں لاکھوں کی تعداد میں تندرست اور توانا انسان خاک کے نیچے جا سوئے اگر کوئی دیرپا خوشخبری ہم کو دیتی ہے تو وہ اصول اسلامی کی کامیابی ہے ۔ آجتک عیسائی مذہب کو یہ فخر رہا کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے ۔ اور قرآن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ انجیل کہتی ہے دشمنوں سے پیار اور محبت کرو مگر قرآن دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کا بھی حکم دیتا ہے ۔ ساری دنیا کو ایک جنگ میں شامل کر کے خدا نے اپنے طاقتور ہاتھ سے بتا دیا کہ انجیل کی تعلیم ناقص ہے ۔

جنگ ضروریات انسانی میں سے

ہے ۔ اور ظلم و تعدی کو روکنے کے لئے جنگ کرنا نتیجہ خواہ فتح ہو یا شکست ۔ اخلاق انسانی میں ایک نہایت اعلےٰ مقام رکھتا ہے ۔ اب جنگ کے بعد صلح سے جو فیصلہ قوموں کی قسمت کا ہو وہ کب تک قایم رہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ انسان آج ایک چیز بناتا ہے کل اسے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے ۔ آج ایک کے ساتھ دوستی گانٹھتا ہے ۔ کل کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا دشمن تھا یہ چیزیں جلد جلد تغیر پذیر ہیں ۔ مگر صلح کا اگر کوئی مستقل اور دیرپا اثر نوع انسانی پر رہ سکتا ہے تو وہ

اصول جمہوریت

اصول شوریٰ ۔ اصول مساوات نسل انسانی کی فتح ہے ۔ کیونکہ یہ فتح دلوں پر ہے مگر کیا یہ سچ نہیں کہ یہ اصول بحیثیت ایک مذہب کے اسلام ہی نے سکھائے ۔ امرھم شوریٰ بینہم حکومت شوریٰ کا ہی کام ہے سوائے اسلام کے کس مذہب نے سکھایا ؟ انما انا بشر مثلکم حبیب سید الکونین

فخر نسل انسانی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کے منہ سے یہ کہلوایا جائے کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی بشر ہوں۔ حالانکہ بشر اس آفتاب کے سامنے خاک کے ذرات کی طرح ہیں۔ تو جمہوریت کی وہ بنیاد رکھدی گئی جس کو کوئی جابرانہ حکومت دنیا سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود نہیں کر سکی۔ گو ایک وقت اس کے اوپر تاریکی کا پردہ پڑجاتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں بتایا کہ

چھوٹے سے چھوٹا انسان بڑے سے بڑے مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے

عرب و عجم گورے کالے آزاد غلام کے فرق کو ایسا مٹایا۔ کہ جس قوم کے لئے ابوبکرؓ عمرؓ فخر ہیں۔ اس میں **ایک حبشی غلام بلالؓ** کی عزت کسی طرح کم نہیں۔ غرض جو کچھ **قوموں کی قسمت کا فیصلہ** اس جنگ کے نتیجہ میں ہوگا۔ وہ ایک عارضی اور تبدیل ہوتے رہنے والی چیز ہے مگر جو فتح اصول جمہوریت اصول مساوات نسلِ انسانی۔ اصول شوریٰ کو عطا ہوئی ہے۔ یا یُوں کہو کہ جو عظیم الشان فتح اصُولِ اسلامی کو ہوئی وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ غرض

اصُولِ اسلامی کی کامیابی کا نظارہ

نظر دوربین اس وقت دیکھ سکتی ہے اصول مذہب میں مسئلہ توحید کو جو غلبہ بت پرستی تثلیث وغیرہ غلط عقاید پر حاصل ہو رہا ہے۔ نیکی بدی کی جزا و سزا کا جو مسئلہ اسلام نے سکھایا تھا جس طرح کفارہ اور دوسرے عقاید کی بیخ کنی کرتا جا رہا ہے۔ اصول سیاست میں جمہوریت جو فتح حاصل کرتی جا رہی ہے۔ اصول تمدن میں جو آج زکوٰۃ اور مسئلہ وراثت میں سوشلزم کی مشکلات کی حل موجود ہے۔ اصُول معاشرت میں جو ضروریاتِ انسانی قوموں کو اسلامی اصول کی طرف لے آنے کے لئے مجبور کر رہی ہیں یہ سب کھلی علامات اس بات کی ہیں۔ کہ **آخری غلبہ دنیا میں اسلام کے لئے مقدر ہے** مگر ضعفا کا اس قدر ہجوم ہے۔ کہ اکثر دلوں میں بجائے اس مضبوط ایمان کے کہ اسلام غالب ہوگا۔ ایک کمزوری پیدا ہوگئی ہے یاد رکھو اسلام کے غلبہ پر ایمان ہی ہماری کوششوں میں جان ڈال سکتا ہے۔ اور ان کو بارآور کر سکتا ہے یہی ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تھا جس نے ان سے اسلام کی جان نثاری کے ناممکن کام کرا دیئے۔ اور اسی ایمان کے اس زمانہ میں دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کامیابی کی حقیقی راہ پر قدم مارنا ضروری ہے۔ اور یہی وہ دو باتیں ہیں۔ جن کی طرف

اس صدی کے مجدد اسلام کے مسیح موعود

حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسلمانوں کو توجہ دلائی +

جب چاروں طرف اسلام پر مصائب کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب کوئی انسان واقعات عالم پر غور کرکے اپنے قیاس سے اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا تھا۔ کہ دنیا میں آخری کامیابی اسلام کے لئے مقدر ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی حالت دن بدن تنزل کی طرف جاتی نظر آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری اسی انسان کے ذریعہ سے ہم تک پہنچائی۔ کہ

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے گرتی چلی جاتی تھیں۔ جب مسلمانوں کا اخلاقی تنزل حد درجہ کو پہنچ گیا تھا جب اس قوم کو گرتی ہوئی سلطنتوں کی خطرناک آوازیں بھی خواب غفلت سے بیدار نہ کرتی تھیں۔ جب مسلمان سب کے سب ایک مایوسی کی حالت میں تھے۔ جب غیر مذاہب کے حملوں سے غیر مذاہب کی جدوجہد سے اسلام میں لوگوں کے داخل ہونے کی بجائے اسلام سے لوگ نکل رہے تھے۔ اور مسلمان دوسرے مذاہب کی تردید ایک طرف رہی اپنے مذہب کو غیروں کے حملوں سے بچانے کی طاقت بھی اپنے اندر نہ دیکھتے تھے۔ ان حالات میں یہ روشنی کی چمک ایک قلب پر خدا کی طرف سے پڑی۔ اور یہ زندگی بخش پیغام خدا کی طرف سے ایک دل زندہ کو ملا کہ یہ سب ظلمتیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ اور انہی بادلوں کے نیچے سے اسلام کا منور آفتاب نمودار ہو کر ساری دنیا میں اپنی روشنی پھیلائیگا۔ یہاں تک کہ وہ مغرب بھی جس نے اس آفتاب کی روشنی کو آجتک قبول نہیں کیا اس کی تیز شعاعوں سے بچ نہ سکیگا۔ اور

اسلام کی صداقت کا آفتاب مغرب سے

نمودار ہوگا۔ پس پہلی وہ بات جو اس شخص کو اس زمانہ میں مسلمانوں کی امیدوں کا مرجع بناتی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی بشارت دینے والی آواز اس زمانہ میں سب سے پہلے اسی کے دل پر ڈالی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس کا دل اسلام کی آئندہ کامیابی پر ایمان سے لبریز تھا۔ اور یہی ایمان اس نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیا۔ برادران اسلام! میں سچ کہتا ہوں۔ کہ یہ ایمان جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک قوم کی قوم کے اندر پیدا کر دیا ہے اسی کی سب سے پہلے ضرورت ہے۔ جب تک دل مایوس ہیں۔ جبتک ان کے اندر سے وہی آواز نہیں اٹھتی جو تمام اسباب شکست کے پیدا ہو جانے پر صحابہ کے دلوں سے اٹھی تھی

ولما رأ المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله

جب تک ان کے دلوں میں وہ ہمت پیدا نہیں ہوتی جو صد درجہ کے زخم رسیدہ ہونے پر بھی اس پاک گروہ کے دلوں میں موجود تھی +

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

اس وقت تک کامیابی کا منہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔اس آواز کو ایک خادم نے اس زمانہ میں زندہ کیا۔اور اس نے یہ بشارت دیکر اپنی طرف بلایا ہے۔ہمارے کام کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں ایسے ندا دینے والے کی ضرورت تھی۔وہ ندا خدا نے اپنے ایک

مُجدِّد

کے ذریعہ سے دیدی ہے۔اب اس کو سُن کر اس کی طرف آنا نہ آنا آپ لوگوں کا اختیار ہے دوسری ضرورت جیسا کہ میں نے کہا یہ تھی۔کہ

اسلام کی کامیابی کی حقیقی راہ

پر ہمارے قدم پڑیں۔عام طور پر مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیالات جاگزین تھے کہ اسلام کی آخری کامیابیاں اس **مہدی و مسیح** کے ذریعہ سے ہوں گی جن کا غلبہ تلوار سے ہوگا۔مگر وہی شخص جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے ایک بشارت کی آواز ہم تک پہنچائی کہ اسلام ضرور سب دینوں پر غالب ہوگا۔اسی کے ذریعہ یہ بھی ہم کو بتایا کہ اسلام کی وہ **آخری کامیابیاں تلوار کے ذریعہ سے نہیں۔بلکہ قلم کے ذریعہ سے** دلایل و براہین سے مقدر ہیں۔پادریوں نے اسلام کی پہلی کامیابیوں کو یہ کہکر مشتبہ کرنا چاہا۔کہ وہ اسلام کی کامیابی نہ تھی۔بلکہ تلوار کی کامیابی تھی۔**اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں یہ دکھانا چاہا ہے** کہ اسلام کے اصول کے اندر **کامیابی کے بیج** مخفی ہیں۔اور وہ اپنی کامیابی کے لئے کسی تلوار کا محتاج نہیں اس نے پہلے بہتیرے تلوار چلانے والوں کو اپنا غلام بنایا ہے۔اب اس زمانہ میں جو ایک علمی زمانہ ہے۔وہ اسلام کو علوم کے ذریعہ سے کامیاب کر کے دکھائیگا۔اور مسلمانوں کے فاتحین کو اسلام کی حلقہ بگوشی میں داخل کر کے یہ دکھا دیگا۔کہ اسلام کا غلبہ فتوحات ملکی سے نہ ہوا تھا۔کیونکہ وہ اب بھی دلوں کو اسی طرح فتح کرتا جا رہا ہے۔بلکہ

فتوحات ملکی درحقیقت اصول اسلام کی صداقت کا نتیجہ تھیں

جس طرح اب اصول اسلامی کی فتوحات ان کی صداقت کا نتیجہ ہیں۔ہاں چونکہ وہ پہلا زمانہ ایک

ایسا زمانہ تھا کہ اس وقت اگر اسلام کی بادشاہت قائم نہ ہوتی۔ تو دین اسلام کے پھیلانے میں خطرناک رکاوٹیں تھیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے

اپنی حکمت بالغہ سے

ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے فوراً سلطنت اسلام کو قائم کر دیا۔ اور اب جب اس نے ان رکاوٹوں کو ایک بڑی حد تک اپنے فضل سے یوں ہی دور کر دیا ہے تو اب اسلام کے اقتدار ملکی کے کم ہو جانے سے اسلام کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر واقعات عالم پر غور کیا جائے تو خود اس خیال کا بطلان نظر آتا ہے۔ جو ایک مدت تک غلطی سے مسلمانوں کے دلوں میں جاگزین رہا ہے کہ اسلام کا آخری غلبہ تلوار کے ذریعہ سے ہوگا۔ گذشتہ سو سال میں جہاں جہاں مسلمانوں نے تلوار اٹھائی ہے ان کے قدم پیچھے ہٹے ہیں لیکن جہاں

اسلام کی تبلیغ

کے لئے تھوڑی سی بھی کوشش کی ہے اس کا ثمرہ امید سے بڑھ کر پایا ہے۔ اگر ایک طرف افریقہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم نے عیسائی دنیا کو حیران کیا ہے تو دوسری خود یورپ میں ایک تھوڑی سی کوشش وہم وگمان سے بڑھ کر پھل لائی ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ کے مجدد کو مطلع فرمایا۔ اور پرانے خیالات کو اس کے ذریعہ سے دلوں سے نکال کر اسلام کی کامیابی کی صحیح راہ پر لگایا۔ پس ان برادران اسلام سے جو اسلام کے لئے اپنے سینے میں کچھ درد رکھتے ہیں میری یہ درخواست ہے کہ وہ ان واقعات پر غور کریں۔ اور ان اسباب کو جو اسلام کی کامیابی کے لئے اللہ تعالےٰ پیدا کر رہا ہے تحقیر کی نظر سے نہ دیکھیں مجدد ہر صدی کے سر پر آتے رہے۔ اب جب کہ اسلام کی مصائب وبیکسی کی انتہا ہو گئی یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو پورا نہ کرتا۔ وہ آواز آئی۔ جو بشارت اس نے ہمیں دی اس کے آثار بھی ہمیں نظر آتے ہیں پھر بھی اس کی طرف توجہ نہ کرنا محبت اسلام کے دعوےٰ کے منافی ہے۔ ایک عظیم الشان کام کرنے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر رک جانا اور ان پر غالب آنیکی کوشش نہ کرنا حد درجہ کی بدقسمتی ہے۔ آخر اس ندا دینے والے کے ساتھ ہو جانے سے کچھ بگڑتا تو نہیں۔ وہ اسلام سے الگ نہیں کرتا۔ کوئی نیا مذہب نہیں لایا۔ قرآن وحدیث اس کا مسلک ہے۔ اور اسلام کی خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ اور اس راہ پر لگاتا ہے جس پر آج سب دل بھی شہادت دے اٹھے ہیں

کہ یہی کامیابی کی سچی راہ ہے جس پر چل کر کامیابی کی جھلک بھی نظر آرہی ہے موہوم باتوں پر خواب غفلت میں پڑے رہنا اور ہاتھ پاؤں نہ ہلانا شیوۂ دانشمندی نہیں۔

برادران اسلام!

لَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے کافر مایوس ہوا کرتے ہیں تھوڑی سی ہمت کرو۔ کچھ قدم آگے اٹھاؤ۔ کچھ غور و فکر سے کام لو۔ اور دیکھ لو کہ اللہ تعالےٰ ان کوششوں میں کیا برکات ڈالتا ہے حضرت مرزا صاحب نے جماعت اسلام میں ایک اور فرقہ بڑھانے کیلئے نہیں بڑھائی۔ بلکہ اس لئے کہ بغیر جماعت خدمت اسلام کا وہ عظیم الشان کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جو آپکے سپرد کیا گیا تھا۔

آؤ

اور تجربہ کر کے ہی دیکھ لو کہ اس کے ساتھ ہونے میں اسلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بہرحال غور کرو تحقیق کرو اور اس آواز کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھو۔ یہ ہماری بھلائی کے لئے ایک آواز ہے۔ اس کے گرد جمع ہو کر ہم خدمت اسلام کے ایک عظیم الشان کام میں لگ سکتے ہیں۔ اسلام کے مزدور بننا بڑے فخر کا مقام ہے خواہ کام لینے والا کوئی ہو۔ پھر جب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک شخص کو کام لینے کیلئے کھڑا کر دے تو انتظار کیا ہے

اسلام کے مزدور

وہ لوگ بنے جن کے نام پر ہم آج فدا ہوتے ہیں۔ پھر اس پاک گروہ میں شامل ہونے سے گھبراہٹ کیوں ہے؟ کوئی عزت اس عزت سے بڑھ کر نہیں جو اسلام کی خدمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ میں درد دل کے ساتھ اس آواز کی طرف اور ان واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اس آواز کی صداقت پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ واقعات کی شہادت اسکے صدق پر اللہ تعالےٰ کی گواہی ہے۔ دنیا میں تو میں اپنے اپنے نصب العین کو ترقی دینے کی سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں۔ ہمارا نصب العین

دین اسلام کا کل دینوں پر غلبہ

ہونا چاہئے۔ اور اسی کے لئے ہمیں سر توڑ کوششوں میں لگ جانا چاہئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اسلام سے محبت رکھنے والے میری اس درخواست کو بے توجہی کی نگاہ سے نہ دیکھینگے +

وآخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والسلام

خاکسار محمد علی احمدیہ بلڈنگس لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۱۸ء

رجسٹرڈ ایل نمبر

اسلامک ریویو مجریہ لندن

قیمت سالانہ سات روپے

اِس کا اُردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام قیمت سالانہ تین روپے

ایڈیٹرز خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی و مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرفت کرانے کا محتاج نہیں صرف ہم برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس وقت سی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں لیکن ہر ایک خریدار اب گویا بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا خود متکفل ہو جاتا ہے۔ اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچ ہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو ان کا منافع ہمارے ووکنگ کے اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلادِ غربیہ میں مفت تقسیم ہو اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیجدے تو ہم اُن کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کر دینگے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں ایسے نہیں؟

دوستو اُٹھو! جاگو!! وقت کو غنیمت سمجھو!!! اسلامک ریویو ہی ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے۔ اور بفضلہ تعالےٰ اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے۔ اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالےٰ سے اجر جزیل پاؤ + والسلام

نوٹ۔ ہر دو کا نمونہ ۲؍ کے ٹکٹ آنے پر مفت ارسال خدمت کیا جائیگا۔ کل درخواستیں نام خریداری بتبدیل پتہ آنی چاہئیں

لمعات انوار محمدیہ

رسول کریم صلعم کے پاک حالات آپ کے خلق عظیم کا آئینہ حُسن معاشرت کا فوٹو علمی ادبی تمدنی اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ آنحضرت کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع حسین جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی حضرت مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی و حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء جناب مارمڈیوک پکتھال و جناب ایس ایچ لیڈر مصنف ڈیزرٹ و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو بہت قابل دید ہیں اور آنحضرت صلعم کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۶؍ مجلد ۱۰؍

المشتہر خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ لاہور

مطبوعہ ... بانہتمام حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا

جسٹر ایل نمبر ۹۰

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی

مسلم منشنری

و مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ۱/۲ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۵) بابت ماہ فروری ۱۹۱۹ء نمبر (۲)

فہرست مضامین

اطلاع عام

(۱) رسالہ اشاعت اسلام ہر انگریزی مہینہ کی چھبیس تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہنچے تو اسے دوسرے ماہ کی دس تاریخ تک منگا لینا چاہئے۔ ورنہ پھر ملنا ناممکن ہے (۲) رسالہ اشاعت اسلام ایک ہی قسم کے اعلےٰ کاغذ پر ادنےٰ و اعلےٰ۔ امیر و غریب کے لئے چھپتا ہے۔ جس کی سالانہ قیمت ہے رمعہ محصول ڈاک ہے۔ جو ہر حال پیشگی آنی چاہئے (۳) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہ پہنچیگی تو ہم آیندہ سال کا چندہ وصول کرنے کے لئے وی۔ پی بھیجنے کے مجاز ہونگے (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ شکایتی خطوط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے نام و پتہ خوشخط لکھنا چاہئے۔ ورنہ تعمیل نہ ہوگی + مینجر رسالہ

ایک مودبانہ التماس

جو مالی تقویت رسالہ ہذا کے ذریعہ بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کو پہنچ رہی ہے وہ ہر مسلم فرد بشر پر جو کہ مسلم مشن ووکنگ کے کاروبار میں دلچسپی لیتا ہے عیاں ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ سالانہ وی۔ پی کے موقع پر ایک کثیر التعداد احباب نے رسالہ ہذا آئے بہت سے وی۔ پی لینے سے انکار کردیا۔ جس سے دفتر ہذا کو محصول ڈاک کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔ حالانکہ اجراء وی پی سے پیشتر فرداً فرداً اطلاعی کارڈ بھی انکی خدمت میں آیندہ انکا ایما دریافت کرنے کیلئے ارسال کئے گئے لیکن اس وقت تو انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ اور بعد ازاں وی۔ پی سے انکار فرمادیا بہرحال ان سے کوئی گلہ و شکوہ نہیں۔ ہم اب اپنے موجودہ ناظرین کرام سے مودبانہ التماس کرتے ہیں کہ ازراہ کرم للہ وہ اس کمی کی تلافی کرنے کیلئے دست اعانت بڑھا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اور کم از کم تین جدید خریدار ناظرین رسالہ میں سے ہر ایک بہی خواہ دفتر ہذا میں ارسال فرماکر اس فرض سے سبکدوش ہو۔ سال بھر میں تین خریدار فراہم کرنے کوئی بڑی بات نہیں +

ضروری نوٹ ہمارا ارادہ ہے کہ ہر ایک اسلامیہ کالج اور اسلامیہ ہائی سکول میں رسالہ اسلامک ریویو انگریزی مفت بھیجا جائے پیشتر ازیں ووکنگ سے جایا کرتا تھا۔ اب چونکہ انگریزی رسالہ بھی لاہور سے ہی خریداروں کو تقسیم ہوتا ہے۔ اسلئے ازراہ کرم ہمارے احباب ہم کو اسلامیہ سکولوں کالجوں کے نام و پتہ سے جلد مطلع فرمائیں +

خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۵) بابت ماہ فروری ۱۹۱۹ء نمبر (۲)

شذرات

یہ پڑھ کر ہمیں از حد مسرت ہوئی ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کی طبیعت رو بصحت ہے آپ گذشتہ اکتوبر ۱۹۱۸ء سے علیل تھے۔ مدت طویل کی آب و ہوا نے آپ کی صحت پر نمایاں اثر کیا ہے۔ اُمید واثق ہے۔ کہ آپ بہت جلد انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مشن کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں گے +

حضرت خواجہ صاحب کا وجود اس وقت جملہ مسلمین کے لئے بہت سے قابلقدر اور لائق تقلید نمونے اپنے اندر رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک عظیم الشان نمونہ آپ کا وہ صبر و استقلال و تسلیم و رضا ہے۔ جو آپ نے اپنے لائق فرزند اکبر خواجہ بشیر احمد صاحب مرحوم کی حسرتناک وفات کی تار خبر سننے پر آپ نے ووکنگ میں دکھایا۔ چنانچہ آپ کا وہ گرامی نامہ جو آپ نے اپنے مکرم و محترم بزرگ دوست جناب شیخ رحمت اللہ صاحب امین ووکنگ مسلم مشن کے نام اس موقع پر انگلستان سے ارسال فرمایا ہے اس پر شاہد عادل ہے۔ جو بجنسہ ناظرین کرام کے ملاحظہ کیلئے اس رسالہ میں

کسی دوسری جگہ "پیام تسلیم و رضا" کے عنوان کے نیچے درج کر دیا گیا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ ایسے قیمتی وجود کو اللہ تعالے شفا عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے۔ اور اس جانگداز و رُوح فرسا صدمہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مکرم محترم جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بی۔ اے کا قیمتی وجود مسلم مشن ووکنگ کی ہستی کیلئے نہایت ہی منفعت بخش ثابت ہو رہا ہے۔ اور جو اپنے گرانقدر مضامین سے رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کو مُزین فرماتے رہتے ہیں۔ خواجہ بشیر احمد مرحوم کی نوتیدگی پر انہوں نے ایک مضمون "افسوسناک نقصان" کے عنوان سے رسالہ اسلامک ریویو جنوری ۱۹۱۹ء میں تحریر فرمایا ہے جسمیں مرحوم کے اخلاق حسنہ و اوصاف پسندیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور مرحوم کی وفات کو ایک قومی نقصان قرار دیا ہے۔ یہ مضمون بھی اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ درج کر دیا گیا ہے +

لندن مسلم سوسائٹی نے گذشتہ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۸ء میں تبلیغی کوششوں میں نہایت سرگرمی دکھائی جس کی مختصر سی رپورٹ گذشتہ نمبر میں ناظرین رسالہ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور جو لیکچر سوسائٹی مذکور کی طرف سے اکتوبر و نومبر ۱۹۱۸ء میں دیئے گئے۔ وہ بھی گذشتہ نمبر میں درج ہو چکے ہیں یہ سوسائٹی مذکور تبلیغی جد و جہد میں مسلسل طور پر ہمہ تن مصروف ہے۔ اور اپنی ہستی کو مسلمانان لندن اور دیگر یورپین احباب کیلئے مفید ثابت کر رہی ہے۔ جس سے کہ مذہبی اشتیاق روز افزوں ترقی پر ہے۔ چنانچہ ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں سوسائٹی مذکورہ نے مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق اجلاس منعقد کر کے اسلام کی فضلیت کو دیگر مذاہب پر ثابت کیا +

(۱) یکم دسمبر ۱۹۱۸ء جناب مسٹر سید احسان البکری صاحب نے "اسلام اور اسلامی گھر" پر لیکچر دیا +

(۲) ۸ دسمبر ۱۹۱۸ء جناب مسٹر ایس۔ ایچ۔ رضا صاحب نے "اسلام ایک بڑا اخلاقی مذہب ہے" پر لیکچر دیا۔

(۳) ۱۵ دسمبر ۱۹۱۸ء جناب مسٹر سید احسان البکری صاحب نے "دنیوی کاروبار میں اسلام کی حیثیت" پر لیکچر دیا +

(۴) ۲۲ دسمبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈو لے رابیٹ صاحب نومسلم نے لیکچر فرمایا۔

کارکنان ووکنگ نے ان تمام لیکچروں کو جو لندن مسلم ہوس میں دیئے جاتے ہیں یا جو چھوٹے چھوٹے ٹریکٹوں کی صورت میں بطور تبلیغ مفت تقسیم کئے جاتے ہیں ان سب کو اسلامک ریویو انگریزی میں شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کا ترجمہ وقتاً فوقتاً ناظرین رسالہ تک پہنچتا رہیگا +

لندن مسلم ہوس میں نماز جمعہ حسب معمول ہوتی رہتی ہے! اور جناب خواجہ اسماعیل صاحب و جناب سید احسان البکری صاحب و جناب مسٹر عبد القیوم ملک صاحب باری باری خطیب کی خدمت سر انجام دیتے رہتے ہیں +

یہ خبر کل اسلامی دنیا کیلئے نہایت ہی فرحت افزا ہے۔ کہ امریکہ نے اپنے تمام مالی منفعت کو نظر انداز کر کے شراب کا بنانا اس کا بیچنا ملک کے اندر آنا اور باہر جانا قانوناً بند کر دیا ہے۔ اور اس طرح اسلام کے اٹل قانون انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون کے سامنے گردن تسلیم خم کر دی ہے۔ مسلمانوں کیلئے یہ امر خاص خوشی کا موجب ہے۔ کہ اس سے اسلام کے ایک عظیم الشان اصول کی بین فتح ہوتی ہے +

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام

قبول اسلام

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ ہر ماہ کسی نہ کسی سعید روح کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا مژدہ جانفزا ہمارے ازدیاد ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ گو ملک و قوم (یورپ) کی توجہ زیادہ تر ان ناخوشگوار حالات کی طرف منعطف تھی۔ جو گذشتہ پانچسالوں میں وقوع پذیر ہوئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ دین فطرت بھی اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔ دسمبر ۱۹۱۸ء کے رسالہ

اشاعت اسلام میں ہم ناظرین کرام کو پانچ سعید رُوحوں کے اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کی مسرت انگیز خبر سُنا چکے ہیں۔ فضل ایزدی سے گذشتہ ماہ بھی قبولیت اسلام سے خالی نہیں گیا۔ چنانچہ جناب مسٹر ڈی۔ وی اینڈرسن ماربل آرچ لندن نے اسلام قبول فرما کر ہمارے اسلامی سلسلہ اخوت میں منسلک ہوگئے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذٰلک۔ اللھم زد فزد +

ایک افسوسناک نقصان

(از قلم جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا۔ مسجد ووکنگ انگلستان)

"پیارے بشیر کو مشیت ایزدی نے بُلا لیا۔ اور دل حزین کے ساتھ ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں" +
مندرجہ بالا الفاظ اس سنسنی خیز تار کے تھے جو ہندوستان سے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو ووکنگ ارسال فرمائی +

خواجہ بشیر احمد صاحب مرحوم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے فرزند اکبر تھے۔ انکی عمر صرف ۲۱ سال کی تھی۔ اور عین عالم شباب میں تھے جبکہ ۲۰ سال کی عمر میں انھوں نے بی اے پاس کیا۔ آپ کالج کی کھیلوں میں بھی بڑے مشہور و معروف تھے۔ جسمانی لحاظ سے بھی ایک قوی الجثہ تھے اور آپ کا حسن خلق ہر ایک شخص کو جو آپ سے ملتا گرویدہ کر لیتا تھا +

قرآن کریم اور آنحضرت صلعم ایسے جانکاہ صدمات اور حادثات پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے پُر معنی الفاظ دُہرانے کی ہی تلقین فرماتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی ہمیں یہی تعلیم ہے کہ ایسے مواقع پر ہم استقلال اور مضبوطی سے کام لیں۔ ہندوستان کی تار نے جس سے کہ اس متوحش خبر کا پتہ چلا ہمارے منہ سے بھی یہی الفاظ دُہرائے۔ جو کہ ہر ایک مسلم کیلئے ایسے موقع پر تسکین و سکینت قلب کا موجب ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک مسلم کو چاہئے کہ اُس خالق اکبر کے واپس بُلا لینے پر تسلیم و رضا کے ساتھ سر تسلیم خم کرے۔ اسمیں شک نہیں کہ ایسے موقع پر اس قسم کا استقلال اور صبر دکھانا مشکل امر ہے۔ لیکن مرحوم و مغفور کے والد بزرگوار حضرت خواجہ صاحب نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کیا +

ایک جوان ثمر رسیدہ کا عین عنفوان جوانی میں رحلت کر جانا نہایت ہی حسرتناک ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور امر جو زیادہ تر تکلیف دہ ہے وہ یہ ہے کہ مرحوم نے مشنری زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور انگلستان آکر اپنے معزز والد صاحب بزرگوار کا اسلامی کام میں ہاتھ بٹانے کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا۔ تاکہ حضرت خواجہ صاحب کو موجودہ کاروبار مشن سے قدرے فرصت مل سکے۔ اور وہ انگریزی زبان میں اسلام پر مبسوط مضامین و لٹریچر لکھنے کے قابل ہو سکیں۔ حقیقتاً خواجہ بشیر احمد صاحب مرحوم اس اسلامی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف فرما چکے تھے۔ گریجوایٹ ہونے کے بعد انہوں نے ہر ایک قسم کے دنیوی کاروبار اور خواہشات پر لات ماری۔ انہوں نے نوکری پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ قطعاً سر سے نکال دیا تھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد دو سال تک مرحوم علم عربی حدیث آنحضرت صلعم کی سوانح عمری کی تحصیل و تعلیم میں مصروف رہے۔ اپنے ہموطنوں کی بہبودی کے لئے آپ سلامک ریویو کا اردو میں ترجمہ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد صاحب بزرگوار نے آپ کو ووکنگ سے مطلع کیا۔ کہ مذہبی زندگی ایک فقر کی زندگی ہے جو قربانی اور ایثار چاہتی ہے۔ آپ جوان عنا تھے۔ اور آپ کے سامنے شاندار مستقبل بھی تھا اسکے ساتھ ہی آپ متاہل بھی تھے۔ اور حال ہی میں اللہ تعالے نے آپ کو ایک فرزند نرینہ عطا فرمایا فطرتاً جوان آدمیوں کے لئے آیندہ کا آرام و آسائش چھوڑ کر قربانی اور ایثار کرنا بڑا مشکل معاملہ ہے۔ لیکن مرحوم و مغفور بشیر ایک لمحہ بھر کے لئے بھی اس قربانی سے جس کا وہ دل سے تہیہ کر چکا تھا متزلزل نہ ہوئے۔ انہوں نے ایک مشنری کی فقر کی زندگی کے بسر کرنے کا دل و جان سے مصمم اور پختہ ارادہ فرما لیا ہوا تھا۔ اور آیندہ کی تمام زندگی کو مفلسی فروتنی اور انکساری کے ساتھ بسر کرنے کا تہیہ کر لیا تھا جو بلا شبہ ایک نہایت ہی اعلےٰ اور احسن عزم بالجزم تھا۔ خواجہ بشیر احمد مرحوم اپنا وطن گھر بار بچہ اور بیوی اس اسلامی خدمت کے لئے چھوڑنے کو بالکل تیار ہی تھے۔ جبکہ مشیت ایزدی نے ان کو اپنے پاس واپس بلا لیا یہ امر نہایت ہی افسوسناک ہے کہ اس وقت جبکہ مرحوم نے خدا کی راہ میں پہلا قدم اٹھانا تھا۔ اور ووکنگ کی اسلامی خدمت کو سرانجام دینے کیلئے انگلستان روانہ ہونا تھا۔ کہ

مشیت ایزدی نے اسی ہفتہ اس کو بلا لیا +

یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ ہر ایک مسلم اپنے پیارے دین کا بذاتہ مبلغ ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا مرد ہو یا عورت لیکن نوجوانوں میں ایسے لوگ بہت ہی نایاب ہیں جو بطیب خاطر اپنی آیندہ بہبودی پر لات مار کر بہ دل سے مشنری زندگی کو اختیار کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ مرحوم و مغفور کی وفات جملہ مسلمین کیلئے ایک بڑا بھاری نقصان ہے جس کی تلافی بظاہر امر محال ہے یہ مسلمانوں کے لئے موجودہ ایام ادبار و شقاوت کے ہیں اور ایسے وقت پر جبکہ بیشتر سے ہی ہم میں قحط الرجال ہو ایسے قیمتی وجود کا ہم کو اچانک داغ مفارقت دے جانا ہمارے غم و اندوہ کو دوگنا کرنے کیلئے کافی ہے۔ خواجہ بشیر احمد کی وفات صرف حضرت خواجہ صاحب کا ہی ذاتی نقصان نہیں ہے۔ بلکہ یہ نقصان مسلم مشن ووکنگ کی ہستی کیلئے خصوصاً اور جملہ مسلمین کے لئے عموماً اور ان احباب کے لئے جو اس مسلم مشن کے کام میں دلچسپی لیتے ہیں جسنے دہریت اور ادھری کا انگلستان جیسی سرزمین میں قلع قمع کیا اور اسلام کا نام بلند کر کے مذہب کی اہمیت اور ضرورت کا احساس لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ یہ ایک عظیم الشان قومی نقصان ہے۔

القدوائی مورخہ ۴ نومبر ۱۹۱۶ء

اسلامک ریویو - ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون ۔ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین ۔ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون ۔ ترجمہ۔ اور مت کہو واسطے ان لوگوں کے جو مارے جاتے ہیں بیچ راہ خدا کے مردے ہیں بلکہ جیتے ہیں یعنی زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے اور البتہ آزماوینگے ہم تم کو ساتھ ایک چیز کے ڈر سے اور بھوک سے اور کمی مالوں سے اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور بشارت دے صبر کرنیوالوں کو وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے انکو مصیبت کہتے ہیں تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں۔ اور تحقیق ہم طرف اسکے پھر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ان کے ہے درود پروردگار ان کے سے اور رحمت اور یہ لوگ ہیں راہ پانے والے +

پیام تسلیم و رضا

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا خط خواجہ بشیر احمد مرحوم کی وفات پر

یکم دسمبر ۱۹۱۸ء

برادرم حضرت شیخ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ بس باقی ہوس

بشیر کو مشیت ایزدی نے بلا لیا۔ خدا تعالیٰ کی شان اُسی ہفتہ جب اُس نے پاسپورٹ لیکر خدا کی راہ میں پہلا قدم اٹھانا تھا۔ اور اس طرح دنیا کو اسی جہان میں چھوڑنے کے لئے سفر شروع کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت نے اُسے ہمیشہ کیلئے دنیوی علائق سے چھڑا لیا۔ ایک باپ کے قلم سے یہ کلمات شاید کسی کو انوکھے نظر آویں۔ لیکن جس وقت مجھے مرحوم کے چلے جانے کے تار ملے وہ ایک بجے کا وقت تھا۔ اور نماز ظہر قریب تھی۔ اسی وقت معاً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اب جو نماز میں کھڑا ہوکر میں نے الحمد للہ رب العالمین کہنا ہے تو کیا واقعی میں سچے دل سے الحمد اس واقعہ کے بعد کہہ سکتا ہوں۔ یا یہ نماز بھی نفاق کی ہوگی لیکن اگر ایک مسلمان کو ہر حال میں پانچ وقت نماز ادا کرنی ہے۔ اور ہر نماز میں الحمد ہی کئی کئی دفعہ کہنا ہے۔ تو پھر یہ منافقت ہے۔ اگر میں اس قضائے الٰہی کے ساتھ پورے طور سے رضامند نہ ہوکر نماز ادا کروں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میری صحت کی حالت جس کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اور اس وقت تک بھی ایک حد تک نہایت ہی نازک تھی۔ اس مرض میں کسی دہشتناک خبر یا تشویش یا غم یا غصہ یا اشتعال کا آنا سم قاتل ہے۔ میرے دوستوں نے ازراہ شفقت سب پہلی تاریں متعلق بیماری مجھ سے کئی دن سے چھپا رکھی تھیں۔ اور یہ تار جو صبح سے آئی ہوئی تھی۔ یہ بھی ایک بجے تک چھپی رہی گذشتہ سال میں نے اس قدر کام کیا ہے۔ کہ جس سے میرے اعصاب بالکل تباہ ہوگئے۔ معمولی سے معمولی تشویش میرے رگ و پٹھ کو گرم کردیتی ہے اور اس موسم سرما میں کئی کئی کوزے سرد پانی کے مجھے سر پر ڈالنے سے

آرام آتا ہے۔ اسی حالت میں یہ خبر آئی ہے جو کئی گھنٹہ چھپائی گئی۔ لیکن اتفاق سے مجھے پتہ لگ گیا خدا کی شان ہے کہ یہ خبر جو اس نازک حالت میں ہماری ہیں میرا کان بھی پھونک کر میرا خاتمہ کر دینی سے سننے پر تے الفور میرا جسم ایک قسم کی برودت سے بھر گیا۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک ایک قسم کی ٹھنڈک کی چادر میرے اندر باہر لپیٹی گئی۔ یہ احساس مجھے دوسری دفعہ زندگی میں ہوا۔ اول اس دن حبۃ الدہ بشیر مرحوم ۱۹۱۲ء میں اچانک دنیا سے رخصت گئی۔ اس دن بھی میرے ساتھ یہی واقعہ ہوا۔ ہاں اس وقت یہ برودت ایک دن رہی۔ اور اس وقت یہ برودت برابر دو دن رہی۔ رہا اس عزیز کا رخصت ہو جانا سو دنیوی اصول سے تو میں اسے مدت ہوئی اپنی طرف سے رخصت کر چکا تھا۔ میں نے ایام حج میں بمقام منا مذبح ذبیح اللہ پر جب دو رکعت نفل ادا کئے تو سجدہ میں اسے خدا کی نذر کیا۔ میری طرف سے تو وہ عین قربانی کے دن دو سال ہوئے خدا کے آگے بطور قربانی پیش ہو چکا۔ خدا نے جب چاہا اس قربانی کو قبول کر لیا۔ جب اس نے بی اے پاس کیا تو اسے میں نے کہا۔ کہ میں اسے خدا کی نذر کر چکا ہوں۔ لیکن اگر اسے دنیوی کاروبار کی خواہش ہے تو بھی میں حاضر ہوں۔ وہ لا کلاس میں داخل ہو لیکن اس نے نہایت جوانمردی سے دنیا پر لات ماری۔ اور اٹھتی جوانی میں میری رفاقت کرنی پسند کی۔ اور قربانی کو قبول کیا۔ اس پر اسکی بی بی کا بھی حق تھا۔ اسلئے میں نے مرحوم کے خسر اور ان کی اہلیہ صاحبہ سے بھی استرضا کیا۔ اور ان کو بھی کہا کہ اگر وہ اس فقر کی زندگی کو جو مشنری کے سامنے ہونی چاہیئے۔ پسند کر سکتی ہوں تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ جو بیٹیہ اس کے لئے موزوں سمجھیں یا پسند کریں۔ میں اس کا تہیہ کر سکتا ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جزائے موفور عطا کرے۔ انہوں نے بھی بطیب خاطر میری خواہش کو مانا +

سو ایک جوان نمر رسیدہ بچہ سے جو والدین کو دنیوی توقعات ہو سکتی ہیں۔ اس سے تو مدت ہوئی میں نے قطع تعلق کر لیا۔ وہ میری طرف سے خدا کی نذر تھا۔ پھر میرا کیا تعلق۔ وہ جس طرح چاہے اسے لے۔ میں سمیں بھی اللہ تعالے کے شکر کا موقعہ دیکھتا ہوں۔ کہ خدا تعالے نے عین اس وقت اٹھا لیا کہ ابھی وہ دنیا کے علائق اور گندوں سے پاک تھا۔ اور وہ ایک مسلم مشنری کیلئے تیاری کر رہا تھا۔ اسکے وہ خطوط جو اسکی خبر وفات کے بعد مجھے ملے اور وہ سکے

اپنے ہاتھ کے تھے۔ اُن میں بھی اگر اسے تڑپ تھی تو اس امر کی کہ مولوی صدرالدین صاحب کو اشغال مدرسہ کے بعد چونکہ فرصت نہیں۔ اسلئے پورا وقت حدیث کے لئے اُسے نہیں دے سکتے دوسرے خط میں مرحوم کی طرف سے انتہا درجہ کی خوشی کا اظہار اس امر پر تھا کہ حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب کیطرف سے اب اعلان ہوا ہے کہ اگر کوئی مسلم مشنری زندگی اختیار کرنا چاہے تو حضرت قبلہ خود اسے تعلیم دینگے۔ مرحوم مجھے اطلاع دیتا ہے۔ کہ اب میرا مولوی صاحب قبلہ پر اس اعلان کے بعد خاص حق ہو گیا ہے۔ اب ان کا فرض ہے کہ مجھے خود تعلیم دیں۔ اور طیار کریں۔ یہ خطوط اس کی وفات کے دو ہفتہ پہلے کے ہیں۔ جو بچہ ان خواہشوں اور اُمنگوں میں ہو۔ جس کے اوقات علم دین کے حاصل کرنے میں گذریں اور جو دُنیا کو لات مارنے پر طیار رہو۔ اب اگر وہ جیفۂ دُنیا سے اُٹھا لیا جاوے اور اس پر لاانتہا ترقیات اور عطاء غیر مجذوذ کا دروازہ بلا اس محنت شاقہ کے جو ایک مومن کو اس دارالابتلا میں نفس مطمئنہ پیدا کرنے کیلئے اُٹھانی پڑتی ہیں کھل جاوے تو پھر میں کیوں خبر وفات کے سننے کے بعد ہی جو نماز پڑھوں اسمیں الحمد با دل صد در و بیشک لیکن نفاق سے خالی نہ کہوں۔

مرحوم کی بیوی جس نے اپنے شوہر کے ساتھ پوری رفاقت کی نہایت ہی سعید لڑکی تھی جو زیور تعلیم سے خالی نہ تھی۔ جیسے کہ آپ کو علم ہے۔ شادی کے بعد اس نے زیادہ وقت دینیات کا علم حاصل کرنے میں گذارا۔ اس کی بھی یہی خواہش مرتے دم تک تھی کہ وہ میری مدد یہاں آکر مشن ہیں کرے۔ اس کے سر سے بھی دُنیوی جوش سب نکل چکے تھے۔ وہ پورے ارادے سے اپنے شوہر کی رفاقت کرنا چاہتی تھی۔ یہی اس کے خطوط مجھے لندن آتے تھے۔ ایسی بی بی کس طرح دُنیا میں اپنے شوہر کے بعد رہ سکتی تھی۔ اس نے حق رفاقت ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے وابستگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ اور انہیں جس طرح چاہے نعم البدل عطا کرے +

خادم

خواجہ کمال الدین از مسجد ووکنگ

انگلستان

سیرت نبوی

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

علامہ شبلی مرحوم کی جدید تصنیف جس کا غلغلہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں گونج رہا تھا اور جس کی اشاعت کے لئے ملک کی آنکھیں انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھیں آخرکار نامی پریس کانپور کی لغزیب اور دیدہ زیب چھپائی کے ساتھ شائع ہوئی یہ جلد سیرت النبی کی پہلی جلد ہے۔ اور ہمیں حضور سرور عالم صلعم کے حالات زندگی غزوات تک لکھے گئے ہیں۔ دوسری جلد میں اسلام کی امن کی زندگی تنظیم و تمسیق اشاعت اسلام وفات و اخلاق کے حالات قلمبند کئے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے +

افسوس ہے کہ مصنف مرحوم کی زندگی نے اسقدر وفا نہ کی کہ عقیدت و ارادت کا یہ گلدستہ جو مختلف چمن کدوں سے تیار ہوا ہے بذات خود آستانۂ نبوت پر چڑھاتا مگر اس رنج کے ساتھ ہمیں ایک گونہ خوشی یہ بھی ہے کہ آخرکار سید سلیمان ندوی کی مساعی جمیلہ سے علامہ مرحوم کی محنت ٹھکانے لگی۔ اور مرحوم کا مسودہ ایک وسیع تصنیف کی صورت میں پبلک کے سامنے پیش ہو گیا +

کتاب کے شروع میں سید سلیمان ندوی نے بحیثیت "جامع" ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے جسمیں وہ لکھتے ہیں اصلی مسودہ مصنف میں بعض حوالے اور حواشی چھوٹ گئے تھے وہ انہوں نے تلاش کرکے لکھے لیکن اس کے متعلق کامل احتیاط کیگئی ہے کہ جامع کا کوئی لفظ مصنف کی عبارت میں نہ ملنے پائے +

اس کے بعد مصنف کا فاضلانہ دیباچہ شروع ہوتا ہے جسمیں انہوں نے فن سیرت کے مختلف شعبوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اصولِ علمیہ کے لحاظ سے یہ حصہ کتاب کا بہترین حصہ ہے۔ روایت و درایت پر ایک لطیف بحث کی گئی ہے۔ فن سیرۃ پر ایک مبسوط اور رنگین تبصرہ کیا ہے۔ اور عرب کی قدیم تاریخ اور اسکے ماضی پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب لکھا ہے۔ غرض کتاب کی ترتیب و تدوین نہایت قابل تعریف ہے

ارباب سیر جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی نہایت سیدھی سادی اور

غریبانہ زندگی تھی۔ یہاں تک کہ یورپ کے مصنف جو حضور سرورِ عالم کی ذاتِ ستودہ صفات میں خامیاں نکالنے کیلئے اُدھار کھائے بیٹھے ہیں معترف ہیں کہ اس حصہ زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر وہ انگلی رکھ سکیں۔ لیکن مدنی زندگی میں حالات بہت بدل چکے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ سلسلہ غزوات بھی شروع ہوا۔ کفارِ عرب کی طاقت اس زمانہ میں درہم برہم ہوئی۔ اسی زمانہ میں مدینہ کے یہود اپنی شرارتوں کی سزا میں جلاوطن کئے گئے غرض شانِ جلالی کا زمانہ مدنی زندگی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی لئے یورپ کے خوردہ بین اس زمانہ کے سوانح کو جی لگا کر پڑھتے ہیں۔ اور اس میں موشگافیاں کرتے ہیں۔ کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کی درویشانہ اور فقیرانہ سوانح کو ڈھونڈنے والوں کو شاہانہ اقتدار اوپرا معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مغازی (جنگیں) پر یورپ نے بڑی دیدہ دلیری کے اعتراض کئے ہیں۔ اور اس شوق میں خانہ ساز واقعات بھی تراش لئے ہیں۔ بعض وقت مسلمانوں نے بھی ان واقعات سے دھوکا کھایا۔ اور انہیں اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ کی سیرت میں **مغازی** کا حصہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ علامہ مرحوم نے سیرت النبیؐ میں اس حصہ کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ اور ان روایات کی خوب تنقید کی ہے جو حضور سرورِ عالم کی ذاتِ ستودہ صفات کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتی تھیں جو شانِ نبوت کے منافی ہیں۔ اور جن کو یورپ کے مصنفین نے سرورِ عالم پر اعتراضات کی بوچھاڑ کے لئے آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً **غزوہ بدر** کے متعلق معترضین کا عام اعتراض ہے کہ اسکی ابتدا محض اسلئے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کا قصد رکھتے تھے لیکن "سیرت النبی" میں ان تمام روایات کی تنقید کرنے کے بعد ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قریش مکہ نے یہ افواہ خود ہی اختراع کرکے اُڑا دی تھی۔ اور اسی بنا پر وہ مدینہ پر حملہ کرنے کو آئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجبوراً صرف حفاظت مدینہ اور اندفاعِ حملہ کے لئے باہر نکلے۔ اور جنگ بدر کا واقعہ ہوا +

تصویر کا دوسرا رُخ

ہر چند کہ **سیرت النبی** بلحاظ سیرت نہایت مستند کتاب ہے۔ مگر بعض ضمنی امور میں جنہیں اصل موضوع کتاب سے چنداں سروکار نہیں کسی قدر فروگذاشت ہو گئی ہے۔ جو محض سہو قلم کہا جا سکتا ہے

اگر مصنف مرحوم زندہ ہوتے تو غالباً وہ مسودہ کی نظر ثانی کرتے وقت تصحیح کر دیتے۔ لیکن افسوس کہ

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اب سیرۃ النبیؐ کی تدوین و تکمیل کی امانت مولانا سید سلیمان ندوی کے سپرد ہے۔ لیکن وہ مصنف کے اصل مسودہ کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابتدائی نوٹ میں خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ مگر ہمارے خیال میں اگر جامعؒ کی طرف سے حواشی میں ان امور کی صحت کی طرف اشارہ ہو جاتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ تعمیر کعبہ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو عرب لائے۔ اور ان کو یہیں آباد کیا۔ حضرت سارہ نے جیسا کہ توراۃ میں ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں چلے آئے۔ حضرت اسمٰعیل جوان ہو چکے تھے۔ اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا۔ دونوں نے ملکر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی +

اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل (اور جبکہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے) +

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی:۔

وطھر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ ہمارا گھر طواف کرنیوالوں اور رکوع کرنیوالوں اور سجدہ کرنیوالوں کیلئے پاک کر (صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالنے والے حضرت ابراہیم تھے۔ مگر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ سے بھی پہلے کا ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید نے اسے بیت العتیق کہا ہے۔ اور ایک مقام پر فرمایا:۔

اول بیت وضع للناس۔ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا +

مسٹر میور نے یہی اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم کا تعمیر کردہ ہے۔ مگر تاریخ کہتی ہے کہ ان سے پہلے کا ہے۔ اس اعتراض کا جواب نہایت آسان ہے کہ یرفع القواعد کے یہ معنے تو نہیں کہ اس خانہ خدا کی بنیاد ڈالی۔ بلکہ معنے صرف یہ ہیں کہ اسکی دیواریں بلند کیں۔ اس نتیجہ کی مؤید

قرآن مجید میں ایک اور آیت بھی ہے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم سے پہلے کا ہے:-

انی اسکنت ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم۔ اے خدا میں نے اپنی ذریت کو ایک بے گیاہ وادی میں تیرے پاک گھر کے قریب بسایا ہے +

صفحہ ۹۳ پر فرماتے ہیں :-

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ ان کے (یہودیوں کے) سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اسقدر تھا

قل یاھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃٍ سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولو اشھدوا بانا مسلمون (آل عمران رکوع ۷) کہدو اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا ربّ نہ بنائے۔ تو اگر وہ منہ پھیریں تو تم کہدو کہ اچھا گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں +

ان باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارا کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انہوں نے ہر طرح سے اسلام کی بیخ و بُن اکھاڑنے کا عزم کر لیا" +

اِس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ محض توحید ہی اِسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کافی ہے۔ نبوت کے اقرار کی ضرورت نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں اسلام نے غیر مذاہب سے فیصلہ کرنے کا ایک جامع طریق بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ امور مشترکہ کو مان لیا جائے۔ اسمیں شک نہیں مذاہب عالم میں جو امور مشترک ہیں وہ سب اِسلام میں پائے جاتے ہیں۔ اور غیر مذاہب سے فیصلہ کرنے کا یہ طریق نہایت حکیمانہ ہے +

ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس قسم کی لغزشیں آئندہ ایڈیشنوں میں درست کر دیجائینگی۔ اور اگر اصل عبارت میں تغیر تبدل کرنا موزوں نہیں تو کم از کم حواشی میں ان کی توضیح ہونی چاہئیے +

قُربانی اور تقویٰ

(بسلسلہ صفحہ ۱۶ جلد ۵ نمبر ۱)

ایک ذرے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو فنا کر دیوے پیشتر اسکے کہ وہ عالم غیر ذی حس میں پہنچے۔ اور غیر ذی حس اشیاء کو ذی حس بننے کیلئے پہلے خود فنا ہو جانا چاہئے مثلاً دیکھو کہ سیاہ مٹی کے تودے کس طرح سے خود فنا ہو کر ایک خوبصورت میوہ دار باغ کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اگر عالم نباتات معدنیات سے بہتر ہے۔ تو اس کا ظہور معدنیات کے فنا سے ہوا ہے لیکن پھر بھی اسمیں حرکت کی کمی ہے۔ مگر در اگر ان میں سے بعض چلنے پھرنے کی طاقت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ حیوانات کی خوراک بن جائیں۔ اسی طرح سے اگر ایک لیلا عروج کی طرف جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی ترقی کا راستہ کھلا ہے۔ اسمیں اعلیٰ درجے کی اخلاقی اور رُوحانی قابلیت کا مادہ پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ ذبح ہو کر ہمارے دستر خوان پر پہنچے۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں وہ انسان کے جسم کا ایک جُزو ہو جائیگا۔ یہی سبق ہے جو کہ قرآن کی آیات جو میں نے آج تلاوت کی ہیں سکھاتی ہیں اپنے اللہ تعالےٰ کی رضا کے آگے سر جُھکا دو۔ اور اس کے راستے میں اپنے آپ کو فنا کردو۔ تو پھر تم میں خدائی آثار پیدا ہونگے +

اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ قرآن کریم اس غلطی پر مُتنبہ کرتا ہے کہ خون اور گوشت سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ اس آیت میں جو میں نے ابھی پڑھی ہیں قربانی کا پہلو سائی اور تقویٰ سے تعلق بتلایا ہے۔ اور اگر آپ اُن اصولوں پر غور کریں جو ایک طرف تو تقویٰ اور دوسری طرف قربانی کی بنا ہیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ان کے درمیان نہایت ہی گہرہ تعلق ہے۔ اور سچائی کی بڑی ہی صفائی اور فصاحت کے ساتھ آپ کو سمجھ آجائیگی۔ قرآن کریم اس مضمون پر ایک اور جگہ کافی روشنی ڈالتا ہے۔ فرماتا ہے۔ کہ لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ تم نیکی اور تقویٰ حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جسے تم سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ اگر قربانی کے یہ معنی ہیں (اور درحقیقت اس کے معنے بھی یہی ہیں) کہ ایسی چیز کو

اپنے سے جدا کیا جائے جس کو کہ خود انسان رکھنے کا از حد خواہشمند ہے۔ اور جسے کہ جائز طور پر انسان رکھ سکتا ہے۔ تو بدی کے یہ معنے ہیں کہ اس چیز کو اپنے پاس رکھنا جس سے کہ ہمیں محبت ہے لیکن جس پر جائز طور پر ہمارا حق نہیں۔ کیا ان دو ذہنی کیفیتوں کے درمیان مطابقت ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ چاہتی ہے۔ کہ ہم اپنے مقبوضات سے علیحدہ ہو جائیں اور دوسری اسباب کی ترغیب دیتی ہے کہ دوسروں کا مال قبضے میں لائیں۔ کیا قربانی کرنے والے شخص کے دل میں بدی اور شیطنت گھس سکتی ہے۔ اگر قربانی کے معنے بے نفسی اور بےغرضی ہے۔ تو کیا خود غرضی اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر دیگر ذاتی ترقی حاصل کرنا ان تمام بدیوں اور شرارتوں کی جڑ نہیں ہے صرف وہ شخص جو قربانی اور ایثار کا عادی ہو۔ اپنے اندر دوسروں کو اس قسم کی چیزیں دینے کی عادت پیدا کر سکتا ہے جس سے کہ ان کو فائدہ پہنچے۔ اور جو کہ جائز طور پر وہ اپنے پاس رکھ بھی سکتا ہے۔ اور وہی جان سکتا ہے۔ کہ دوسروں کے مال پر طمع اور حرص کرنے سے کس طرح بچنا چاہئے۔ کیا میں پانچ پونڈ کیلئے ڈاکہ زنی کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔ جب کہ میں پانچ پونڈ روزانہ کی خیرات کرتا ہوں۔ کیا ہماری محبت مختلف اشیاء کے ساتھ ان تمام جرائم اور بدیوں کی ذمہ وار نہیں ہے۔ جو شخص کہ اپنی چیز کو اپنے سے علیحدہ کرنے کا مشتاق ہے۔ تو اسے بے انصافی اور بدی کی طرف ترغیب نہیں دی جا سکتی۔ کامل تقوی اور نیکی حاصل کرنے کیلئے ہمارے لئے از حد ضروری ہے کہ ہم دنیاوی تعلقات وغیرہ کو قربان کرنے کی مشق کریں۔ یعنی اپنا وقت روپے۔ کمائی۔ اشیائے خوردنی اور نوشیدنی۔ اپنے لباس اور دیگر آسائش و آرام کی چیزوں اور انکی رفاقت و صحبت کو بھی جو ہمارے اعزا اور اقارب ہیں۔ اور اپنے وطن کو بھی اپنے سے جدا کرنیکی عادت ڈالیں یہی ہمارے بڑے بڑے دنیاوی تعلقات ہیں۔ ان کے ساتھ حد سے زیادہ محبت کی وجہ سے زیادہ مختلف قسم کے جرم و گناہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے اسلام نے ایک قسم کی ورزش جسے روحانی ورزش کہا جا سکتا ہے۔ تجویز کی ہے جو کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے چار ارکان ہیں۔ ایثار اور قربانی کی عادت ڈالو۔ تاکہ بدی کافور ہو جائے۔ کوشش کرو کہ آپ کے ہموطنوں میں بے نفسی اور بےغرضی پیدا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کو تمام محکمہ جات عدالت و پولیس کی ضرورت نہ رہیگی لیکن

وہ کونسی قربانی ہے۔ جو ہمیں اس خدائے تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کرنی چاہئے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ قربانی سے عبادت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اس سے دل کی محبت کا ظہور ہوتا ہے! اور انسان اپنے محبوب کو خوش کرنے کیلئے کیا کچھ قربان نہیں کردیتا؟ بلکہ سچی محبت کا معیار صرف یہی ہے۔ کہ انسان تمام اپنی پسندیدہ چیزوں کو اپنے معشوق کی خاطر قربان کردے۔ انسانی قربانی کا رواج اپنے ساتھ اس رذیل خیال کو نہیں لایا کہ خدا کا غصہ اس سے فرو ہوتا ہے۔ خدا کے سچے عاشقوں کا یہ منشا تھا۔ کہ اس کے سامنے وہ چیز پیش کریں جو ان کی نظر میں نہایت گراں قدر ہے۔ وہ اپنی جان سے زیادہ ترکسی اور چیز کو خیال نہ کرسکتے تھے۔ اس طرح انسانی قربانی کا قدیم زمانے میں رواج ہوگیا۔ اور جس کی جگہ حضرت ابراہیم کی طفیل حیوان کی قربانی قائم ہوئی۔ لیکن خدا کی نظر میں انسان کی زندگی سے کوئی اور چیز بھی زیادہ قیمتی تھی۔ اور جس کے قربان کرنے سے ہی خدا خوش ہوسکتا تھا۔ اور جس سے کہ محبوب کا وصل پرستار حاصل کرسکتا تھا! انسان صرف اس کا نام نہیں۔ کہ وہ خون اور گوشت سے بنا ہو۔ یا اسمیں وہ تازگی بخش چیز ہو۔ جس کا نام زندگی ہے۔ اس بارے میں ہم سب حیوانوں جیسے ہیں۔ ان ہر دو قسم کی مخلوقات میں زندگی ہے۔ جو علم موجودات جاننے والوں کے نزدیک خون اور گوشت کی ترکیب سے بنی ہے۔ اب ہماری مرضی ہماری سمجھ اور ہماری قوت فیصلہ الغرض ہمارا ذاتی علم ہے۔ جس سے کہ ہم انسان کہلاتے ہیں۔ اگر قربانی کے معنے تابعداری ہے۔ اور اس سے اطاعت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ آیات بالا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اپنی زندگی کا حوالے کردینا قربانی نہیں ہے۔ یہ تو حیوان بھی کرسکتا ہے۔ سچی قربانی صرف یہی ہے۔ کہ ہم اپنی مرضی کو خدا کی رضا کے آگے ڈال دیں! اسلامی قربانی کی جڑ یہ ہے کہ خدا کی مرضی اپنی مرضی خیال کیجائے۔ رضائے مولا کے آگے جھکنا اور خاموشی سے اسکی حکومت کو ماننا ہی سچی قربانی ہے۔ حضرت ابراہیم نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے تمہیں اپنی جان قربان نہ کرنی چاہئے۔ ایک دنبے یا بکرے ذبح کرنے سے یہ کام پورا ہوسکتا ہے۔ لیکن اپنے نفس کو مارو۔ اور خدا کی رضا کے آگے بچون چرا تسلیم خم کردو۔ یہی اسلام ہے۔ یعنی راضی برضائے مولا + جس کا کہ مطلب ایک کلمے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنے لا الٰہ الا اللہ میں پرستش کے قابل سوائے ایک اللہ کے اور کوئی نہیں ہے

اور یہی اسلام کا پہلا رکن ہے +

پس اسلام اور قربانی مترادف ہیں۔ تم مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ قربانی کی مشق نہ کرو۔ اور خدا کے قوانین کے آگے سر نہ جھکاؤ۔ اور جب تک کہ خدا کی مرضی کو اپنی مرضی نہ سمجھو۔ یہی تمہاری ترقی کا باعث ہو سکتی ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں تم زندہ نہیں رہ سکتے۔ جب تک کہ تم خاص قوانین پر عمل نہ کرو۔ اپنے چاروں طرف دُنیا میں دیکھو کہ ذرہ ذرہ اسبات کو ثابت کرتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز خدا کی مرضی کے ماتحت ہے +

مُسلم خواتین کو ایک صدا

(ایک ہندوستانی مسلم خاتون کی قلم سے)

خواتین اسلام! اُٹھو۔ کشت و خون وحسد کی جنگ و جدال کیلئے نہیں۔ بلکہ عزت تمکنت۔ شان و شکوہ و خودداری کی جدوجہد کیلئے اُٹھو مسلم قوم پستی و انحطاط کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ تم اُسکو قعر ذلت میں گرنے سے بچانے کیلئے اُٹھو۔ تم اس فرض کو ادا کرو۔ جس کو کہ ہمارے بھائی بندوں نے خواب غفلت میں پڑ کر عیش و عشرت آرام و آسائش کی زندگی میں منہمک ہو کر فراموش کر دیا۔ مسلم خواتین کو چاہئے۔ کہ انہیں اس خواب گراں سے بیدار کریں۔ اور ان کے بیٹوں اور لڑکیوں کو راستباز اور پارسا بنا کر اسلام اور خدائے اسلام کی شان و شوکت۔ جاہ و جلال کو دوبالا کریں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی قسم کا دنیوی اجر نہیں چاہتے ہمیں ہر ایک بات میں آپ کی اتباع لازم ہے ہمیں اپنے بچوں کو یہ تعلیم دینی چاہئے۔ کہ وہ خداوند تعالیٰ پر توکل کریں اور صدق و صفا سے کام کریں ہمارا مقولہ یہ ہونا چاہئے کہ جوانمردی و راستبازی سے کھڑے ہو کر ہمیں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور اس حق و صداقت کو جو ہمارے پاس ہے۔ اس کا اظہار کریں۔ تاکہ ہر ایک اس سے متمتع ہو سکے۔ ہم کو جوانمرد و دلیر بننا چاہئے۔ اور اس کا ہر جگہ چرچا کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی لوگ زندہ رہتے ہیں۔ جو کہ جرات و دلیری کرتے ہیں +

ہماری آیندہ نسلوں کی لبقا ودوام۔ بھلائی یا برائی آغوش مادر پر ہی حصر رکھتی ہے کیا ہم مسلم خواتین سعی بلیغ کرکے اپنی قوم کو اعلیٰ واحسن پیمانہ پر نہیں لا سکتیں +

خواتین اسلام ہم کو اب کمر ہمت باندہ کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور اس فرض کو دلیرانہ بے باکانہ بغیر کسی خوف وخطرکے سرانجام دینے کیلئے کمربستہ ہونا چاہیئے۔ جو کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے سپرد کیا۔ خواہ نواحی حالات کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں۔ ہم فرقہ اناث کو فرقہ ذکور سے بڑھ کر کارہائے نمایاں کرکے دکھانا چاہیئے۔ ہم کو اسباب میں ممد ہونا چاہیئے۔ کہ خود ذکور خود اٹھیں جس طرح کہ ہم اپنے آپ کو اٹھانے میں کوشاں ہیں ہمیں دیگر اقوام کے مال ومتاع کی خواہش نہ کرنی چاہیئے۔ اور کسی بھی صورت میں ہمیں اغیار کی تقلید ہرگز نہ کرنی چاہیئے بلکہ اپنے فرزندوں کو اس زمانہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جبکہ غیر اقوام مسلم تہذیب علم وفنون کے سامنے تسلیم خم کرتی تھیں مسلم قوم کی طاقت۔ جاہ وجلال۔ رعب ودبدبہ سے تھراتی تھیں۔ جبکہ اسلام کا پھریرا مشرق ومغرب پر بڑی شان وشکوہ سے لہلہاتا تھا۔

ہمیں اپنے بچوں کو بہادر۔ جوانمرد۔ دلیر۔ راستباز۔ شریف النفس۔ مہربان اور صادق ہونے کی تعلیم دینی چاہیئے۔ یہ دیکھ کر ہمیں رنج پہنچتا ہے۔ کہ ہمارے فرقہ ذکور کو بڑی حقارت اور بیعزتی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ان سے ایک حقیر قوم کا سا سلوک کیا جاتا ہے ہمیں اس رذیل وکمینہ زندگی کی رو کو بدلنا چاہیئے۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے۔ کہ ہم اپنے بچوں کی ایسے طریقہ سے پرورش کریں۔ جس سے کہ ان میں خودداری کا مادہ پیدا ہو۔ اور وہ اہل نخوت وتکبر کے مقابل ڈٹ کر کھڑے ہوں ہمیں انسانیت کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ اور ایسے انسان پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دوسرے کسی سے بھی خائف نہ ہوں۔ اور جو اپنے بھائی بندوں کی فلاح وبہبودی اور اپنے مذہب کی اشاعت اور اللہ تعالےٰ کے جاہ وجلال کو قائم ودائم رکھنے کے لئے اپنی جانیں تک قربان کردیں ہمیں اس قسم کے لوگ پیدا کرنے چاہئیں۔ جو ہمارے اولوالعزم پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کے شایاں ہوں۔ والسلام

پس پردہ

وہ مبارک لیکچر جو حضور سرکار فرمانروائے ریاست بھوپال ادام اللہ ملکہا والافضال نے آل انڈیا خواتین کانفرنس کے پہلے سالانہ جلسہ بھوپال میں مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۱۸ء کو دیا

اسلام میں پردہ یا مستورات کے برقعہ کا حکم بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق اہل مغرب نے بدقسمتی سے بہت سی بیجا نکتہ چینی کی ہے۔ گو اسکی موجودہ صورت قرآن شریف کی ہدایات کے کلیتہً مطابق نہیں۔ اور حالات و واقعات زمانہ نے اس پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اور ہندوستان میں اسلامی اور غیر اسلامی اقوام میں بھی برابر اس کا رواج ہے۔ تاہم اس قسم کے بیرونی اثر سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ دُنیا کی مختلف قوموں کی موجودہ حالت پر سرسری نظر ڈالنے سے ایک تعصب سے خالی دماغ پردہ کے حق میں فیصلہ کریگا۔ خصوصاً وہ پردہ جس کی تشریح قرآن مجید میں ہے۔ اور جس کی بڑی غرض یہ ہے کہ مرد و عورت بلا امتیاز ایکدوسرے سے ملیں پردہ کبھی بھی ترقی کیلئے روک نہیں ہوا۔ اور نہ اسکی عدم موجودگی سے ان لوگوں نے علوم کے خزانے حاصل کئے ہیں جو اسکے حامی نہیں۔ ممالک غربی کی عورتیں ہمیشہ پردہ کے بغیر رہی ہیں لیکن آج سے پچاس سال پہلے اُن کی ذہنی ترقی اور علمی واقفیت قابل رشک نہ تھی۔ لیکن ان کی مسلمان بہنیں پردہ کے اندر رہکر بھی وقتاً فوقتاً مردوں کے ساتھ علوم کی مختلف شاخوں میں مقابلہ کر سکتی تھیں۔ مشرقی ممالک میں ماں ہی حقیقت میں گھر کو ٹھیک طور پر چلانیوالی اور آیندہ نسلوں کے اخلاق اور چلن کو بنانے والی ہے۔ انگلستان کے ایک نہایت عظیم خطرہ کے موقعہ پر ہندوستان کے لکھوکھا بچوں کا ایک حیرت انگیز طریق پر سینہ سپر ہونا۔ اور اپنے زبانی وعدوں کو عملی جامہ پہنا کر شرط وفاداری کو پورا کرنا ان مستورات کے خیالات اور استعداد اور دلوں کا ایک نقشہ ہے جس کے وہ بچے ہیں۔ انہیں بازار میں جاکر خرید و فروخت کرنے کے لئے کافی وقت نہیں ملتا کیونکہ پردہ کے اندر انہیں اس سے زیادہ ضروری کام پر اپنی پوری توجہ دینا ہے۔ آج مسلمان مستورات ہی پردہ کے اندر ہندوستان میں اپنے بچوں کے اخلاق اور ان کی آیندہ روش زندگی کو بنا رہی ہیں مستورات نے اپنی انجمنیں اور سوسائٹیاں بنا رکھی ہیں وہ ان میں شامل ہوتی ہیں اور اپنی کانفرنسوں کا

اجلاس کرتی ہیں اور انہیں تربیت و ترقی کے لئے ہر قسم کا موقعہ ملتا ہے۔ لیکن پردہ نے کبھی بھی کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کی جن ذی جاہ و حشم عورت کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایک نہایت مہذب و شستہ خیال کی (ملکہ) بیگم بھوپال ہیں جن کی زیر صدارت تمام ہند کی مستورات کی کانفرنس کا اجلاس ان کی اپنی دارالسلطنت بھوپال میں منعقد ہوا۔ حضور عالیجنابہ بیگم صاحبہ بالقابہ خود بدولت اعلیٰ درجہ کی ذہین ہیں۔ بہت سی زبانوں میں مہارت آپ کو حاصل ہے۔ ہندوستان کے علوم و فنون میں ماہر ہیں۔ اور بہت سی کتابیں جو اعلیٰ پایہ کی ہیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔ اور لکھو کھہا لوگوں پر آپ نہایت دانائی اور فراست سے حکومت کر کے اپنی بینظیر ذات سے اپنے عہد حکومت کو روشن فرما رہی ہیں حضور ممدوحہ بالقابہ نے مستورات کی حالت درست کرنے اور مختلف طریقوں سے ان تک تعلیم اور دیگر اسی قسم کی نعمتیں پہنچانے کے وسائل پیدا کرنے میں قلمے۔ درمے۔ قدمے امداد دیکر خاص طور پر امتیاز حاصل کر رکھا ہے سرکار ممدوحہ بالقابہ کی فیاضی ہی کے باعث بہت سی زنانہ اور مردانہ درگاہیں وغیرہ کامیاب اور خوشحال نظر آتی ہیں۔ آپ نے سفر بھی بہت کیا ہے۔ اور یہاں (انگلینڈ) بھی تشریف لائی تھیں۔ ان لوگوں کے لئے جو صحیح طور پر جاننا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی مستورات اپنے ملک کیلئے کیا کر رہی ہیں ذیل کا لکچر جو سرکار عالیہ بالقابہ نے دیا بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے اُردو دان ناظرین کے فائدہ کیلئے وہ لکچر قریباً قریباً تمام یہاں درج کرتے ہیں +

لیکچر دینے سے پہلے جنابہ شہزادی میمونہ سلطان حمید اللہ بیگم صاحبہ بالقابہا نے جو کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کی صدر تھیں حضور سرکار عالیہ کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا۔ سرکار والا مدار نے تمام مستورات کا جن میں سے اکثر دُور دور سے کانفرنس میں شامل ہونے کیلئے تشریف لائی تھیں شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا کہ انہوں نے کانفرنس کے معاملات پر غور کرنے کے لئے اس جگہ آنے میں بہت تکلیف اُٹھائی ہے۔ پھر سرکار عالیہ نے فرمایا کہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے بھوپال پر ملکہ ہی کا راج رہا ہے۔ اور یہ ایک دلیل اُن بیشمار دلائل میں سے اس امر کی ہے کہ ہندوستان کی مستورات عمدہ کام کرنے کی بہت بڑی استعداد اور طاقت رکھتی ہیں اور فرمایا کہ گورنمنٹ ہند نے ۱۸۵۴ء میں لڑکیوں کی تعلیم کو ترقی دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اور فرمایا کہ اس طرح کا اتفاق شاید آئندہ بھی نہ ہو جبکہ چونسٹھ سال کے بعد اس کا خیال ہمیں آئے ہاں البتہ عملی طور پر کچھ کر دکھانے سے مدعا حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اسی قسم کی تحریکات مشرق کے تمام ممالک میں مثلاً چین۔ جاپان۔ ایران۔ ٹرکی۔ مصر میں ہو رہی ہیں۔ گویا اس کوشش کا بین ثبوت ہیں۔ جو زمانہ ماضی کو چھوڑ کر مستقبل کے آزادانہ اور خوشتر زمانہ میں داخل ہونے کے ہو رہی ہے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد سرکار عالیہ بالقابہا کرسی صدارت پر متمکن ہوئیں۔ بعد ازاں آپ نے جبکہ سامعین کے نعرہ تعریف و تحسین بلند ہو رہے تھے کھڑے ہو کر ذیل کا لکچر فرمایا +

میں آپ کی اس مہربانی کی قدر اور عزت کرتی ہوں جو آپ نے آل انڈیا لیڈیز کی پہلی کانفرنس صدارت کے لئے مجھے انتخاب کرنے میں ظاہر کی۔ سالہائے گذشتہ کے قومی اور سیاسی کام کے تجربہ کی بنا پر جو مجھے حاصل ہوا ہے میری رائے ہے کہ تمام مذہب و ملت اور ہندوستان کے ہر گوشہ کی مستورات کیلئے ایک مرکزی انجمن قائم کرنا جو ہندوستان کی تمام مستورات کی بلالحاظ ذات پات کے عام حالت کو بہتر کرے۔ اور یہ ملک کے لئے ازحد اچھا ہوگا۔ اس قسم کی انجمن کا قائم ہونا ہی اس امر کی امکان کی ایک بڑی بھاری دلیل ہوگی۔ کہ مختلف قومیں مشترکہ غرض کے لئے یکجا اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ اس بارہ میں میں خاص طور پر اس مقصد کام کی طرف توجہ دلاتی ہوں جو مسلم لیڈیز کانفرنس ہا بنگال کانفرنس۔ استری مہامنڈل سبھا اور بمبئی میں سیوا سادھن کر رہی ہیں کہ ہندوستان کی مستورات تمدن کی اصلاح میں کسقدر بھاری مدد دے سکتی ہیں لیکن یہ سب مقامی ہیں اور خاص کمیٹیوں کے زیر اہتمام ہیں۔ لیکن آل انڈیا لیڈیز کانفرنس ہندوستان کی مستورات کے لئے خواہ وہ کسی حصہ میں ہوں اور خواہ وہ سوسائٹی کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں بلالحاظ مذہب و ملت مرکزی انجمن ہوگی۔ اس تحریک کے بانیوں کی خواہش ہے کہ فرقہ اور مذہب کے قیود سے نکلکر ہندوستان کی لاکھ دو لاکھ لڑکیوں کو اپنی متحد کوشش اور ہمت سے فائدہ پہنچایا جائے۔ اس طرح یہ کانفرنس بلحاظ اپنے اجزا کی تمام ہند کی نمایندہ ہوگی اس کا ممبر ہر ایک ہو سکتا ہے +

اس کے بعد دوسرا امر یہ ہے کہ ہم اپنے کام کو ترتیب دیں میرے خیال میں اس کانفرنس کا بڑا کام سب اندرونی قسم کا ہوگا لیکن اسمیں کامیابی کے لئے گورنمنٹ کی امداد کی ایک حد تک ضرورت ہوگی۔ گو میں مانتی ہوں کہ اس کام کے حاصل کرنے کیلئے ہماری اپنی پوری دلی کوشش ہی ہماری آخری کامیابی کا باعث ہوگی۔ اس طرح ہمیں سیاست کا علم حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوگا کہ انگلینڈ کی مستورات کی موجودہ قابل رشک حالت۔ مس جنتیے۔ مس فلورنس نائٹینگیل۔ مس الزبتھ کلبرک کی محنت ہی کا نتیجہ ہیں۔ جو حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کے زمانہ مبارک میں تھیں۔ ان مستورات نے ایسے گھر تیار کئے جہاں مفلس اور بیکس عورتوں کیلئے مفید کام سیکھنے کا انتظام کیا گیا جہاں اندھوں کو خاص قسم کی تعلیم دینے کے لئے سہولتیں پیدا کی گئیں۔ اور جہاں بیمار اور لنگڑے و لنجے ہمدردانہ امداد حاصل کرتے تھے ہمارے زمانہ میں بھی انگلستان زیادہ آسودہ و خوشحال ہے۔ کیونکہ حضور ملکہ الگزنڈرا صاحبہ۔ جنابہ ملکہ میری صاحبہ شہزادی صاحبہ کرسٹی آنہ اور تمام شہزادیاں بڑی محنت اور تندہی سے ملک کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ ان ممتاز مستورات کا کام تمام دیگر عورتوں کے لئے جہاں کہیں وہ ہوں بطور نمونہ خیال کیا جانا چاہئے۔ دیگر ممالک میں بھی ہمیں کونٹس مونٹسری صاحبہ کا پتہ ملتا ہے جو بچوں کے دماغ کی تربیت و تعلیم کی وجہ سے مشہور ہیں +

ہمیں اس احسان کو فراموش نہ کرنا چاہئے جو اسلامی مستورات نے اپنی کوششوں اور عقلمندی سے تمام دنیا پر ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے۔ کہ عورت کے دل میں انسانی ہمدردی اور محبت کا ایک خاص حصہ ہے۔ وہ قانون یا مذہب جو عورت کو مرد کے برابر برابر اپنی قابلیت کے اظہار کا موقعہ نہیں دیتا۔ وہ انسانی تہذیب کے معمولی معیار سے بھی گرا ہوا ہے زیادہ تر اسلام ہی کی طفیل مستورات کو اپنی لیاقت و قابلیت کے اظہار کیلئے بہت بڑے وسیع میدان ملا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اکثر ملکی اور جنگی امور کے متعلق مستورات کا نام دکھائی دیتا ہے مثلاً نورجہاں۔ زیب النسا۔ چاند بی بی۔ جہاں آرا۔ یہ چند نام ان درخشاں ستاروں میں سے ہیں۔ جن کا پرتو آج تک ہندوستان پر پڑ رہا ہے ایسی مستورات

بھی دیکھی جاتی ہیں جنہوں نے صرف انتظامی معاملات ہی میں اپنی دانائی کا ثبوت نہیں دیا بلکہ علم ادب اور سائنس یا طبعیات میں بھی کمال دکھایا۔ مثلاً عائشہ خاتون۔ خدیجہ بنت القیام۔ آمنہ۔ عاصیہ اپنی قانون دانی علم اخلاق فلسفہ علم وفضل کے لئے مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے مجمعوں میں جہاں اُس زمانہ کے کئی ایک لائق وفاضل بھی موجود ہوتے تھے۔ عالمانہ لیکچر دیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ خلیفہ المامون کے شاہی حکیم کے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں اُسکی بہن اور بھانجی جو دونوں طب اور جراحی کے کام میں بہت ہوشیار تھیں بہت حد تک ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ ہمارے اپنے زمانہ میں بھی فاطمہ علیا خاتون نے اپنے علم وادب کے کُتب کی وجہ سے بہت شُہرت حاصل کی ہے۔ مصر کی مستورات زینت خانم کی اس اعلیٰ درجہ کی اور آنتھک کوششوں کیلئے ازحد مشکور ہیں جو مسماۃ مذکور نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کیں۔ اور آغا خانم کی عام فیاضی مسلمانان پولنڈ میں ہر ایک کو معلوم ہے۔ اسی طرح لکھنؤ میں ہمارے مکتب یعنے ندوۃ العلما بہت حد تک جنابہ بیگم صاحبہ بہاولپور کا ممنون ومرہُون ہے۔ ہاں تو یہ میری داستان اُدھوری رہیگی۔ اگر میں اِس جگہ سیتا جی۔ شکنتلا۔ دروپتی۔ پدمنی جیسی رانیوں کا ذکر نہ کروں جو بلحاظ شکل وشباہت اور بلحاظ صفائی باطن مشہور تھیں۔ جن کے اوصاف کے گیت مختلف زبانوں میں گائے جاتے ہیں۔ شورانی جی کو ان کے وقت کے لوگوں نے عالم و فاضل تسلیم کیا۔ راجہ بھوج نے قدیم زمانہ میں ایک سیتا نامی عورت کی تمام دربار میں تعظیم وتکریم کی بدیں وجہ کہ اس نے ریاست کا ایک نہایت مشکل عقدہ حل کیا۔ اسی طرح انوسیا نے اپنی زندگی مستورات کی تعلیم وترقی کے لئے وقف کردی۔ آٹھویں صدی کا بڑا بھاری معلم یعنے بھٹا چارجیا نے سب کچھ اپنی والدہ کی فراست۔ علم۔ روحانی صفائی کی وجہ سے حاصل کیا۔ ان لوگوں سے جو ہندوستان میں مستورات کی آئے دن ترقی کو دیکھ رہے ہیں۔ پنڈتہ رامابائی سرسوتی اور رانندی بائی کے کام پوشیدہ نہیں ہیں۔

ان حالات کا لحاظ رکھ کر جن کے درمیان ہماری تربیت وپرورش ہورہی ہے۔ اور ان فرائض کو مدنظر رکھ کر جو ہمارے ذمہ ہیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم خاص توجہ اپنی

کی طرف منعطف کریں۔ کہ ہماری لڑکیاں کس قسم کی تعلیم اور تربیت حاصل کریں۔ تعلیم پر بلکہ نوع تعلیم پر ہی ہماری ساری کی ساری قوم کا مستقبل انحصار رکھتا ہے۔ ہماری لڑکیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ گھر کے اندر ایک صدر کی حیثیت رکھیں جو ان کی لائق ہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو انہیں اپنے اور اپنے بچوں کیلئے روزی کمانے کے بھی قابل بنا دیا جائے بڑی بڑی اعلے دماغ والی عورتوں کی صفائی اور خوبی اخلاق کا بڑا باعث زیادہ تر انکی مذہبی تعلیم ہی دیکھا گیا ہے۔ اس قسم کی تعلیم کا نہ ہونا ہر جگہ ایک خطرناک نقص ہے۔ اور اسے نظر انداز نہ کرنا چاہئے +

سال گذشتہ وسٹ منسٹر کے چرچ ہوس میں لارڈ پارمور اور بشپ آوف آکسفورڈ نے اپنی تقریروں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس میں مذہبی تعلیم کیطرف کم توجہی پر بہت کچھ اظہار افسوس کیا۔ اور تمام مجمع نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ طلباء کے تعلیمی نصاب کا زیادہ تر حصہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ ہم ہندوستانیوں کو جن کیلئے مذہب ہی زندگی کا روح رواں ہے۔ اس فیصلہ کو دیکھ کر متنبہ ہو جانا چاہئے چونکہ اس وقت ہمیں عمدہ طریق پر ٹرینڈ شدہ مدرسین کی ضرورت ہے۔ اسلئے میں نے ایک تعلیمی نصاب تیار کرنے کا انتظام کیا ہے۔ یہ نصاب تیار ہو چکا ہے۔ اور افسران صیغۂ تعلیم کے پاس برائے نظر ثانی اور تنقید کیلئے بھیجا گیا ہے۔ ہمیں ایکدوسرے کو مبارکباد دینی چاہئے کہ تو کو آبین مستورات کی یونیورسٹی قائم ہو چکی ہے۔ اور چونکہ اس کا انتظام قابل ہاتھوں میں ہے اسلئے عمدہ نتائج کی امید کیجا سکتی ہے +

جو کام آج ہمارے در پیش ہیں وہ مختلف قسم کے اور بہت ضروری ہیں۔ اگر اس تحریک سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہم ان وسائل و ذرائع کو عام کریں جن سے ہمارے لڑکے اور لڑکیاں آیندہ اچھے طریق پر تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں۔ اور وہ تعلیم اس ڈھنگ کی ہو۔ کہ جب وہ ہمارے مقام پر پہنچیں تو وہ دنیوی کاروبار چلانے کیلئے جو آئے دن زیادہ تر کوشش و ہمت چاہتے ہیں۔ ہم سے بہتر طور پر تیار ہوں۔ اور اگر ہمارا مدعا یہ بھی ہے کہ ان غیر مفید اثرات اور روایات کو جڑھ سے اکھاڑ دیا جائے جو آجکل ہمیں گھیرے ہوئے ہیں

اور جن کے ذریعہ گزشتہ زمانہ میں تمدن میں زوال و ناکامی ہوئی ہے۔ نیز اگر ہماری خواہش ہے۔ کہ ہمارے ملک کا نام ہمارے لئے باعث فخر ہو اور غیر ممالک اسکی عزت کریں۔ تو اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام زندگی وقف کر دیں۔ ہندوستان میں عام طور پر مستورات کا تنزل اُن کی برادری کے لوگوں کے لئے ایک ہمیشہ کی ملامت ہے۔ قرآن شریف نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ مرد و عورت اپنے قوائے ذہنی کے استعمال کرنے اپنے مقبوضات کے رکھنے اور دُنیا میں مختلف موقعوں سے فائدہ اُٹھانے کا مساوی حق رکھتے ہیں مسلمانوں کی مشہور تاریخیں ایسی مثالوں سے روشن ہیں۔ جو بتلاتی ہیں کہ اسلامی مستورات نے بڑی جرات و دلیری سے اپنی قومی زندگی کے قریباً تمام کاموں میں حصہ لیا ہے۔ لیکن انکی معکوس ترقی کے اسباب تو ان کی اپنی سستی اور لاپرواہی نیز ان فرائض کی طرف عدم توجہ ہے۔ جن کی ادائیگی سے انہیں وہ علوم و ذرائع حاصل ہو سکتے تھے جن سے اُن کے دماغی قویٰ کا اظہار ہوتا۔ اسلئے آج ہمیں سچے دل سے حلف اُٹھانا چاہئے کہ جب تک ہم اس کام کو خواہ وہ کتنا ہی مشکل اور اہم کیوں نہ ہو ایسے راہ پر نہ لائیں جس سے اسکی تکمیل ہو اس وقت تک ہمارے نزدیک ہر ایک قسم کا ڈر اس راہ میں گناہ خیال کیا جائیگا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مشرق میں عورت کا مرتبہ بڑا زبردست ثابت ہوا بلکہ اسکی زبان زیادہ تر مؤثر مانی گئی ہے۔ اِس مُہم کی تکمیل کے لئے جس سے آپ کی تمام پوشیدہ قوتیں اور قابلیتیں ظہور میں آسکیں بڑی ہمت و جرات درکار ہے۔ آؤ ہم سب ملکر اُس قادر مطلق کے حضور دُعا کریں جو صدق دل سے کوشش کرنے والے کو کامیابی کا مُنہ دکھلاتا ہے کہ وہ ہمیں اپنے نور ہدایت سے ان معاملات میں رہنمائی کرے۔ اور ہمیں اپنے ارادوں میں استقلال بخشے پس آج ہم سب اس تحریک کی بنیاد رکھتی ہیں جو مسلمانوں ہندوؤں۔ پارسیوں جینیوں اور سکھوں کی مشترکہ غرض ہوگی۔ اور جس کا پھل آئندہ ہم سب یکساں طور پر چکھینگی۔ اور اِس قسم کی قابل قدر اور عالیشان مُدعا کو لئے ہوئے۔ ہمیں کامیابی کے لئے بہت دیر انتظار میں رہنا نہ پڑیگا فقط

عورت اور عورت کے حقوق زیر اسلام

بسلسلہ صفحہ ۵۳۶ جلد ۴ نمبر ۱۲

(از قلم شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی)

اسلام کی شان و شوکت نساء اسلام سے ایسی ہی ہویدا تھی جیسی کہ مردوں سے۔ خود نبی اُمّی کی پیاری بیٹی علم و حکمت کی خاتون بن گئی۔ اور رسول اللہ صلعم کی کم سن حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے زمانہ کی ایک نہایت بلند پایہ فقیہہ۔ محدث۔ مفسر اور نساب ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ علم طب سے بھی واقفیت رکھتی تھیں۔ اور عربی علم ادب اور شعر و سخن سے کامل ماہر تھیں۔ علم فقہ میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ فقہ کے متعلق اسلام میں جس قدر احادیث ہیں ان کی ایک چوتھائی حصہ کا ماخذ حضرت عائشہ صدیقہؓ خود ہیں۔ جب کبھی شریعت اسلامی کے کسی مسئلہ پر اختلاف ہوتا تھا۔ تو حضرت عائشہ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ احنف بن قیس کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ (حضرت عائشہؓ کے والد) حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ اور دوسرے فضلا اور قابل بزرگوں کے وعظ اور خطبے سنے ہیں لیکن جو کچھ میں نے حضرت عائشہ سے سنا فصاحت اور ادبیت کے لحاظ سے اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ تاریخ اسلام اہل کمال مسلمان عورتوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے۔ حضرت امام حسینؓ شہید کربلا کی دختر سکینہ علمی فضیلت میں بہت شہرت رکھتی تھیں امتہ الواحد حسین بن اسمعیل کی بیٹی کتابت۔ حدیث۔ فصاحت۔ ریاضیات اور علم صرف و نحو میں ماہر تھی +

سپین میں بھی مستورات فنون لطیفہ کی ماہر ہوتی تھیں۔ قرطبہ کے خلیفہ کی بیٹی ولادہ حسن و قابلیت میں یکتائے روزگار تھی۔ اسی دربار کی اور شہزادی عائشہ اسکی ہم پلہ تھی۔ اس کے خطبے اور نظمیں اکثر اس شہر کی مجلس شاہی میں پڑھی جاتی تھیں۔ اور خراج تحسین وصول کرتی تھیں۔ اسی مشہور آفاق دارالسلطنت

کی رہنے والی لبینہ نہ صرف شعر وسخن میں بے نظیر تھی بلکہ فلسفہ اور ریاضیات میں بھی تبحر رکھتی تھی۔ اور خلیفہ حکم کی خانگی نظامت کے عہدہ پر جو مستورات کو شاذ ہی نصیب ہوتا تھا ممتاز تھی۔ سبول کو ناز تھا صفیہ پر جس کا شاعرانہ کلام اور خوبصورت دستخط برابر کی تحسین حاصل کرتے تھے۔ اور الغانیہ پر جو خلیفہ کے قصیدے لکھا کرتی تھی اور مریم پر جو عربی ادب میں خاص شہرت رکھتی تھی +

نساء اسلام میں جو خاتونیں ولایت کے رتبہ کو پہنچیں اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن رابعہ العدویہ نے وہ رتبہ حاصل کیا۔ کہ بقول ابن خلکان قرون وسطیٰ میں اس کا مقبرہ زیارت گاہ عوام بن گیا تھا۔ ان کا زمانہ دوسری صدی ہجری تھا۔ "عربوں کی ادبی تاریخ" میں سے اسکی ایک نظم کا حسب ذیل ترجمہ ہے:-

میں تجھے دو طرح سے محبت کرتی ہوں۔ خود غرضی سے اور دوسرے جیسے کہ تیری شان کے شایاں ہو۔ یہ خود غرضانہ عشق ہے۔ کہ میرے دل میں ہر وقت تیرا ہی خیال رہتا ہے۔ اور میں کچھ نہیں کرتی۔ اور دوسرا خالص عشق ہے۔ جب تو میری قربان ہونے والی نگاہوں کے سامنے اپنی نقاب اُلٹ دیتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں میں کسی تعریف کی مستحق نہیں۔ میں اقرار کرتی ہوں۔ کہ دونوں میں قابل تیری ہی حمد وستائش ہے +

حضرت رابعہ کو قرآن کریم پر اسقدر عبور تھا۔ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے تیس سال تک دوران گفتگو میں قرآنی آیات کے سوا اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا +

نساء اسلام مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بڑے بڑے مناصب پر فائز رہی ہیں اور خوش سلوبی کار سے انہوں نے صنف نازک کو چار چاند لگا دئیے ہیں مسلمان خاتونیں نہایت مشہور طبیب اور فقیہہ رہی ہیں +

مشہور دوران خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ اور شاہنشاہ ہندوستان جہانگیر کی ملکہ نورجہاں نے اپنے اپنے زمانے کی تاریخ میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔ مسلمان شہزادیوں نے ملکوں اور وسیع سلطنتوں پر کامیابی سے حکمرانی کی ہے +

خلیفہ مامون بن ہارون الرشید کی بیوی بوران علمی تبحر میں مشہور تھی۔ اور ایسا ہی مامون کی ہمشیرہ ام الفضل اور اسکی بیٹی ام الحبیب کا حال تھا۔ مشہور فقیہ ربیع المرے اپنے علمی تبحر کیلئے اپنی والدہ حمیدہ کا احسان مند تھا +

پانچویں صدی ہجری میں فخر النساء شیخہ شہدہ بغداد کی مسجد جامع میں سرعام لکچر دیا کرتی تھی +

بغداد کے مشہور مورخ احمد بن ابی طاہر نے تیسری صدی ہجری میں بلاغت النساء کے نام سے ایک کتاب خاتونان اسلام مثلاً حضرت فاطمۃ الزہرا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت حفصہؓ کے خطبات و مواعظ پر لکھی تھی +

حضرت فاطمۃ الزہرا نے اپنے باپ رسول اللہ صلعم کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے وہ خون کو رلا دینے والا ہے۔

دیگر مشہور مسلمان شاعرات اور ادیبوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

اروی بنت الحارث۔ زینب العقیل۔ زینب ام کلثوم۔ عبد المطلب کی بیٹیاں ام حاکم و حمیمہ صفیۃ الدین۔ بی بی بیدل۔ نور جہاں۔ زیب النساء۔ رضیہ بیگم۔ شاہجہان بیگم اور گلبدن بیگم۔ رابعہ شامیہ حکیمہ دمشقیہ۔ تحفۃ عربیہ۔ رابعہ بصری کی طرح جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مشہور اولیاء تھیں +

دین عیسوی کا جب زور تھا تو ایک فاضل عورت کا وجود بھی گوارا نہ کر سکا۔ ڈریپر لکھتا ہے :-

ہائی پیشیا اور سائرل! ایک کو علم و حکمت میں تبحر دوسرے کو جہل و تعصب میں توغل!! بھلا اجتماع ضدین کیونکر ممکن تھا؟ سائرل کو اس کا احساس ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ کیا ہونا چاہئے۔ ایکدن ہائی پیشیا مدرسہ کو جا رہی تھی۔ کہ سائرل کی امت کے ایک گروہ کثیر الاختصار یعنی بہت سے پادریوں نے اسے آگھیرا۔ بیچ بازار میں اس کے کپڑے نوچ کھسوٹ ڈالے۔ اسے بالکل برہنہ کر دیا۔ اور پھر گھسیٹتے گھسیٹتے ایک گرجا میں لیگئے جہاں عصائے لیا اس سے اس کا کام تمام کیا گیا۔ اسکی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے

گوشت و پوست کو سیپوں سے چھیلا گیا۔ اور ہڈیوں کو آگ میں جھونک دیا گیا۔ اس خوفناک جُرم کے متعلق سائرل سے جواب تک نہ لیا گیا۔ گویا یہ تسلیم کر لیا گیا کہ چونکہ مقصد محمود تھا اسلئے اسکی تکمیل کا جو ذریعہ اختیار کیا گیا۔ وہ بھی محمود ہو گیا +

اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا چراغ اِس طرح گُل ہوا۔ اور جس علم کی اشاعت کیلئے فرمانروایان سلسلۂ بطلیموسیہ نے اِس قدر کوششیں کی تھیں اس کا قبل از وقت خاتمہ ہو گیا۔ سرپین کا کتب خانہ جو اسکندریہ کے کتب خانہ کی شاخ تھا برباد ہو ہی چکا تھا۔ دُنیاوی علوم کے اکتساب کی اُمنگیں جو دلوں میں باقی تھیں ہائی پیشیا کی عبرتناک انجام نے ان کو ٹھنڈا کر دیا۔ انسانی تخیل کی آزادی ہمیشہ کیلئے چھن گئی۔ الغرض ۴۱۵ء وہ تاریخ ہے جبکہ انسان کو متنبہ کر دیا گیا۔ کہ ہر شخص صرف انہیں خیالات کو ذہن میں جگہ دے سکتا ہے جس کی اجازت حکام کلیسیا دیں۔ ایتھنز میں بھی فلسفہ دم توڑ رہا تھا۔ جسٹینین نے بالآخر اسکی تعلیم کی ممانعت کر دی۔ اور اسی شہر کے تمام مدارس بند کر دیئے" +

کسی نہایت تنگدل مسلمان نے بھی کسی عورت کے ساتھ کبھی وہ سلوک روا نہیں رکھا۔ جو اُن لوگوں نے ہائی پیشیا کے ساتھ کیا۔ اسلامی تاریخ اس قسم کی بہیمیت سے پاک ہے مسلمان فلسفہ پر لیکچر دینے کی پاداش میں عورتوں کے ساتھ کس طرح بد سلوکی کر سکتے تھے۔ جبکہ قرآن کہتا ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اور جس کو حکمت (فلسفہ یا حکمیات) دیگئی ہے تحقیق اُسکو بہت اچھی چیز دیگئی ہے (سورہ بقر ۲۶۹) اسماء الٰہی میں سے ایک الحکیم بھی ہے۔ اور رسُول اللہ صلعم کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں کو کتاب اور حکمت سکھائے۔ (یعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔ سُورۃ الجمعہ) پوری آیت کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ مالک القدوس العزیز الحکیم کی تسبیح کرتا ہے۔ وہی ہے۔ جس نے ایک اُمّی قوم کیلئے انہی میں سے ایک رسُول پیدا کیا۔ جو انکو اللہ تعالےٰ کا پیغام سناتا ہے۔ اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے

حالانکہ اس سے پیشتر وہ بالکل اندھیرے میں تھے۔ خود قرآن شریف کو الکتاب الحکیم کہا گیا ہے یعنے دانائی۔ حکمت اور فلسفہ کی کتاب +

اسلام میں تو عورتوں کو اتنی تکلیف بھی نہیں اُٹھانی پڑی جتنی گذشتہ سالوں میں اس آزادی پسند انگلستان میں حقوق طلب عورتوں کو اُٹھانی پڑی۔ اسلام میں عورتوں کو اپنے حقوق کیلئے کبھی لڑنا نہیں پڑا۔ جو جو مراعات اُن کا حق تھیں وہ ان کو ہمیشہ ملتی رہی ہیں۔ اگر اُن کو وہ حقوق حاصل نہ ہوتے تو بلاشبہ وہ بھی ان کیلئے جدوجہد کرتیں مسلمان عورتیں بہادری اور جُرات میں کسی سے پیچھے نہیں رہی ہیں مسلمانوں میں جون آف آرک بہت ہوئی ہیں +

صفیہ۔ ام صلیت۔ ام سلیم۔ ام عمرہ۔ خنہ۔ خولہ بنت عذور۔ عفیرہ۔ ام ابان سلمہ۔ ام کلیم اسمہ۔ بنت ابو بکر۔ خولہ بنت صلیہ۔ کعوب بنت مالک سلمہ بنت ہاشم۔ نام بنت قنس۔ امیر معاویہ کی ہمشیرہ اور والدہ۔ زفیرہ بنت عفرہ اور لاتعداد اور خاتونوں نے فرانس کی مشہور جان بازجون آف آرک سے جس نے یورپین ممالک میں اس قدر شہرت حاصل کرلی ہے بہت زیادہ بہادری۔ دریادلی اور حُبّ الوطنی کے کام کئے ہیں یرموک اور قادسیہ کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں جو علے الترتیب رومیوں اور ایرانیوں سے ہوئی تھیں مسلمان عورتوں نے نمایاں حصّہ لیا تھا۔ اور اپنے مردوں کو فتح حاصل کرنے میں بہت مدد دی تھی۔ کچھ عرصہ ہؤا کہ انگریزی اخبارات میں حیرت و استعجاب کے ساتھ اس امر کا تذکرہ شائع ہؤا کہ ٹرکی میں مسلمان خاتونیں عورات کی آرمی کور میں شامل ہوگئی ہیں مسلمانوں کو اور ان لوگوں کو جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔ اسمیں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ جو یورپین لوگ ایشیائی زبانوں کا مطالعہ کرسکتے ہیں ہم ان کو ذیل کی تاریخی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ تاکہ ان کو معلوم ہو کہ گذشتہ زمانہ میں مسلمان عورتیں کس قسم کی تھیں۔ طبری جلد ۵-۶۔ اسد الغابہ جلد ۵۔ فتوحات اسلامیہ بلاذری دکسیدی +

ابتدائی ایام میں عورتوں کو صنف نازک ہونے کے خیال سے میدان جنگ میں جانے

کرنے کے لئے ترغیب بھی دی جاتی تھی۔ لیکن جو چلی جاتی تھیں مندرجہ ذیل فرائض ان کے سپرد ہوتے تھے (۱) زخمیوں کو میدان جنگ سے اُٹھا کر لیجاتی تھیں (۲) اُن کی تیمارداری کرتی تھیں جو مر جاتے تھے اُن کی تکفین و تدفین کرتی تھیں (۴) جنگی باورچیخانوں کی نگرانی کرتی تھیں (۵) جوش انگیز نظمیں پڑھ کر جو اکثر ان کی اپنی لکھی ہُوئی ہوتی تھیں سپاہیوں کے دل بڑھاتی تھیں۔ جنگ اُحد میں جب رسُول اللہ صلعم زخمی ہُوئے تو آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے آپ کی تیمارداری کی۔ اور آپ کی حرم محترم میدان جنگ میں زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ خیبر میں بھی عورتیں رحمت کے فرشتے ثابت ہوئیں +

گبن اور اوکلے کی تاریخ اسلام کے مندرجہ ذیل اقتباس سے انگریزی دان پبلک پر واضح ہو جائیگا کہ مسلمانوں نے جس قدر بہادر اور محب وطن عورتیں پیدا کی ہیں۔ یُورپ کی کسی قوم میں نہیں ہُوئیں۔ عربوں اور رومیوں کی ابتدائی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہُوئے مذکورُ الصدر مورّخ لکھتے ہیں:-

"اِتفاق سے ان اسیران جنگ میں جو پطرس نے گرفتار کئے تھے۔ حضرت ضرارؓ کی ہمشیرہ خولہ بھی تھی۔ جو مردانہ شجاعت رکھتی تھی۔ اور بہت حسین تھی۔ اپنی بہن کی گرفتاری پر ضرار کو بیحد قلق ہُوا اور حضرت خالدؓ سے شکایت کی حضرت خالدؓ نے دلاسا دیا اور کہا کہ ہم نے اُن کا جرنیل اور کچھ اور قیدی گرفتار کئے ہیں جن کا ہم اپنے آدمیوں سے تبادلہ کریں گے۔ اور بلاشبہ وہ ہم سب کو دمشق میں ملجائیں گی۔ پھر بھی انہوں نے ارادہ کیا کہ چلو چل کے دیکھیں تو سہی شاید دمشق پہنچنے سے پہلے وہ ہم کو ملجائیں خالد۔ رفیع میسرہ اور ضرار قیدیوں کی تلاش میں نکلے اور ابُو عبیدہ کو حکم دیا۔ کہ آہستہ آہستہ فوج کو لیتے آؤ۔ جو عورتیں گرفتار ہُوئی تھیں اُن میں بعض حمیاری قوم کی عورتیں بھی شامل تھیں جو عربوں کے خیال کے مطابق قدیم اما لکی قوم کی نسل سے ہے یہ عورتیں گھوڑے کی سواری کی عادی ہوتی ہیں۔ اور ایسی ہی بہادری سے لڑتی ہیں جیسے کہ قدیم زمانے میں امیزن عورتیں لڑا کرتی تھیں۔ پطرس جب قیدیوں اور مال غنیمت کو محفوظ مقام پر پہنچا چکا تو اُن کو جلدی سے دمشق نہیں پہنچایا۔ بلکہ راستے میں

ٹھیرا رہا۔ کہ اگر ہو سکے تو اپنے بھائی پال کی فتح کی خبر سنکر ہی گھر جائے۔ جب وہ آرام کر رہے تھے انہوں نے عورتوں کی دیکھ بھال کی۔ اور اُن کے مال وغیرہ کی بھی جانچ پڑتال کر لی۔ اور پطرس نے ضرار کی بہن خولہ کو اپنے واسطے انتخاب کیا۔ اور اپنے آدمیوں کو کہدیا کہ وہ اس کے واسطے مخصوص رہیگی۔ دوسرا کوئی آدمی اسکی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ اور وہ بھی کسی اور کی خواہش نہیں کریگا۔ باقیوں نے بھی اپنے لئے ایک ایک تجویز کر لی۔ یونانی تازہ دم ہونے کے لئے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

اس اثنا میں عورتیں اکٹھی ہوئیں۔ اور خولہ نے ان کو یوں خطاب کیا:۔

کیا تم اسبات کو گوارا کرو گی۔ کہ یہ وحشی تم کو ذلیل کریں۔ اور تم ان بت پرستوں کی لونڈی غلام بن جاؤ۔ تمہارے حوصلوں کو کیا ہوا۔ اپنے متعلق تو میں یہ کہتی ہوں کہ پیشتر اس کے کہ ان میں سے کا کوئی بُت پرست چنڈال مجھے ہاتھ لگائے میں اپنی جان دے چکی ہونگی۔ عفیرہ بھی انہی میں تھی۔ کہنے لگی کہ ہم بُزدلی سے نہیں بلکہ ضرورت کی وجہ صبر کئے بیٹھی ہیں۔ کیونکہ ہم بے بس ہیں۔ ہمارے پاس نہ تو تلوار ہے نہ نیزہ نہ کمان اور نہ کچھ اور۔ خولہ نے کہا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم خیموں کی چوبیں نکال لیں اور اپنی حفاظت کریں۔ کس کو معلوم ہے کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے ہم کو فتح دے یا ہمارے بچاؤ کا کوئی اَور ذریعہ نکال دے۔ اور اگر نہیں۔ تو ہم اپنی جان پر کھیل جائینگی۔ اور امن میں چلی جائیں گی۔ اور اپنے مُلک کی عزت بچا لینگی۔ عفیرہ بولی بخدا تم سچ کہتی ہو۔ وہ فوراً آمادہ ہو گئی۔ ایک ایک چوب سنبھال لی۔ اور خولہ اُن کی سپہ سالاری کرنے لگی۔ اور حکم دیا کہ دیکھو۔ ایک دائرہ بنالو اور خبردار بیچ میں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑنا کہ کہیں کوئی اس دائرہ میں گھس آئے۔ اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ ان کے نیزوں کو اپنی چوبوں سے مار کر گرادو۔ انکی تلواروں اور انکی کھوپڑیوں کو توڑ دو۔ یہ کہ کر وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ اور ایک آدمی پر جو زد میں تھا ایسا وار کیا۔ کہ کھوپری کے ٹکڑے اُڑا دیئے بس پھر کیا تھا۔ ایک شور برپا ہو گیا۔ اور یونانی اپنے خیموں سے نکلے تو انہوں نے عورتوں کو دیکھا کہ مسلح کھڑی ہیں۔ پطرس نے خولہ کو جسے اُسنے اپنی معشوقہ بنانے کیلئے انتخاب کیا تھا

وارُوی۔ میری حلق پر کہاں تک جاسکتا ہے۔ خولہ نے جواب دیا۔ او مسیحی کتے۔ تجھ پر اور تیرے
ملعون بہادر تجھ جیسوں پر لعنت کی پھٹکار۔ ہمارا یہ ہے کہ ہم اپنی عزت اور ناموس کو بچانا
جانتی ہیں۔ اور ان جیسوں سے تمہارے سروں کو کچلنا چاہتی ہیں۔ آ تو اب اپنی معشوقہ کے
پاس کیوں نہیں آتے جیسے تم نے اپنے لئے تجویز کیا ہے شاید تمہیں کچھ میرے ہاتھوں ملجائے
تو تمہاری تکلیف کا کافی معاوضہ ہو۔ پطرس اس پر ہنسا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ
انکے گرد گھیرا ڈال دو۔ انکو کسی قسم کی اذیت نہ دینا بلکہ صرف گرفتار کر لو۔ اور ان کو
خاص حکم دیا کہ میری معشوقہ کا خاص خیال رکھنا۔ انہوں نے اسکے احکام کی بجا آوری
کی کوشش کی لیکن بے سود۔ کیونکہ جب کوئی سوار ان عورتوں کے نزدیک جاتا تھا۔ تو
وہ گھوڑے کی ٹانگوں میں لکڑیاں اڑا دیتی تھیں۔ اور اگر گھوڑا گر پڑا۔ سوار کا
دوبارہ زندہ اُٹھنا قطعی محال ہوتا تھا۔ جب پطرس نے دیکھا کہ معاملہ تو واقعی خطرناک
ہوتا جاتا ہے تو بہت غصہ میں آیا۔ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اپنے آدمیوں کو
حکم دیا کہ وہ بھی گھوڑوں سے اُتر پڑیں اور تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ عورتیں
بہت نزدیک نزدیک ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں۔ بہادرو۔ ذلت کی زندگی سے عزت
کی موت مرنا بہتر ہے۔ پطرس کو اپنی معشوقہ کی بڑی فکر لگ رہی تھی۔ اور جب اسکے
حسن۔ تناسب اعضا اور قد و قامت پر نظر پڑیں۔ تو جی چھوٹ گیا۔ نزدیک آیا۔
ملائمت سے باتیں کرنے لگا۔ اور چاہتا تھا کہ اسکو اسکے ارادہ سے باز رکھے کہ میں صاحب حیثیت
معزز اور باوقار ہوں کئی ایک محلات وغیرہ رکھتا ہوں جو سب تمہارے ہو جائینگے۔ تم اپنے آپ پر رحم
کرو۔ اور موت کی متلاشی نہ ہو۔ خولہ نے جواب میں کہا۔ او کافر خبیث۔ ذلیل تو میرے
نزدیک کیوں نہیں آتا۔ کہ میں تیرا بھیجا نکال لوں۔ اس جواب سے وہ بہت غیظ میں آگیا
تلوار سونت لی۔ اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ٹوٹ پڑو اور کہا کہ اگر ہم ان عورتوں
کے ہاتھوں پٹ گئے۔ تو شام اور عرب کے گرد و نواح میں مارے شرم کے منہ دکھانے
کے قابل نہ رہینگے۔ عورتیں خدائے رب العزت کے سامنے دست بدعا تھیں انہوں نے
یونانیوں کے حملہ کا بڑی بہادری سے سامنا کیا۔ خوش قسمتی سے اتفاق ایسا ہوا۔ کہ

عین اُس وقت جبکہ وہ گرم پیکار تھیں۔ خالد اور اُسکے ساتھی پہنچ گئے۔ گرد اُڑتی اور تلواریں چمکتی جب اُنہوں نے دیکھیں تو حیران ہوئے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ خالدؓ نے رافع کو دریافتِ حالات کے واسطے بھیجا۔ وہ بسُرعت تمام آگے بڑھا۔ اور فوراً واپس آکر اُس نے صورتِ حالات بیان کی۔ خالد کہنے لگے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں اِس قبیلے کی عورتیں اسکی عادی ہیں۔ جونہی ضرار کے کانوں میں یہ خبر پڑی۔ اُس نے جلدی سے گھوڑا بڑھایا۔ کہ عورتوں کی مدد کو جائے۔ خالدؓ نے کہا۔ آہستہ۔ ضرار۔ آہستہ۔ جو شخص اطمینان سے اپنے کام پر جاتا ہے۔ وہ جلد باز شخص کی نسبت اپنا مقصد جلد پا لیتا ہے۔ ضرار نے جواب دیا۔ مجھے صبر نہیں۔ مجھے جانا ہے اور اپنی بہن کو بچانا ہے۔ تب خالدؓ نے صفوں کو آراستہ کیا۔ اور نزدیک پہنچکر حکم دیا کہ چاروں طرف سے دشمن کے گرد گھیرا ڈال دو۔ خولہ نے جب مُسلمانوں کو آتے دیکھا چلّا اُٹھی۔ دیکھو پیاری بہنو۔ اللہ نے اپنی نصرت بھیج دی۔ جب یُونانیوں کو مسلمانوں کو نزدیک پہنچتے دیکھا۔ ڈر گئے اور سہمی ہُوئی نگاہوں سے ایکدوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ تب پطرس کو سُوجھی کہ اپنے بچاؤ کا کوئی حیلہ کیا جائے۔ عورتوں کو للکارا۔ دیکھو۔ مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے۔ کیونکہ ہم مائیں بہنیں اور بیویاں رکھتے ہیں لیس میں مسیح کی خاطر میں تم کو جانے کی آزادی دیتا ہوں۔ جب تمہارے آدمی آئیں ان کو بتانا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیسی نرمی برتی ہے۔ یہ کہکر اس نے مُسلمانوں کی طرف رُخ کیا۔ اور دیکھا کہ سب کے آگے دو سوار بسُرعت تمام آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک یعنی خالد تو پُوری طرح مسلح تھا دوسرا ضرار برہنہ تن ہاتھ میں نیزہ تانے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا۔ جونہی خولہ کی نظر اپنے بھائی پر پڑی۔ چلّائی اے بھائی۔ ادھر آ۔ کہ تیری مدد تیر ہی اللہ کافی ہے۔ تب پطرس نے خولہ کو کہا۔ اپنے بھائی کے پاس جاؤ۔ میں تمہیں اس کے سپُرد کرتا ہوں۔ خود اس نے بھاگنے کے لئے باگ موڑی کہ جسقدر جلد ہوسکے بھاگ نکلے۔ یہ تمہاری بیوفائی ہم عربوں کے شایاں نہیں ہے۔ کبھی تو تم بڑے ہی چاہنے والے بن جاتے ہو۔ اور بڑا عشق جتاتے ہو۔ اور کبھی تم حد درجہ کی سرد مہری اُور

بے اعتنائی ظاہر کرتے ہو۔ پطرس نے جواب دیا۔ دفع ہو۔ اب مجھے تم سے اتنی محبت نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔ خولہ نے جواب دیا تجھ میں تو تمہاری عاشق ہوں۔ اور جیسے ہی ان پڑے تم کو قابو کر لیا۔ پس وہ ایک طرف بھاگی۔ خالد اور ضرار بھی پاس ہی تھے۔ پطرس نے ضرار کو دیکھتے ہی کہا۔ وہ ہے تمہاری بہن اسے لیجاؤ۔ تمہارے بڑے کام آئیگی۔ میں تحفہ کے طور پر تمہیں پیش کرتا ہوں۔ ضرار نے جواب دیا۔ جناب میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے بڑی نوازش کی۔ مگر میں اس بہانے کی نوک کے سوا اس کا معاوضہ اور کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے قبول فرمائیے۔ ساتھ ہی خولہ نے اسے گھوڑے کی ٹانگوں پر ایک ضرب جمائی۔ اور اسکو نیچے گرا لیا۔ ..... پھر خالدؓ نے صف بندی کی۔ معاذ ابن جبل اور نعمان ابن مکرن کو میمنہ پر مقرر کیا سعید ابن عمر سرجاہل ابن حسنہ کو میسرہ پر۔ یزید ابن ابی سفیان چار ہزاروں کے ساتھ مال و اسباب عورتوں اور بچوں کی حفاظت پر متعین ہوا۔ خولہ عفیرہ اور دیگر بلند مرتبہ خاتونیں جو قبائل عرب میں شستہ خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور بہت سی کم رتبہ مستورات نبرد آزمائی کیلئے تیار ہو گئیں۔ حضرت خالدؓ نے تب انکو خطاب کیا۔ اور کہا۔ شریف لڑکیو یقین رکھو کہ جو کچھ تم کر رہی ہو اللہ تعالےٰ نے۔ اسکے رسول اور اُمت مسلمہ کو بہت پسند ہے۔ تم اس طرح سے شہرت دوام حاصل کر لوگی۔ اور بہشت کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔ اور یہ بھی یقین جانو کہ مجھے تم پر بہت اعتماد ہے۔ اگر یونانیوں کا کوئی دستہ تم پر آگرے۔ تو سینہ سپر ہو جاؤ۔ اور داد مردانگی دو۔ اور اگر کسی مسلمانوں کو جنگ سے پیٹھ پھیرتے دیکھو۔ تو اُسکو ٹھیراؤ۔ اور کہو کہ کیا تم اپنے اہل و عیال سے بھاگ کر چلے ہو۔ اس طریق سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ خوب جان توڑ کر لڑینگے۔ عفیرہ نے کہا کہ ہم سب لڑنے اور جان فدا کرنے کو تیار ہیں +

(باقی دارد)

روحانی بارش

(از جناب خالد سیف اللہ صاحب ۔۔۔)

انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسمیں بڑی بڑی طاقتیں اور استعدادیں ہیں۔ اور دنیا کے ہر ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ کے گوناگوں عطیات سے مستفیض ہوتا ہے۔ سورج ۔ چاند ۔ ستارے ۔ درخت ۔ سمندر اور ہوا تمام کے تمام نسل انسانی کے قیام آرام و آسائش و خوشی کیلئے ہی ہیں۔ آؤ ذرا لمحہ بھر کیلئے ہم اس وسیع مخلوق پر غور کریں ۔ ہر ایک چیز عناصر میں موجود تھی۔ اور انسان کے استعمال کرنے کیلئے اپنی مکمل حالت میں تھی۔ لیکن اُسے ایک ایسے محرک کی ضرورت تھی ۔ جو انکو حالت سکون سے حرکت میں لائے ۔ تمام عناصر مثلاً لوہا ۔ درخت ۔ اور انواع اقسام کے معدنیات وسیع سمندر اور بڑے بڑے جنگل جو بعد ازاں انسان کیلئے ایندھن کا کام دیتے ہیں تمام کے تمام ہی پیشتر سے موجود تھے۔ لیکن نہ تو یہ اس وقت تک ایک دوسرے سے متحد تھے ۔ اور نہ ہی انکی کوئی شکل و شباہت تھی ۔ ہمارا خیال زمین کے متعلق بہت وسیع ہے ۔ پس ہم کو اُس لامحدود ہستی کی طاقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ جو ان ذرات کو ملاتی ہے جو اس نے پیدا کئے ۔ اور جو عناصر کو متحد کرتی ہے ۔ گیسیں مایع یا ٹھوس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ اور پھر کشت زار ۔ اشجار ۔ سمندر ۔ دریاؤں ۔ سنگلاخ چٹانوں یا چھوٹے چھوٹے گونگوں سخت سرخ خارا یا نرم سبز نرم گھاس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جن کو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں ۔ پس یہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہی ہے ۔ جو انسان کیلئے یہ تمام نعماء پیدا کرتی ہے ۔ اور ہر ایک چیز استعمال کیلئے تیار رکھتی ہے۔ آؤ ذرا کھیتوں کی طرف ہم متوجہ ہوں ۔ کھیتی باڑی میں کچھ حد تک ہم انسانی ہاتھ کا دخل دیکھتے ہیں ۔ جو کہ کھیت میں قلبہ رانی کرتا ہے ۔ اور بیج بوتا ہے ۔ سورج اور چاند تمام انسانی کاریگری میں ممد ہوتے ہیں ۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ابھی ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور وہ ضرورت محض اللہ تعالےٰ کا ایک خاص عطیہ ہے ۔ جو بارش کی شکل میں

اُوپر ہمیں نازل ہوتا ہے۔ انسان حتّے المقدور فضل کے تیار کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اس وقت تک کشت زار ثمر دار نہیں ہو سکتی جب تک کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کو سیراب کرنے کیلئے اوپر سے بارش نازل نہیں فرماتا۔ جو کہ بیج کو بھگو دے۔ اور ہر ننھے سے ننھے بیج میں قوت نمو پیدا کر دے۔ تاکہ وہ زندہ رہے۔ اور نشو و نما پائے۔ اور اس کی شاخیں بڑھیں پھولیں اور پھلیں اور انسان کیلئے آسائش و آرام اور خیر و برکت کا موجب ہو۔ یہ تمام کچھ اس ذات باری کے محض فضل و کرم سے ہی ہوتا ہے جو کہ ابر رحمت نازل فرما کر زمین کو سیراب کر دیتا ہے اس پر بھی ذرا غور و فکر فرمائیں۔ کہ تمام اشیاء حالت سکون و خوابیدگی میں پڑی ہوتی ہیں۔ کوئی بھی چیز رب العالمین کے اذن بغیر بڑھ نہیں سکتی۔ اور نہ ہی کوئی چیز اُس پرورش کنندہ کے بدوں پرورش پا سکتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی شے اس حی و قیوم ہستی کے بغیر قائم و دائم رہ سکتی ہے اگر ابر نیساں اشیاء میں قوت نمو پیدا کرنے کے لئے نازل نہ ہو تو یہ تمام کا تمام کھیل بالکل بے سود ہو جائے۔ کشت زار بنجر ہو جائیں زمین پھٹ جائے اور اس میں شگاف پڑ جائیں۔ درخت پژمردہ و مرجھا جائیں۔ دریا خشک ہو جائیں۔ اور بیج سڑ گل جائے۔ انسان ایک بڑی ہستی ہے لیکن یہ بات خیال رکھنی چاہئیے کہ اسکی تمام کاریگری اس وقت تک بالکل بے سود و ناکارہ ہے جب تک تمام جہان کے پرورش کنندہ کا دست قدرت اسکے کام کی تکمیل نہ فرمائے تو اب خود انسان کی طرف ذرا متوجہ ہوں۔ اکثر انسان جو بڑے بڑے مکانوں شہروں اور پُر ہجوم گذرگاہوں میں رہتے ہیں خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ ہر قسم کی بیرونی امداد سے آزاد ہیں۔ لیکن کیا یہ اُس کا خیال درست ہے۔ اور حقیقت پر مبنی ہے۔ انسان جیسا کہ ہم نے اُوپر بیان کیا۔ بلا شبہ ایک ایسی مخلوق ہے جو بڑی بڑی استعدادوں و قابلیتوں کا مالک ہے لیکن کیا خود انسان کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہ تحریص و تحریک دلانے والی ہو۔ انسان تیز سوچنے والا اور کام کرنے والا ہے۔ وہ ایک عقلمند ہستی ہے لیکن اسکی عقل و دانش اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ کوئی اور ہستی اسکی عقل و خرد کو جلا نہ بخشے اس کے لئے ربّانی بارش کی ضرورت ہے۔ جس طرح کہ کشت زار اور لالہ زار کو سرسبزی کیلئے ابر نیساں کی ضرورت ہے۔ اس طرح انسانی عقل و فہم کے روشن ہونے کیلئے ایک ربانی بارش

کی ضرورت ہے۔ یہ قوائے عقلیہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت تک بالکل بے سود و ناکارہ ہیں۔ جب تک کہ ان کے استعمال کیلئے روحانی ہدایت و روشنی ہمارے پاس نہ ہو۔

تمام دنیا آزادی و امن کے لئے کوشش کرتی ہے۔ تاکہ دکھ درد و رنج و آزار سے مخلصی ہو۔ اور دنیا میں ہم آہنگی و امن و راحت ہو جائے۔ اس عالم میں اس قسم کے امن آسائش کی حالت حاصل کرنے کے لئے کیا کوئی کتاب یا صحیفہ ربانی ہمارے سامنے ہیں اور صاف ہدایات پیش کرتا ہے۔ جس پر کہ ہم عمل پیرا ہو کر امن و آسائش کی زندگی بسر کر لیں۔ اور کیا کسی شخص کو ایسی تبدیلی کا حقیقی علم ہے۔ جو کہ کسی بڑے معلم نے کی ہو ہاں قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو نسل انسانی کو ایسے عظیم الشان مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے صحیح صحیح اور حقیقی ہدایات و احکام بتاتا ہے۔ اور ہمارے مطہر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیغام لائے جس سے کہ نصف دنیا آپ کی زندگی میں ہی سیراب ہو گئی۔ امن و راحت حاصل کرنے کیلئے ہمیں اپنی ہی محنت و مشقت درکار ہے۔ اسکے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے عطیات کو پورے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی ہمیں اس روحانی اور باطنی چشمۂ صافی میں غوطہ زن ہونا چاہئے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں جگانے۔ چوکنا کرتے پرورش کرنے اور ہماری کوششوں کو بار آور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ہم کو صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہ رہنا چاہئے۔ اور یہ یقین ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ کہ کوئی ایک شخص جو ہماری خاطر مرا۔ اس نے ہمارے گناہوں کی گٹھڑی کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ اس لئے اس قسم کا ایمان ہمیں رکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ آؤ ہم ذرا ایسے بنیادی اصول کی بربادی اور تباہی پر غور و فکر کریں۔ یہی مثال اب ذرا کھیت پر چسپاں کر لو۔ اگر کوئی انسان محض یہ یقین رکھے۔ کہ گذشتہ زمانہ میں کسی کسان نے بیج بویا تھا۔ اور زمین میں کھاد ڈالی تھی۔ اور کاہل و نکما بیٹھے رہنے پر ایک پکا پکایا لہلہاتا ہوا کھیت خود بخود تیار ہو جاویگا تو اسباب کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ کھیت سرکنڈوں سے معمور ہو جائیگا۔ اور سطح زمین

سُورج کی تمازت سے سنگلاخ اور سخت ہو جاویگی جس پر نہ کوئی گندم اُگیگی۔ اور نہ ہی کوئی سبزی یا ترکاری۔ تمام زمین خار مغیلاں سے پُر ہو جائیگی۔ جس سے کہ انسان فاقہ کشی سے تباہ ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔ ایسا ہی حال اُس عقیدہ کا ہے۔ جو اپنی ذمہ واری کو دوسرے کے سر تھوپتا ہے۔ جبکہ انسان کی رُوحانیت میں کسل و جُبن واقع ہو جاتی ہے۔ تو اس سے ابتری۔ بے ترتیبی۔ قتل و غارتگری۔ رہزنی۔ جنگ و جدال و فساد بپا ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ وہ موت ہوتی ہے۔ جو کہ رُوحانی ہے کیونکہ تحریک و تحریص کرنے والے کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ہمارے قلب کو ایک ربّانی و رُوحانی بارش کی ضرورت ہے۔ جو ہماری رُوح کو جگا دے۔ ہمارے قلب کو شگفتہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی ذمہ داری کیلئے چوکنا کر دے۔ اور ہم میں نمو و تازگی کی رُوح پھونک دے جس سے ہمارے کام ثمردار ہو جائیں۔ یُوں تو ہم ربّانی افضال سے روزمرّہ ہی متمتع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن تاوقتیکہ ہم خود کام نہ کریں۔ اپنے قوائد کو استعمال نہ کریں۔ اور فصل کیلئے محنت و مشقت برداشت نہ کریں ہمیں پھل و اجر نہیں مل سکتا۔ ایک کل حرکت دینے والی طاقت کے بغیر خراب اور زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ اسیطرح رُوح بغیر ربّانی بارش کے پژمُردہ ہو جاتی ہے۔ اسلام اللہ تعالےٰ کا ربانی چشمہ صافی ہے۔ اور قرآن کریم ہمارے لئے ایک رُوحانی محرک ہے۔ جو کہ ہم میں چُستی و چالاکی پیدا کرتا ہے۔ اور ہمارے افعال رُوحانی اور ربّانی بارش سے متمتع ہو کر اس زمین کو ایک سرسبز کھیت کی شکل میں منتقل کر دیں گے۔ جسمیں سے کہ غم و اندوہ و تفکرات سے مبرا ہو کر آرام و آسائش امن و سلامتی و آزادی کا فصل پیدا ہوگا +

خالد شیلڈرک

اسلام اور جاپان

از قلم جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء بارہ بنکی (اودھ) حال مسجد ووکنگ۔

میرے وطن سے ہوتا ہوا مجھے مسجد ووکنگ میں "اسلامی اخوت" کا ایک میگزین ملا ہے۔ اس میگزین کے ایڈیٹر اور مینیجر جناب مسٹر حسن۔یو۔ہتانو ہیں جن کو جاپان میں سب سے اوّل مشرف باسلام ہونے کا فخر حاصل ہؤا ہے۔ اور جنہوں نے یہ اسلامی رسالہ جاری فرمایا ہے۔ یہ ماہواری باتصویر رسالہ نہایت اعلےٰ کاغذ پر چھپا ہؤا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب کا پتہ حسن۔یو۔ہتانو ٹوکیو جاپان ہے +

اس رسالہ کے موصول ہونے پر جو انبساط و راحت میرے دل کو ہوئی۔ اس کا احاطہ تحریر میں لانا میری طاقت سے باہر ہے۔ اور "الوحدۃ الاسلامیہ" کا دل نوش کن عنوان جو ہمارے قرآن کریم کے ہی لب و لہجہ میں ہے۔ اور عربی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے میرے اندرونِ قلب کی راحت کا موجب ہوا ہے۔ میں یا کوئی اور مسلم ایسے شریف النفس دُور اندیش اور بہادر متنفس کیلئے اپنی محبت و انس کا اظہار کس طرح کر سکتے ہیں۔ جس نے اپنی عقل و دانش و پارسائی سے حق و صداقت کی تلاش کر کے پھر اُسکو دنیا کے سامنے مشتہر کرنے کیلئے دلیرانہ قدم اُٹھایا۔ اور طلوع شمس کے مقام (جاپان) کی سرزمین میں لوگوں کو اسلام سے معرفت کرانے کیلئے ایک ماہواری رسالہ شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ جناب مسٹر حسن۔یو۔ہتانو پر جنکو ملک جاپان میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اپنی برکات و افضال نازل فرمائے میری دلی تمنا ہے کہ کوئی مسلم بھائی مکرم محترم حضرت مولوی صدرالدین صاحب کی سی قابلیت کا جو کہ انگلستان میں مشہور و معروف مبلغ اسلام ہیں جاپان جا کر ہمارے نومسلم بھائی کا اس منتہم بالشان اسلامی خدمت میں ہاتھ بٹائے۔ جاپان طلوع الشمس کا مقام ہے جس کا مستقبل بھی نہایت شاندار ہے۔ اور وہاں کی قوم "ساموارائی" ہے جو کہ اسلام جیسے عملی

اور ہمارے مذہب کو قبول کرنے کے لئے نہایت ہی موزوں ہے +

"اسلامی اخوت کی جلد اوّل نمبر اول ہی میں فاضل اڈیٹر نے میرے مضمون عورت اور عورت کی حیثیت زیر اسلام پر ریویو فرمایا ہے۔ اور مضمون مذکورہ نہ صرف جزائر ہی میں بلکہ تمام براعظم یورپ اور افریقہ میں بھی مقبولیت عامہ حاصل کر چکا ہے۔ اس کے فرانسیسی اور دیگر زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں +

جناب مسٹر حسن۔ یوہیتانو کے وثوق پر یہ بات سُنکر مجھے مسرت ہوئی ہے۔ کہ مُلک جاپان مذہب کے لئے ایک آزاد مُلک ہے لیکن اس سے پیشتر اس ملک کے متعلق میرا خیال بالکل برعکس تھا۔ جس کی وجہ ایک جاپانی افسر کی ایک تحریر تھی جو میں نے ایک مبلغ کے ہاتھ میں دیکھی۔ جو تبلیغ اسلام کے لئے جاپان گیا۔ اور اسکو تبلیغ کرنے سے اسلئے روک دیا گیا۔ کہ مذہب اسلام میں تعدد ازدواج ایک ضروری مسئلہ ہے۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ حکمنامہ جو تبلیغ اسلام کی رکاوٹ کے واسطے صادر ہوا تھا۔ وہ کسی مقامی افسر کی کوتہ اندیشی و کج فہمی کی وجہ سے تھا۔ میں جناب مسٹر حسن۔ یوہیتانو اور جاپانی قوم کی توجہ اپنی اس چھوٹی سی کتاب "پین اسلام ازم" کی طرف منعطف کرتا ہوں جو سنہ ۱۹۰۶ء میں لکھی۔ اور جسمیں میں نے لکھا :-

کہ مُلک جاپان صرف پین اسلامزم کا ہی ہدف نگاہ نہیں جاپان بہت طرح سے کشش کا موجب ہو رہا ہے۔ اور بہت سی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں۔ اور جو بات کہ پین اسلام ازم کو جاپان کی طرف حریصانہ نگاہ لگانے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ اور جاپان اگر اسلام قبول کرلے اور اسکو اپنا ملکی مذہب قرار دے لے تو اس سے جو جو فوائد جاپان کو حاصل ہونگے۔ وہ سب باتیں اخبار "مارننگ پوسٹ لنڈن" کی ۱۴ جون سنہ ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں شائع ہو چکی ہیں۔ جس کو یہاں درج کرنے کی میں جرات کرتا ہوں" +

جناب من! یہ خبر جو برلن سے مورخہ ۱۳ ماہ حال کے مارننگ پوسٹ میں شائع ہوئی ہے۔ کہ جاپان اس فکر میں ہے۔ کہ اسلام کو اپنا ملکی مذہب قبول کرلے۔ یہ فرحت افزا اور روح پرور مژدہ ہم ممبران پین اسلامک سوسائٹی کے لئے نہایت ہی مسرت آمیز ہے۔ گو اُسکے متعلق

ابھی ہمیں پورا وثوق نہیں ہے لیکن تاہم چونکہ اسلام ایک بہادر اور عملی مذہب ہے! اور اسلامی تہذیب تمدن ایشیائی اقوام کے موزون حال ہے! اسلئے ہم کو قوی امید ہے۔ اور کہ اگر جاپان اس بات کا متمنی ہے۔ کہ وہ دنیا کے کل معاملات میں آیندہ ممتاز و ممیز ہو۔ اور وہ ایشیا کو دوبارہ زندہ کرنیوالا ہونو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ عجلت سے یا تاخیر سے وہ مذہب اختیار کرلے۔ جس نے رُوم و ایران کی سلطنتوں کی کایاپلٹ دی۔ جس نے بادیہ پیما عربوں کو تقریباً تین قدیم براعظموں کا فاتح اور مہذب بنا دیا۔ اس وقت جاپان کے سامنے دو راہ کُھلی ہیں۔ اول یہ کہ جاپان یورپ کا مذہب و تہذیب اختیار کرکے اپنی ہستی کو یورپین طاقتوں سے مخلوط کردے۔ اور دوسری راہ یہ کہ ایشیائی گم شدہ تہذیب شان وشکوہ کو دوبارہ قائم کرکے ان میں ایک ممتاز طاقت بن جائے۔ اوّل الذکر تجویز پر عمل پیرا ہونے سے نہ تو اسکی ایشیاء میں قدر و منزلت ہوگی۔ اور نہ ہی یورپ ہی اُسکو وقعت کی نگاہ سے دیکھیگا۔ جو کہ تہذیب و تمدن میں اس سے کئی گنا زائد ترقی کر چکا ہے۔ اگر جاپان اس زعم میں ہے۔ کہ وہ کبھی دُنیا کی ایک زبردست طاقت مانی جاوے اور ایشیا کو سابقہ کی طرح دیگر براعظموں پر غالب کرے۔ تو جاپان اپنے مقصد کے حصول میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اسلام جیسے فرحت بخش مضبوط سیدھے سادے۔ رُوح پرور رُوح افزا دلپذیر و عملی مذہب کو اختیار نہ کرے۔ اور اس مذہب کو اختیار نہ کرے جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ جیسے سب سے بڑے مصلح مقنن سپہ سالار اور ایک سلطنت اور قوم کے بانی کا مذہب تھا۔ جو ایشیاء میں خالدؓ اور سعدؓ جیسے ایران کے فاتحین کا مذہب تھا۔ اور جو مذہب کہ افریقہ میں فرعون کی سرزمین کے فاتح حضرت عمرؓ کا مذہب ہے۔ اور جو مذہب کہ یورپ میں محمد ثانی قسطنطنیہ جیسے زبردست مقام کے فاتح کا مذہب تھا +

جیسا کہ مارننگ پوسٹ لندن میں بتلایا گیا ہے۔ کہ مدبران جاپان کی نگاہوں سے وہ سیاسی مفاد بھی مخفی نہیں ہیں جو اسے اسلام کو اپنا ملکی مذہب قبول کرلینے سے حاصل ہونگے + جاپان باوجود اپنی حیرت انگیز ترقی اور کامیابی کے ویسی کی ویسی ہی چھوٹی سی ریاست رہیگی۔ اور اس کا حلقہ اثر بھی اسی مقام تک محدود رہیگا جہاں وہ واقع ہے۔

اُس محدود حصہ سے بالاتر اس کو کسی گوشۂ دنیا سے نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ کوئی ارتباط۔ لیکن اگر وہ مشرف بہ اسلام ہو۔ اور اسلامی سلطنت ہو جائے۔ تو اسکی کامیابی اور ترقی دنیا کے ہر ایک مسلم کی ہمدردی اور محبت کو اپنی طرف کھینچ لیگی۔ کیونکہ دنیا میں بمشکل کوئی ہی ایسا قطعہ زمین ہے کہ جہاں مسلم آبادی نہ ہو۔ جاپان اسلام سے بہرہ اندوز ہونے سے ایک طرفۃ العین میں ایک ایسی ذی اثر طاقت بن جاویگا۔ کہ جس کا اثر کل دنیا پر ہوگا۔ اور تمام نسل انسانی کا پانچواں حصہ اس سے محبت کریگا۔ اور اسکی پشت و پناہی اور امداد کریگا

آپ کا ....

شیخ مشیر حسین قدوائی

آنریری سکرٹری پین اسلامک سوسائٹی

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ صحرا عرب کے گڈریئے کا مذہب کسی کانسٹنٹائین یا کسی اور شاہی سرپرست کا عیسائیت کی طرح مرہون احسان نہیں۔ اسلام نے عرب کے خانہ بدوشوں کو شاندار سلطنتیں عطا فرمائیں۔ لیکن اسلام کو اپنے رعب وسطوت کے لئے کسی شاہی مرید کا مرہون احسان نہیں ہونا پڑا اور نہ ہی اسلام کو فی زمانناً اس مقصد کے لئے کسی حاکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی ضرورت اسلام بحیثیت ایک مذہب کے صرف مسلم عارفین ہی کا مرہون منت ہے۔ جنہوں نے تمام دنیوی وجاہت وعزت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اگر یہ شارعین اسلام جن میں سے بعض اپنے بلند پایہ کی خصلت اور علم وفضل کی وجہ سے پرانے انبیاء اور اولیاء کے ہم رتبہ تھے اپنے زہد وتقوی ایثار اور پارسایانہ زندگی سے لوگوں کو اسلام کی طرف نہ کھینچتے۔ اور علم کی حقیقی تڑپ وعشق کے ساتھ مذہب اسلام کے مطالعہ میں اپنی زندگیاں صرف نہ کرتے۔ اور اپنے پیارے دین متین کی تلقین وتبلیغ کیلئے مصائب و آلام نہ جھیلتے اور اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ قلم دوات وبقچہ لے کر جگہ بہ جگہ نہ پھرتے۔ اور ان باتوں سے بڑھ کر اپنے اعلیٰ نمونہ سے اسلام کی کشش پیدا نہ کرتے۔ تو مذہب اسلام کبھی بھی اسقدر عوام الناس کیلئے مرغوب خاطر نہ ہوتا اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے انحطاط کے ساتھ اپنی سطوت وجبروت میں بھی تنزل کر گیا ہوتا حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے ہی جبلہ بن ایام شہنشاہ غسان کی تبدیلی مذہب کی پرواہ

نہیں کی - اور اُسکو اس سزا کا مستوجب قرار دیا - جو کہ اُس نے ایک غریب مسلمان کو دی تھی بلکہ کچھ دن ہوئے - کہ مسلم فقیہوں اور مفتیوں نے بھی ایک بڑے شہنشاہ کی تبدیلی مذہب کی پرواہ اسلئے نہیں کی - کہ وہ منشیات کے استعمال کرنے میں ان سے کچھ مراعات چاہتا تھا - کہ اس کے لئے جائز قرار دے دیجائینگی - اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جسمیں کہ مسلمین فقہا نے اسلام کے اصولوں کی حفاظت میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں ان بے نفس و بے لوث لوگوں کی نگاہوں میں مسلمانوں کا کسی بڑی سے بڑی مملکت کو فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی ان کے خیال میں مذہب اسلام صرف تنتیس برس تک یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت تک معراج ترقی پر تھا - اس کے برعکس کچھ ایسے بادشاہ بھی ہو گذرے ہیں - جنہوں نے نام نہاد ہی مذہب اسلام قبول کیا - اور اس کے لئے باعث ننگ و عار ثابت ہوئے - اور عملی رنگ میں ایسے قبیح و شنیع افعال کے مرتکب ہوئے - جو رُوح اسلام کی شان کے شایان نہیں - اور اسلام میں قابل نفرت ہیں - اسلام اپنے دبدبہ و سطوت کیلئے طبقہ زمین پر کسی خسروانہ امداد کا نہ تو محتاج کبھی تھا اور نہ ہی ہے - اگر واقعی ایسا ہوتا - تو مسلمانوں کی موجودہ سیاسی حالت نے پین اسلام ازم کے سوال کو بالکل ناامید کر دیا ہوتا - یہ یاد رکھنا چاہئے - کہ پین اسلام ازم کے حامی شہنشاہ جاپان کی طرف آرزومندانہ نگاہ اسلئے نہیں لگائے ہوئے - کہ اسکے مشرف بہ اسلام ہونے سے اسلام کو کوئی طاقت یا قوت پہنچیگی - بلکہ اسلئے کہ خود جاپان کا اسمیں منفعت و فائدہ ہے - اور اس سے اسکی طاقت دگنی اور مضبوط ہو جاویگی - اور مسلمانوں کی عزت و تمکنت و آبرو بھی بڑھ جاویگی - اور دُنیا میں ان کا اعلیٰ مقام بھی قائم ہو جائیگا - میں کسی اور اپنے مضمون میں یہ دکھلاؤنگا - کہ اگر جاپان اسلام قبول کرے - تو اس کو اخلاقی و تمدنی کیا کیا فائدے حاصل ہونگے +

اسلام کے انسدادِ مے نوشی کی تقلید میں دُنیا کے مُہذّب ترین برِّ اعظم کا سب سے پہلا قدم

امریکہ کا قانون انسدادِ مے نوشی

ہم نے شذرات میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ امریکہ کی کانگریس نے یہ ترمیم قانون مشروبات الکحل (شراب) کی ساخت و فروخت اور درآمد و برآمد کو قطعی بند کر دیا ہے۔ جو تاریخ کا ایک نہایت عظیم الشان اور اہم واقعہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر اور بھی موجب مسرت ہے۔ کہ اس نئے قانون کے ساتھ امرکی تین چوتھائی یعنے ۳۶ ریاستیں اتفاق ظاہر کر چکی ہیں۔ چنانچہ بعض ریاستوں کے گرجوں میں گھنٹیاں بجائی گئیں۔ اور خاص خوشیاں منائی گئیں +

یہ واقعہ فی الحقیقت جسقدر اہم ہے۔ اسیقدر اسلام کے اس عالیشان اصول کی ایک نمایاں اور بین فتح ہے جو حرمت مے نوشی کے متعلق اس نے آج سے تیرہ سو سال پہلے قائم کیا تھا۔ اور آج تک مسلمانوں میں وہ اسیطرح چلا آتا ہے۔ اسلئے امریکہ کے اس انسداد مینوشی پر اسلام کو فتح حاصل ہونے کے کیا معنے ہیں۔ اور دُنیا کے دیگر مذاہب اس فتح میں کیوں شریک نہیں۔ قرآن کریم کی آیت انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون * اس سوال کا کہ جبکہ چوری۔ جھوٹ۔ ڈاکہ زنی اور زنا وغیرہ کی حرمت بھی اسلام کی تعلیم میں داخل ہے۔ اور دوسری قومیں بھی ان کو بُرا سمجھتی ہیں تو اُن کے اس بُرا سمجھنے پر اسلام کیوں خوشی نہیں مناتا۔ اور اسے اپنی فتح قرار نہیں دیتا۔ اور محض انسداد مینوشی کو ہی اپنی فتح تصور کرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ سوائے اسلام اور

* نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس دیو لعین کے مضرات سے منع فرمایا

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی ایسا مصلح یا رہبر دنیا میں نہیں آیا۔ جس نے شراب جیسے زبردست دیو سے بچنے کی تلقین کی ہو۔ وہ رہبر اور مصلح جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس دیو لعین کی غلامی سے بالکل آزاد تھے۔ لیکن توریت۔ انجیل اور وید مقدس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ دوسروں کو اس سے منع کرنا تو ایک طرف خود ان کی تعلیمات اور مذہبی رسُوم میں بھی کسی نہ کسی ذریعہ سے اس نے دخل پا لیا ہو۔ یہودیوں میں ایک قومی تیوہار پر شراب کا استعمال عیسائیوں میں اعشائے ربانی میں اس کی ضرورت اور ہندوؤں کے ایک یگ کے اندر اسکی موجودگی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ کہ دنیا میں سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اس سے دنیا کو بچانے کی کوشش کی ہو۔ یا کم از کم خود ہی اس سے بچا ہوا ہو۔ توریت اور انجیل میں بہت سے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں شراب کا بنانا حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ ایسا ہی وید مقدس کی ان عبارات سے جن میں شراب کو دیوتاؤں اور مُردہ ارواحوں کے آگے پیش کرنے کا ذکر ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دیو لعین سے دُنیا کو نجات دلانے میں اگر کسی نے سب سے پہلے قدم اٹھایا تو وہ اسلام ہی ہے۔ اور اسی کا احسان عظیم ہے۔ کہ اس نے آج سے تیرہ صد برس پیشتر اسکی مضرات سے دنیا کو مطلع کر کے ایک کثیر حصہ مخلوق کو اس سے نجات دیدی اور جو بیکایک تغیر عرب جیسی قوم میں ؏

شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

حرمت شراب کا حکم قرآن کریم میں نازل ہونیسے ظہور پذیر ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسدن تمام گھروں میں شراب کے برتن توڑ ڈالے گئے۔ اور مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح شراب بہ نکلی۔ اسی کے ساتھ ہی اس حقیقت نفس الامری کو واضح کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کا قطعی انسداد محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے حُرمت شراب کا حکم سن لینے سے ہی ہو گیا۔ اور یہ ربانی مصلحین ہی کا کام ہے۔ کہ ان کے ذرہ سے اشارہ سے بدیوں کا ایسا قطعی استیصال ہو جاتا ہے کہ کوئی دنیوی حکومت

اس قسم کا استیصال نہیں کر سکتی - امریکہ نے بھی جو قانون بنایا ہے - اسمیں اس انسداد ساخت و فروخت وغیرہ کیلئے ایک سال کا نوٹس دیا ہے - جس سے فائدہ اُٹھا کر لوگ ایک سال میں اپنے گھروں کے اندر شراب کو بھر لیں گے +

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہ باوجود اُمّی اور دیگر ممالک کے حالات سے ناآشنا ہونے کے آپنے ان لوگوں کے اندر جہاں شراب پینا رات دن کا شغل تھا اُس کی حُرمت کا اعلان کیا - اور اس کو مضر چیز قرار دیا - جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ صرف اسی وقت تمام عرب کی کایا پلٹ گئی - اور شراب کا نام و نشان مٹ گیا - بلکہ آج بھی مسلمانوں کے کانوں میں یہی آواز گونج رہی ہے - اور دنیا بھر میں مسلمان ہی زیادہ تر اس سے بچے ہوئے ہیں +

اس کے ساتھ ہی اس جگہ ان اعتراضات کا بھی جواب دینا مناسب ہے جو شرابخوری کے جواز اور قرآنی آیات کی غلط تاویل کی بیہودہ کوشش بعض لوگوں کے منہ سے نکلوائی ہے - مثلاً یہ کہ قرآن نے شراب کو حرام نہیں کیا - یا اگر حرام قرار دیا ہے - تو انگور کی شراب کو لیکن جب قرآن نے اسے رجس من عمل الشیطان (یعنے ناپاک شیطانی عمل) کہدیا تو حرام قرار نہ دینے کے کیا معنے کسی شیطانی عمل کو قرآن حلال قرار نہیں دے سکتا - ایسا ہی یہ بالکل غلط ہے کہ انگور کی شراب سے منع کیا ہے - بلکہ مدینہ میں تو انگور کی شراب بنتی ہی نہ تھی +

غرض اس وقت جبکہ ہر طرف سے اسلامی سلطنتوں کے گرنے کی آوازیں آرہی ہیں - اسلامی اصولوں کی فتح ہمارے دلوں کو بندھانے والی ہے کہ کس طرح دیگر اقوام اور مذہب اسلام کے اصولوں کے سامنے جھکتے چلے جارہے ہیں کاش کہ امریکہ کی احسن مثال کی تقلید دیگر گورنمنٹیں بھی کریں +

اسوہ حسنہ :- یہ ایک مذہبی اصلاحی اور تعلیمی رسالہ ہے - جو مسلمانوں کو انکی شخصی ذمہ داریوں اور قومی ضرورتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے - اسکی دوبارہ اشاعت سے ہمیں از حد مسرت ہوئی ہے - یہ رسالہ بازار کھیلی والاں شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ قسم اول سے ر دوم عه ر علے الترتیب ہے +

اِنتخاب از صحیح بخاری شریف

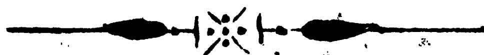
اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا ۔ والدین کو کو اذیت پہنچانی ۔ اپنی ہی جنس کو قتل کرنا ۔ خودکشی کرنی اور جھوٹی قسم کھانی سب سے بڑے گناہ ہیں +

موجودہ زندگی آیندہ زندگی کے لئے ایک کھیتی کی طرح ہے ۔ اسلئے ہم کو نیک اعمال کرنے چاہئیں ۔ تاکہ آیندہ اُن کا اجر ملے ۔ کیونکہ کوشش و جدوجہد احکام الٰہی میں سے ہے ۔ اور جو کچھ اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وہ محض کوشش ہی سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ . . . .

وہ سب سے احسن انسان ہے ۔ جس کی عمر دراز ہو ۔ اور اس کے اعمال نیک ہوں ۔ اور وہ سب سے بُرا انسان ہے جس کی عمر تو لمبی ہو ۔ لیکن اعمال اس کے قبیح و شنیع ہوں +

دولت کا جائز استعمال خیر و برکت ہے ۔ اور ایک انسان نیک ذرائع سے اسے اضافہ کرنے کی جائز کوشش کرے ۔ وہ انسان عقل و خرد کے زیور سے مُزیّن و مرصع ہے ۔ جو اپنی سفلی خواہشات پر قابُو پاتا ہے اور اجر کی اُمید رکھتا ہے ۔ اس کے برعکس وہ شخص بالکل اجہل ہے جو کہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے ۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے معافی بھی چاہتا ہے +

اپنی لغزشوں اور قصور سے صدقِ دل سے تائب ہونیوالا ایسا ہے جیسیکہ اُس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں +



قیمت بلا جلد ۱۲؍ — **براہین نیّرہ حصّہ اوّل** — قیمت مجلد ۲؍

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی مسلم مشنری

یہ وہ بے مثل کتاب ہے جسمیں قرآن کو کل کتب مقدمہ سابقہ کے مقابل ایک زندہ کامل اور خاتم الہام ثابت کر کے تہذیب و تمدن انسان کیلئے قرآن کریم کی ضرورت دکھلاتی گئی ہے۔ اور کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے تفصیل کیلئے فہرست کتاب ملاحظہ ہو:۔

عالمگیر الہام کے مدعی۔ خدا رب العالمین ہے۔ الہام سے کوئی قوم خالی نہیں ہے۔ قرآن کی فیاضانہ تعلیم وید کی ترتیب کا وقت عالمگیر الہام کیلئے موزوں نہیں تھا۔ کسی کتاب کی قدامت اس کے عالمگیر ہونے کی دلیل نہیں۔ قرآن کریم کی عالمگیر اشاعت۔ نزول قرآن کا وقت اسکی عالمگیری پر دلیل ہے قرآن کریم کل کتب قدیمہ کا قائمقام۔ مختلف طبقات عالم کے مطابق حال قرآن کی تعلیم گذشتہ کتب کیوں عالمگیر نہیں۔ ماکولات و مشروبات اور جسمانی طہارت کے صحیح اصول تک بھی انسان الہام کے سوا نہ سمجھ سکا۔ انسداد شراب اور ضرورت قرآن۔ غیر ذبیحہ کیوں حرام کیا گیا۔ ذبیحہ کی تعریف۔ جھٹکا کی مخالفت غسل جنابت۔ موچھوں کا اسلامی طرز پر کاٹنا عقل اور مذہب ہر دو خدا داد عطیے ہیں۔ اسلئے ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ انجیل مسلمۃ ناقص ہے خاتم اور کامل کتاب کی ایک خاص شرط بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کل عقائد باطلہ کی تردید موجود ہے۔ فطرت اسی خدا کا پتہ دیتی ہے جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے رحمانیت میں رد دہریت۔ رحمانیت اور رد تناسخ۔ رحمانیت اور رد کفارہ۔ برہمو رحمانیت پر غور کریں۔ لفظ رب میں تناسخ کا رد۔ ہماری نماز عربی کے سوا کسی اور زبان میں نہیں ہو سکتی۔ حشر اجساد کی ایک عمدہ دلیل قرآن کریم سے۔ تہذیب انسان کن امور سے وابستہ ہے +

توحید کی غرض و غایت تہذیب ہے۔ توحید اور مساوات کامل توحید سے ہی کامل دنیا میں قائم ہوگا۔ کائنات پر انسان کی حکومت اور سلسلۂ توحید +

مشتہر

عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام و بک ڈپو عزیز منزل لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

قیمت معہ محصول ... مجلد

نہایت اعلیٰ ولایتی کاغذ

خطباتِ غربیہ

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ انگلستان

یہ وہ کثیر الآراء خطبات ہیں جو حضرت خواجہ صاحب موصوف نے اپنے قیام لندن میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کیلئے انگلستان کے مختلف مقامات پر انگریزی زبان میں دیئے بعض احباب کی فرمائش پر ہم نے مندرجہ ذیل چھ خطبات اردو میں ترجمہ کرائے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے :-

نمبر (۱)	**مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات** (۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی (۲) خدا کی کامل تصویر (۳) اسلام ہی تسکین قلب ہے (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے +
نمبر (۲)	**توحید - دُعا - تصوف** (۱) توحید الٰہی (۲) قرآن کی تعلیم کردہ دُعا (۳) دُعا اور استجابت دُعا (۴) تصوف +
نمبر (۳)	**خطبات عیدین** (۱) عمل میں آزادی (۲) قربانی اور اس کی حقیقت (۳) سنت ابراہیم
نمبر (۴)	**دہریوں اور ملحدین کو خطاب** (۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور ان کا مقابلہ (۲) دہریوں کے لئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف) (۳) دہریوں کے لئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)
نمبر (۵)	**اسلام اور دیگر مذاہب** (۱) خصوصیات اسلام (۲) اسلام - عیسائیت اور دیگر مذاہب۔ (۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت
نمبر (۶)	**حقوق نسواں** (۱) عورت نے یہودیت سے چلکر اسلام تک کیا کیا انقلاب (۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا +

المشتہر خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت

اسلامیہ پریس لاہور میں حافظ مظفر الدین پرنٹر کے اہتمام سے

رسالہ ۱۳۹

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی

مسلم مشنری

صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت سالانہ تین روپے

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۵) بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء نمبر (۱)

فہرست مضامین

نوٹ: یہ رسالہ بعض احباب کی خدمت میں بطور نمونہ بھی ارسال کیا جاتا ہے۔ براہ کرم وہ احباب اپنی رضامندی ...

[illegible]

رجسٹرڈ ایل ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردُو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی — مسلم مشنری — مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمدنی بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ دار ہوسکتی ہے

جلد (۵) بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۹ع نمبر (۳)

نہرست مضامین

اسلامیہ پریس لاہور میں [illegible] کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبدالغنی [illegible] نے دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور سے شائع کیا

اطلاع عام

(۱) رسالہ اشاعت اسلام ہر انگریزی مہینہ کی چھبیس ۲۶ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہنچے تو انہیں دوسرے ماہ کی دس تاریخ تک منگا لینا چاہئے ورنہ پھر ملنا ناممکن ہے (۲) رسالہ اشاعت اسلام ایک ہی قسم کے اعلےٰ کاغذ پر ادنےٰ و اعلےٰ امیر و غریب کے لئے چھپتا ہے جس کی سالانہ فیس مع محصولڈاک ے بہرحال پیشگی آنی چاہئے۔ (۳) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہ پہنچیگی تو ہم آیندہ سال کا چندہ وصول کرنے کے لئے وی پی بھیجنے کے مجاز ہونگے (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ نیز کتابت خطوط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔ نام و پتہ خوشخط لکھنا چاہئے ورنہ تعمیل نہ ہوگی * مینیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۵) —— بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء —— نمبر (۳)

شذرات

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کی طبیعت رو بصحت ہے +

حضرت خواجہ صاحب ان ہمدرد احباب کے تہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے ان کے فرزند اکبر کی حسرتناک وفات پر براہ راست مسجد ووکنگ کے پتہ پر انکی خدمت میں تعزیہ نامے ارسال فرماکر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ چونکہ آپ کی طبیعت شدت سے علیل تھی۔ اسلئے فرداً فرداً ہر ایک مشفق احباب کے گرامی نامہ کا جواب آپ دینے سے قاصر ہے۔ ہمیں ووکنگ ہیڈ آفس سے اب ہدایت ملی ہے۔ کہ انکی طرف سے ان سب مشفق و مخلص احباب کا ائس دلی ہمدردی اور شفقت کے اظہار کا مجموعی طور پر بذریعہ رسالہ ہذا شکریہ ادا کردیا جاوے اللہ تعالیٰ ان سب مخلص دوستوں کو اپنی بارگاہ سے اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین +

مسلمانان لندن کی سوسائٹی کے زیر اہتمام اتوار کے اجلاس لندن مسلم نماز گاہ میں باقاعدہ منعقدہ ہوتے ہیں۔ گذشتہ اشاعت میں جن اجلاس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ انکے علاوہ

مندرجہ ذیل اجلاس نمازگاہ مذکورہ میں منعقد ہوئے +

۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء کو جناب مسٹر ڈوڈلے رایٹ صاحب نے لیکچر فرمایا۔

۵ جنوری ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ایم پکتھال صاحب نے "اسلام میں عبادت کے مفہوم" پر لیکچر فرمایا +

۱۲ جنوری ۱۹۱۹ء جناب رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بہ القابہم نے "زندگی بعد الموت" پر لیکچر دیا +

۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ڈوڈلے رایٹ صاحب نے لیکچر فرمایا +

۲۶ جنوری ۱۹۱۹ء جناب مسٹر ایس۔ اچ رضا صاحب نے لیکچر فرمایا +

جیساکہ مندرجہ بالا پروگرام سے اور ان پروگراموں سے جو وقتاً فوقتاً رسالہ ہذا میں درج ہوتے رہے ہیں عیاں ہوتا ہے۔ کہ لندن مسلم سوسائٹی نے اپنی تبلیغی جدوجہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ اور گذشتہ کئی ایک ماہ سے مسلسل طور پر اجلاس منعقد کر کے مذہبی اشتیاق پیدا کر رہی ہے۔ ان اجلاسوں کے پروگرام ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ اور جو احباب ان جلاسوں کے اصل انگریزی پروگراموں کے دیکھنے کے متمنی ہوں از راہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر چٹھی لکھ کر منگوالیں +

پروگرام ملنے کا پتہ :- آنریری سیکرٹری۔ لندن مسلم سوسائٹی۔ ۱۱۱ کیمپڈن ہل روڈ لندن۔ ویسٹ نمبر ۸ +

مسجد ووکنگ میں بھی حسب معمول اتوار کو بعد از دو پہر لیکچر برابر ہوتے ہیں۔ اور جناب مسٹر ایس شمس اور جناب مسٹر سی سلیمان اور جناب مسٹر عبد القیوم صاحب ملک تقاریر برابر فرماتے رہتے ہیں +

لندن میں جلسۂ مولود النبی صلعم

مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۸ء بروز ہفتہ بمقام ۱۲ کرومول روڈ جنوبی کنگسٹن سنٹرل اسلامک سوسائٹی کے زیر اہتمام آنحضرت صلعم کا یوم ولادت بڑی تزک و احتشام سے منایا گیا۔ جناب شیخ

مشیر حسین صاحب قدوائی آنریری سکریٹری نے کچھ عرصہ پیشتر ہی سے اس تقریب کے لئے احباب کو مدعو کیا ہوا تھا۔ مہمانوں کی تعداد ڈیڑھ صد سے تجاوز کر گئی۔ اس مجمع میں مرد و خواتین دونوں طبقہ کے لوگ شامل ہوئے۔ جن میں تقریباً تمام مذاہب و ملل کے بڑے بڑے نمایندے بھی تھے۔ جن کا جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی اور جناب ملک عبد القیوم صاحب نے استقبال کیا۔ سوسائٹی مذکورہ کے میر مجلس جناب میرزا ہاشم اصفہانی صاحب نے زمانہ کے شہرہ آفاق مقرر جناب مسٹر ڈوڈلے رائیٹ کو معرف کراتے ہوئے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم کی سوانحعمری اور آپ کی اعلیٰ شخصیت پر اجمالاً روشنی ڈالی۔ اور صاحب صدر نے فرمایا کہ میرا افتتاحیہ خطاب اس عظیم الشان تقریر کی ایک قسم کی تمہید ہے۔ جو جناب مسٹر ڈوڈلے رائیٹ نے آج کی شب آپ کے سامنے فرمانی ہے۔ اور جن کی خدمت اقدس میں میں اب مؤدبانہ عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنی گرانقدر تقریر سے معزز سامعین کو مستفیض فرمائیں۔ فاضل لیکچرار نے نسل انسانی میں سے اشرف الناس و خیر البشر کے حالات زندگی پر ایک بسیط لیکچر فرمایا۔ اور موجودہ زمانہ کے عجیب و غریب حالات کو پیش نظر رکھ کر آپ کے حالات زندگی کے موضوع پر بہت دیر تک تقریر فرمائی ہمیں امید ہے کہ یہ عظیم الشان و بسیط تقریر اسلامک ریویو کی کسی آیندہ اشاعت میں شائع ہو جاویگی۔ فاضل لیکچرار کے بعد جناب مسٹر ایس ایچ ۔ ضا صاحب نے تقریر فرمائی جسمیں انہوں نے سامعین کی توجہ خصوصیت سے گذشتہ زمانہ میں اسلام کی جبروت سطوت اور شان و شکوہ کی طرف اور پھر آیندہ زمانہ میں اسکے شاندار مستقبل کی طرف منعطف کی۔ ان کے بعد آنریبل جناب مسٹر باسو نے تقریر فرمائی جو کہ سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کی کونسل کے ایک ممبر ہیں۔ جنہوں نے اپنے معمولی فصیح و مؤثر پیرایہ میں آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کی سادگی اور جمہوریت کی حقیقی روح کو جو آپ نے نسل انسانی کے ایک کثیر طبقہ میں پھونکی تھی۔ تصدیق فرمائی۔ اور یہ ایسی تصدیق ہے کہ جسپر ہندو روایات اور تہذیب جس قدر بھی فخر کرے بجا ہے۔ اس مؤثر تقریر کے اختتام پر نعرہ تحسین و توصیف بلند ہوا۔ اور اس تقریر میں انہوں نے آنحضرت صلعم کے اس عظیم الشان رتبہ کا اعتراف فرمایا جو کہ اہل تدبر کے قلوب میں بغیر کسی مذہب و ملت کے امتیازات کے جاگزین ہے۔ ایسے بعد

صاحب صدر نے معزز لیکچراروں کی قابل قدر تقریرات کا اور سامعین کی شرکت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اجلاس کا تمام مجمع چائے کے لئے برخاست ہوا +

اخبار نیر الیسٹ کی روئداد یوم ولادت آنحضرت صلعم کے متعلق

معاصر مسلم ہیرالڈ نے "نیر الیسٹ" سے اسلامک سوسائٹی لندن کے اس جلسہ کی روئداد نقل کی ہے جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منانے کیلئے منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کی علاوہ بہت سے غیر مسلم ہندوستانی بھی موجود تھے جن میں سے آنریبل جناب لارڈ سنہا اور آنریبل مسٹر باسو قابل ذکر ہیں۔ پہلے مسٹر ڈوڈلے رائٹ نے جو کچھ عرصہ ہوا حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ ایک تقریر میں آنحضرت صلعم کی زندگی کے پاکیزہ حالات بیان کئے۔ اور آپکی تعریف و توصیف کی۔ ان کے بعد آنریبل مسٹر باسو نے حیات پیغمبر دو کائنات کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کسی مذہب نے اپنے پیروؤں کو مساوات اور اتحاد کی تعلیم نہیں دی جس قدر مذہب اسلام کے نبیؐ نے دی ہے۔"

اشاعت اسلام:۔ جناب مسٹر باسو کے یہ خیالات اس قابل ہیں کہ اہل ہند انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھیں۔ یقیناً اگر ملک میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں۔ جو ایک دوسرے مذہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کو برا کہنے کی بجائے ان کی خوبیوں اور نیک باتوں کی قدر کیا کریں۔ اور ان کا عزت کے ساتھ نام لیں اور زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً بھی دوسرے مذاہب کے لوگوں سے رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ رکھیں تو تمام آئے دن کے مناقشات فسادات و تنازعات یک قلم موقوف ہو جائیں۔ اور قومیت متحدہ کی ناؤ آج کنارے لگ جاوے۔ کیا ہمارے برادران وطن مسٹر باسو کی قابل قدر تقلید کیلئے تیار ہونگے؟

خویش و اقارب کے ساتھ ہمدردی اور شفقت

از قلم والا منزلت تاج الہند حضرت علیا نواب سلطانہ جہاں بیگم صاحبہ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای
فرمانروائے بھوپال ادام اللہ ملکہا ئے والا نصال

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ امرا اور صاحب حیثیت لوگ اپنے مفلس رشتہ داروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں۔ جو ان مفلسوں کے ساتھ کسی قسم کے ہمدردی محبت اور نیکی کے ساتھ سلوک کرنا پسند ہی نہیں کرتے۔ اور اس بات کو وہ بالکل بھول جاتے ہیں۔ کہ غریب لوگ بھی ان ہی کی طرح انسانی جامہ پہنے ہوئے ہیں۔ گو وہ کسی خاص وجہ سے جسمیں اُن کا کوئی قصور نہیں صاحب ثروت نہیں ہو سکے۔ ایک سچا مسلمان کبھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ تمام نظام عالم میں اللہ تعالے نے کسی کو بھی جبلی نقائص وعیوب کے ساتھ پیدا نہیں کیا۔ اور اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا ہے۔ تو حقیقت میں وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے درمیان ایک اختلاف کی وجہ پیدا کرتا ہے جو ہم سب کے مالک وحافظ حقیقی کے سامنے اور نیز اپنے صاحب صحیح فطرت انسانی کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ علاوہ ازیں تمام دنیاوی مال ومتاع بالکل غیر یقینی ہیں۔ یہ شاذو نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی خاندان کے ممبر اپنی جائداد کو اپنے قبضہ میں ہمیشہ رکھ سکے ہوں۔ اسلئے ہمیں چاہیئے کہ ہم تکبر اور جھوٹے غرور کے گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ کیونکہ خدا اسبات سے خوش نہیں ہوتا۔ ابلیس کے زوال کے قصہ سے ایک بہت بھاری اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے۔ یعنے جو لوگ اسکی طرح غیر ضروری اور بے حقیقت غرور سے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرینگے۔ ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا۔ پس چاہیئے کہ ہم میں سے وہ لوگ جن کے پاس اپنے متعلقین احباب اور ہمسائیگان کے مقابلہ میں زیادہ دولت ہے یا جو زیادہ صاحب اثر ہیں۔ وہ بوقت ضرورت اس سے ان کی امداد کریں۔ اور بڑی عاجزی سے اپنے رزاق حقیقی کا انکی تمام عنایات جسمانی و روحانی کا خیال کر کے حمد وشکر کریں جس نے کہ انہیں اس قسم کی طاقت وہمت دی ہے۔ اللہ تعالے کا شکر تیا اس سے بہتر صورت میں نہیں ہو سکتا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور رفاقت کے ساتھ برتاؤ کریں جن کا سب سے زیادہ حق اسلئے

میں ہم پر ہے۔ یعنی ہمارے نادار رشتہ دار +

رسول اکرم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کی توجہ کو مفلس رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنے کی خوبی کی طرف مبذول کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ابتدائی اسلامی تاریخ کی ورق گردانی سے ایک مختصر سا لیکن عجیب واقعہ کا پتہ ملتا ہے حضرت صفیہؓ حضرت رسول مقبولؐ کی بیوہ کے خلاف جو یہودی تھیں حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے پاس شکایت اس امر کی پیش ہوئی کہ وہ شنبہ کا دن یہودیوں کی طرح متبرک خیال کرتی ہیں۔ اور یہودیوں کی وہ بہت بھاری امداد کرتی ہیں۔ حضرت صفیہؓ نے جواباً فرمایا۔ کہ جب سے وہ اسلام میں داخل ہوئی ہیں انہوں نے ہفتہ کے تمام دنوں ہی امور کے لحاظ سے یکساں خیال کئے ہیں۔ اس لئے ہفتہ کا دن اُن کی نظر میں زیادہ متبرک نہیں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ اپنے غریب یہودی رشتہ داروں کی حتے الامکان ہمدردی کرتی ہیں۔ جونکہ اب وہ مسلمان ہو گئی ہیں۔ اسلئے ان کو اُن لوگوں کی بہبودی کی نسبت زیادہ تردد ہے۔ جو امداد کے لئے ان کے محتاج ہیں۔ یہ ایک اسلامی زندگی کی مثال ہے +

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی عبادت اور نماز بیجا ہے کوئی کام نہ دیگی جو اپنے نادار متعلقین کے ساتھ باوجود استطاعت رکھنے کے ہمدردی اور نیک سلوک نہیں کرتا۔ سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کی نظر میں خیرات اور رحم ہے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول کریم صلعم میں اس قسم کی ہدایات و احکام بکثرت ہیں جو امرا کو بالخصوص ہیبات سے روکتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ذاتی مال و جاہ کے لغو سودا کو اپنے سر میں سمانے دیں۔ اور اپنے غریب دوستوں اور رشتہ داروں کو اپنی دجاہت کے باعث حقیر خیال کریں۔ ایسا کرنے سے ہمدردی اور محبت کے اس لطیف جوہر کی ہم قدر نہیں کرتے جس سے انسان اشرف المخلوقات خیال کیا جاتا ہے +

ہیبات کو جانتے ہیں کہ دُنیا میں بھی عزت و افتخار حاصل کرنے کیلئے احسن طریق یہی ہے کہ انسان اُن کی مدد کرے جو محتاج ہیں۔ لیکن دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا صلہ اسلام میں صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ وہ عاقبت میں اس سے زیادہ خوشی و راحت کا وعدہ دیتا ہے +

مہمان کی مناسب اور گرمجوشی سے مدارات کرنا انسان کا ایک ضروری خاصہ ہے۔ انسان کیلئے لازمی ہے کہ اپنے دشمن کو بھی اپنے پاس فراخ حوصلگی سے رکھے جبکہ وہ اسکے پاس پناہ کیلئے آئے

ایک مشہور اسلامی ضرب المثل ہے کہ چاند اپنی روشنی ادنے سی جھونپڑی پر بھی ڈالتا ہے۔ اور اسی طرح درخت اس شخص کو بھی اپنے سایہ سے محروم نہیں کرتا جو اس کے کاٹنے میں مصروف ہے۔ یہ الفاظ مشرقی دانائی سے معمور ہیں۔ پس ہر ایک دولتمند شخص کو چاہئے کہ وہ دست اعانت اس شخص کی طرف دراز کرے جو اس سے کم حیثیت کا ہے۔ اور چاہئے کہ ہم سب آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں +

جناب رسالتمآب اور آپ کا مشن

(خطبہ جو مسٹر ڈڈلے رائٹ نے بروز اتوار مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو بمقام مسلم پریئر ہوس لندن پڑھا)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کی تعلیم دی اس کے زیادہ اہم اور نمایاں مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں متعدد بار آیا ہے کہ ہر ایک قوم اور نسل کے پاس کسی نہ کسی عہد میں دین حقہ کی تعلیم دینے کے لئے نبی یا منذر بھیجے گئے ہیں۔ گو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کے تمام ایسے انبیا یعنی مرسلین کاملین کا فرداً فرداً نام آیا ہے تاہم بعض کے نام بتائے گئے ہیں سورۃ نساء آیات ۶۳ سے ۶۵ میں آتا ہے:-

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ واوحینا الی ابراھیم واسمعیل واسحق ولیعقوب والاسباط وعیسی وایوب ویونس وھارون وسلیمن واتینا داود زبورا ہ ورسلا قد قصصنھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسی تکلیما ہ رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ط وکان اللہ عزیزا حکیما ہ

ترجمہ (اے پیغمبر) ہمنے تمہاری طرف (اسی طرح) وحی بھیجی ہے۔ جس طرح ہم نے نوح اور (دوسرے) پیغمبروں کی طرف جو ان کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔ اور (جس طرح) ہم نے ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔ اور (تمہاری طرح ہم) کتنے پیغمبر (بھیج چکے ہیں) جن کا حال ہم (اس سے پہلے) تم سے بیان کر چکے ہیں۔ اور کتنے پیغمبر (اور) جن کا حال ہم نے تم سے (اب تک) بیان نہیں کیا۔

اور اللہ نے موسیٰ سے (تو باتیں) بھی کیں (یہ سب) پیغمبر (نیکوں کو جنت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب خدا سے) ڈرانیوالے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آنے) کے پیچھے لوگوں کو خدا پر کسی طرح کا (چھد ا(نہ کھنے کا موقع باقی نہ رہے۔ اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے +

ان تمام انبیا میں سے تین نبی سب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے یہودی مذہب کی بنیاد ڈالی دین مسیحی کے بانی حضرت یسوع مسیح اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام

حضرت موسیٰ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کلام اور اعمال میں قوت والا تھا" (کتاب اعمال باب ۷ آیت ۲۲) اور اس شہرت کے لحاظ سے جو اس زمانہ میں مصر کو علوم کے بارہ میں حاصل تھی۔ یہ بات ان کے کمال کسب علم پر دلالت کرتی ہے

یسوع کی تعلیم و تربیت عہد طفلی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں لیکن بارہ سال کی عمر میں ہم اُسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے اُن کی کلام سُنتے اور اُن سے سوال کرتے ہوئے" دیکھتے ہیں ۔ اور جتنے اس کی سُنتے تھے اسکے ادراک اور اسکے جوابات سے دنگ رہجاتے تھے"

اس واقعہ کے بعد انکی تیسویں سالگرہ تک ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اکثر مشہور علما کی رائے ہے کہ مسیح علیہ السلام کا درمیانی عرصہ ایسینوں کی معیت میں بسر ہوا۔ جس فرقے کا یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ایک رکن بن گئے تھے۔ یہ ایک یہودی فرقہ تھا جو صوفیانہ تعلیمات کے لئے مشہور تھا

ان تینوں اولوالعزم نبیوں میں سے حضرت محمد صلعم ہی اُمّی تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن ان نبیوں میں سے حضرت محمد صلعم ہی ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنا مشن پورا کر لیا۔ اور کسی دوسرے نبی کو نصیب نہیں ہوا کہ آپ کے برابر دلوں پر اثر پیدا کرے +

اور دو مذاہب عیسائیت اور اسلام میں سے (یہودی مذہب چونکہ اپنے دائرہ اثر میں بہت محدود ہے۔ اسلئے عام دلچسپی نہیں رکھتا) صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اپنی اصلی حالت میں قائم رہا ہے +

یسوع مسیح کے مشن کا خاتمہ ناکامی پر ہوا برعکس اس کے کہ حضرت محمد صلعم کا مشن کامیاب ہوا +

یسوع مسیح کے مشن کا نصب العین کیا تھا؟ بوڑھے شمعون نے جو ہیکل میں اسرائیل کی تسلی کا

منتظر تھا۔ لڑکے یسوع کو اپنی گود میں لیا اور کہا کہ وہ غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور اور تیری قوم کا جلال بنے" (لوقا باب ۲ فقرہ ۳۲) یسوع نے خود اپنے مشن کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس غرض نہایت ہے کہ اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو راہ راست پر لانا تھا۔ اور جبکہ کنعانی عورت نے اپنی بیٹی کے واسطے التجا کی۔ تو اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنے شاگردوں کو یہ وجہ بتائی کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا۔" جب وہ عورت اور بھی نزدیک آگئی اور اسکو سجدہ کیا پھر بھی مسیح نے اسے یہی کہا۔ کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینی واجب نہیں" (متی باب ۱۵ فقرہ ۲۸-۲۱) جب مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو باہر بھیجا تو ان کو حکم دیا (متی باب ۱۰ فقرہ ۶-۵) کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ مسیح کا مطمع نظر یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کرے۔ اور بنی اسرائیل کے ذریعہ غیر قوموں کی برکت کا باعث ہو۔ اور یہ بعینہٖ وہی مقصد تھا جو حضرت موسیٰ کے پیش نظر تھا +

اس مشن کا آخری حشر کیا ہوا۔ اپنی ارضی زندگی کے اختتام پر ہم مسیح کو اس طرح نوحہ خوان دیکھتے ہیں (متی باب ۲۳ فقرہ ۳۷) "اے یروشلم۔ اے یروشلم۔ تو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں انہیں سنگسار کرتی ہے! کتنی ہی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں۔ مگر تم نے نہ چاہا +

اسرائیل کے گھرانے کی وہی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھیں جو مسیحی نوشتوں کے مطابق پیش از پیش سے چلاتی تھیں کہ "اسکو صلیب دو صلیب دو" جب وہ مصیبت اور خطرے کی حالت میں تھا۔ تو اس کے سب شاگردوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے بلکہ وہ شاگرد جس کے متعلق رومن کیتھولک عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ چٹان جن پر کلیسیا کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ پہلے تو مسیح کے پیچھے دور دور آتا رہا۔ پھر اس نے انکار کیا۔ اور بعد ازاں اس انکار کو اور بھی مضبوط بنانے کے لئے لعنت اور قسم کے ساتھ انکار دہرایا +

ان واقعات کا رسول اللہ صلعم کی زندگی کے آخری مناظر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ جن کا ذکر

ہوا [illegible] جنگ [illegible] دوسرے ہو [illegible] ہیں - اور دیکھو کہ کسقدر جمغفیر اس مقام کے بہت نزدیک ہو سکا [illegible] ہو گیا جہاں کہ اس [illegible] بنی نوع کی پاک روح نے فرشتہ اجل کو لبیک کہا تھا - اور [illegible] رسول اللہ صلعم کا تسلیم کردہ مذہب اس [illegible] کے حالات میں نہیں ملتی - اور آنحضرت صلعم کی وفات [illegible] بڑے بڑے پُر رونق مرکزوں میں فتح کے جھنڈے لہرا [illegible]

کیا مسیح غیر قوموں کو روشنی دینے والا [illegible] ساتویں صدی میں جسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے [illegible] کی تاریخ میں نہایت [illegible] اور ذلیل صدی تھی - اسکی وجہ یہ تھی کہ مسیحی [illegible] معذرت [illegible] جس کی آج کل اسقدر آؤ بھگت ہوتی ہے وہ زمانہ [illegible] پڑا تھا جو مذہبی مباحثات میں مصروف رہتے تھے - لیکن انمیں سے کسی ایک [illegible] اس حقیقت کی مدلل تردید کرے - جس کا القاء محمد صلعم کے مبارک دل پر [illegible] اور جو آپ [illegible] اس زمانہ کی طرح تب بھی مذہبی مباحثات میں وقت ضائع [illegible] اس مذہب کی [illegible] وہی جس کی بنیاد ذاتی معرفت پر ہو - [illegible] لیکن آج اس کا کیا حشر ہے - ریورنڈ [illegible] اس سوال کا جواب ذیل کے الفاظ میں دیا [illegible]

[illegible] لوگوں کی تعداد بہت قلیل رہ گئی ہے تو وہ ایسی حالت میں [illegible] وجہ صرف خدا کی مہربانی قرار دیں گے - لیکن آبادی کا [illegible] اس [illegible] کی توجیہ سے قطعی قاصر ہے جس کی بنا اپنی ذات کے سوا کسی دوسری خارجی چیز پر ہو [illegible] نے اپنی ایک تقریر میں اس رائے کا اعادہ کیا ہے جو گذشتہ منگل کے دن (۲۲- اکتوبر) ڈیلی ٹیلیگراف میں شائع ہوئی تھی :-

جنگ کا اثر کلیسیا کے اثر و رسوخ کے حق میں بہت بُرا رہا ہے لیکن مسیح کے مذہب کے خلاف نہیں - ہر جگہ یہ محسوس کیا جاتا ہے - کہ ان وسائل میں جن کی وساطت سے صلح کی

انجیل اپنا پیغام قوموں کو پیش کرتی ہے [illegible] اور [illegible] میں کوئی ایسا نقص واقع ہو گیا ہے جو بیحد غیر تسلی بخش اور حیران کرنیوالا ہے۔ ہر ایک شخص [illegible] صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ مسیحی سوسائٹی جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی ہے۔ جو ایک [illegible] آواز سے نہیں بول سکتی اور جو اپنے افراد میں رشتہ اتحاد قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس [illegible] کا انجیل کے ساتھ کوئی تطابق نہیں ہے۔ جو تمام نوع انسان [illegible] حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے دشمنوں سے [illegible] لیکن [illegible] کے یہاں یہ حالت ہے کہ مسیحی کلیسیا کے مختلف فرقے جو ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں آپس میں نہایت ہی سخت دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں +

حضرت محمد صلعم نے کوئی نیا مذہب [illegible] مسیح کا بھی مقصد نہیں تھا۔ اپنی پبلک زندگی کے [illegible] کہہ دیا تھا [illegible] نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں [illegible] کرنے آیا ہوں یسوع کا تعلیم کردہ مذہب وہی پرانا یہودی کلمہ [illegible] تم اپنے [illegible] خدا سے [illegible] دل سے جان سے اور امن سے محبت کرو۔ رسول اللہ صلعم [illegible] یسوع نے یہودیوں کا ایک اور کلمہ اختیار کیا "سنو اے بنی اسرائیل [illegible] خداوند [illegible] رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے بعینہ مطابق ہے۔ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ کسی سے وہ پیدا ہوا۔ اس جیسا کوئی نہیں +

مسیح اور محمد صلعم دونوں [illegible] پادریوں اور ڈیکنوں اور ان کے لوازمات [illegible] بالکل ہی نا [illegible] زمانے کے سلسلۂ کہانت پر مسیح نے [illegible] لعنت کی ہے [illegible] عہدہ داروں کی ہستی سے بیخبر تھے۔ جو کہانت کا دعویٰ کرتے ہیں [illegible] پوپ یا کارڈینل یا محترم خدائی باپ یا بہت محترم ڈین [illegible] ڈیکن [illegible] اشخاص انجیل کی باگیں نہایت ڈھیلی [illegible] مسیحی اشاعت مذہب کے لعنت آمیز کلمات [illegible] الاپتے ہیں [illegible] ساتھ دے رہے ہیں

ملہ کلیسیا کا عہدہ دار +

یا زمانہ حال یا سابق کے کسی غیظ آلود مذہبی مباحثہ میں حصہ لے رہا ہے۔ ایک لحاظ سے رسول اللہ صلعم کا مشن اپنے تقریباً تمام پیشروؤں کے مشن سے مختلف تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کے مشن سے تو ضرور اختلاف رکھتا تھا۔ کیونکہ محمد صلعم معجزے دکھانے کی عادت نہیں رکھتے تھے آپ کی تعلیمات نشانات اور اعجازات کی شہادت سے مستغنی تھی۔ عہد نبوت کے آغاز میں ہی آپ نے واضح کر دیا تھا۔ کہ میں معجزے دکھانے نہیں آیا۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم معجزے طلب کرتے ہو۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ کو معجزے دکھانے کی طاقت عنایت فرمائی تھی۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ فرعون نے اُسکے معجزوں کی پرواہ نہ کی۔ اُن کو جادوگری کا الزام دیا۔ اور اس نے ان کو اور انکی قوم کو ملک بدر کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ غرق ہوا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ سے معجزے طلب کر کے فرعون کی سی سزا کا مستوجب بننا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ہستی کا ثبوت نظام قدرت میں کوئی حقیقی تبدیلی کر کے نہیں دیا ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ انسانی دل اور اسکی عادات میں تبدیلی پیدا ہو نہ کہ نظام قدرت میں تبدیلی انسان کے اندر ہونی چاہئیے نہ کہ باہر +

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن یہ تھا کہ نوع انسانی کے سامنے وہ مذہب پیش کیا جائے جو کہ واقفیت اور تجربہ پر مبنی ہو نہ کہ تخیل پر۔ مذہب کی ابتدا تجربہ یعنی ذاتی معرفت سے ہوتی ہے گو اس کا خاتمہ مذہبی مباحث پر ہو لیکن اس حد تک پہنچ کر وہ مذہب نہیں رہتا۔ یہ ضروریات انسانی کا جواب ہے یہ انفرادی معرفت ہے جو لوگ اپنی زندگی کے تجربہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور جو ذاتی انا کو ایک بہت بڑی طاقت کی طرف اُبھارتی ہے۔ مصنف کیفیات معرفت مذہبی لکھتا ہے:-

"کم از کم ایک لحاظ سے انفرادی مذہب دینیات سے زیادہ بنیادی اور اساسی ثابت ہوتا ہے طریقت جب ایکدفعہ قائم ہو جاتی ہے تو روایات مستعار پر زندہ رہتی ہے۔ لیکن ہر ایک طریقہ کے بانیوں کی قوت کا راز اصلی اس تخاطب و تکلم میں ہوتا ہے۔ جو وہ ذاتی طور پر براہ راست ذات باری سے رکھتے ہیں +

بس ذاتی مذہب اب بھی اساسی اور اصلی معلوم ہوتا ہے"۔

اگر مذہب کچھ حقیقت رکھتا ہے تو ضروری کہ وہ ذاتی معرفت پر مبنی ہو۔ ہم دوسروں کے تجربے کو

انحصار نہیں رکھ سکتے۔ ہم ان کے تذکرہ سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں لیکن ہماری زندگی کا مدار ان پر نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر آرچرڈ موجودہ مذہبی تنزل و انحطاط کا علاج حسب ذیل تجویز کرتا ہے (مستقبل مذہب صفحہ ۷۳)

"زمانۂ مستقبل میں صرف وہی مسیحیت زندہ رہ سکتی ہے جو ان اجزا کے اختلاط سے جو ایکدوسرے سے الگ ہو کر آج تک منتشر رہے ہیں۔ اور ان عناصر کی باہم آمیختگی سے جو آج تک باہم نہیں ملے ہیں بنائی جائے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مذکور کو یا اسی زمانے کے کسی اور داعی مذہب کو نہیں سوجھا ہے کہ مذہب کی موجودہ ابتر حالت کا یہی علاج ہے کہ اللہ تعالے کی سیدھے طور سے پرستش کیجائے اور اسکی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر آرچرڈ کہتا ہے کہ "دین مسیحی کی ہر ایک نوع رو بہ تنزل ہے اور اسکی نوعیت ہی اس کے تنزل کی وجہ ہے ہر ایک کی خوبیوں کی تردید اسکی یکطرفہ اور غلط شہادت سے ہو جاتی ہے"۔ کیا اسلام کی حیرت انگیز کامیابی کی بڑی وجہ اس واقعہ میں مضمر نہیں ہے کہ یہ ان شرائع اور اعتقادات سے جو رسول اللہ صلعم نے تعلیم کئے تھے کبھی گمراہ نہیں ہؤا۔ رسول اللہ صلعم کے ابتدائی ایام تبلیغ میں جبکہ اس مذہب کو اسکے کم مایہ آغاز کی وجہ سے نظر حقارت دیکھا جاتا تھا۔ اور اس کے بانی اور اسکے پیروؤں کو ہر طرف سے ستایا جاتا تھا کس کو یہ دعوی کرنے کی جرات ہو سکتی تھی کہ وہ مذہب جس کا القا آپکے نورانی دل پر ہؤا اور جو آپنے دُنیا کے سامنے پیش کیا اس قدر بڑھے اور پھیلیگا کہ آج اندازہ کیا جاتا ہے کہ دُنیا بھر میں اسلام کے نام لیواؤں کی تعداد جو اس کرہ کے ہر ایک خطے میں مل سکتے ہیں ۲۵ کروڑ سے کم نہیں دُنیا اس امر کی متلاشی نہیں ہے کہ اعتقاد کو از سر نو مرتب کیا جائے۔ بلکہ دُنیا اس جستجو میں ہے کہ ایک حقیقی مذہبی احیا ہو۔ وہ احیا کسی ایسے عقیدہ کے قبول یا ترمیم سے نہیں ہوگی جو پہلے مسترد ہو چکا ہے۔ بلکہ ایک نئی تحریک کو تسلیم کرنا ہوگا جو کہ فی الحقیقت پُرانی ہی تحریک ہوگی جو روح میں ایک تڑپ پیدا کر رہی ہوگی۔ لوگ چرب زبانی کے ساتھ "نیا مذہب" "نیا خیال" "بلند خیال" وغیرہ جملوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کا الہام کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ جس امر حق کا اعلان یہاں کیا جاتا ہے۔ اور جو دُنیا کی ہر ایک مسجد میں سکھایا جاتا ہے۔ یہ وہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلعم

نے دنیا کو سکھائی اور جو آپؐ کے تمام پیشرووں نے سکھائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مذہب ہے۔ عہد حاضر کے مذہبی انتشار کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک ایسی چیز کے متلاشی ہیں جس کے بارہ میں مسیحیت خاموش ہے۔ لیکن جو مسیح کی تعلیمات کا لُب لباب تھی۔ یعنی ایک ایسا مذہب جو عقل علم اور تحریم کے مطابق ہو۔ اور جس میں رضاء الٰہی قوت متحرکہ ہو۔ اس قسم کی تعلیمات کی ضرورت نہیں کہ ایک خدائی ہستی لباس مجاز میں اوتار بن کے آجاتی ہے۔ اس قسم کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی توحید کے سخت منافی ہے بلکہ ضرورت یہ ہے کہ مذہب روزانہ زندگی میں شامل نظر آئے۔ آج بھی بُت پرستی ایسی ہی پھیلی ہوئی ہے جیسی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ لکڑی اور پتھر کے بُت نہیں پوجے جاتے +

رسول اللہ صلعم کی اپنے مشن میں کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے قرب کو یقینہ جان لیا۔ اور معلوم کر لیا کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخاطب اور تکلم ممکن ہے۔ جُوں جُوں آپؐ پر لُٹ زیادہ ہوتا گیا اور کثرت پکڑتا گیا۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ سے آپ کا قرب بڑھتا گیا اور زیادہ مضبوط ہوتا گیا۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے مصیبت جس قدر زیادہ ہو۔ اللہ سی قدر زیادہ نزدیک معلوم ہوتا ہے۔ اس جنگ میں بہت سی باتیں عیاں ہوگئی ہیں۔ اور ان میں سے نہایت ہی اہم یہ ہے۔ کہ ہم سابق میں رُوحانی قوت کو شمار میں نہیں لاتے تھے۔ رسول اللہ صلعم جنگ کے زمانہ میں بھی رُوحانی قوت کو بڑا درجہ دیتے تھے۔ اسلام اور مسیحیت کی ابتدائی تبلیغ میں ایک اور فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ جہاں یسوع کے پہلے پیروا دنےٰ پیشہ ور اور اکثر نچلے طبقے کے لوگ تھے۔ وہاں رسول اللہ صلعم کے پہلے پیرو ماسوائے آپؐ کے غلام کے نہایت مُعزز اور ذی مقدرت لوگ تھے۔ رسول اللہ صلعم خود عرب کے نہایت ہی معزز قبیلہ سے تھے۔ گو اس زمانہ کے حالات کے مطابق اُمّی تھے۔ آپؐ کی پیدائش یا زندگی کوئی راز سربستہ نہیں ہے۔ نبوت عطا ہونے پر آپؐ نے اپنی پوزیشن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا کہ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے۔

حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ:-

ہم نے کھانا پکانے کے لئے ایک ماہ تک متواتر آگ نہیں جلائی۔ ہم صرف کھجوروں اور پانی پر گذران کرتے تھے۔ بشرطیکہ کوئی اور آدمی ہمیں گوشت نہ بھیج دیتا ہو۔ رسول اللہ صلعم

کے گھر کے آدمیوں کو کبھی بھی دو دن متواتر گندم کی روٹی میسر نہیں آئی" +

رسول اللہ صلعم اگرچہ خود اُمّی تھے لیکن آپ نے تحصیل علم کو منع نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی اس پر کوئی بندشیں عاید کیں۔ برخلاف اس کے آپ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ عالم کی سیاہی شہدا کے خون کے برابر قدر رکھتی ہے۔ مسلمان قیام اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دنیا بھر کی قوموں میں نہایت ہی وسیع الخیال اور روشن دماغ ہو گئے۔ ادب ایشیا کے مقالہ میں سر ولیم جونز کہتا ہے کہ شارع اسلام نے مسلمانوں کو صریح حکم دیا ہے کہ وہ علم حاصل کریں خواہ اس مقصد کے لئے انہیں روئے زمین کے بعید ترین مقام تک جانا پڑے +

اسلام اصلی تمدن کا مذہب ہے یہ عام طور پر مانا جا چکا ہے کہ جو قومیں روحانیت کے لحاظ سے نہایت تاریکی میں ہیں وہ بلا تخصیص نہایت غلیظ رہتی ہیں۔ بخلاف اس کے توہم پرستی عموماً دوش بدوش رہتی ہیں۔ لیکن اسلام کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اسباب میں مضمر ہے کہ رسول اللہ صلعم کی غرض واحد اللہ تعالیٰ کی تقدیس تھی۔ آپ نے شان کبریائی اور ذات لایزال کے ساتھ مماثلت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اور آپ کے پیرووں نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ انسان سے زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ مجھے ایک پیغام پہنچانا ہے۔ اور ایک مشن پورا کرنا ہے اور آپ نے اس مشن کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ تمام زندگی میں حلم آپ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی +

واشنگٹن ارونگ کہتا ہے کہ آپ کی جنگی فتوحات سے آپ میں کوئی فخر یا تکبر پیدا نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس حالت میں ظاہر ہوتا اگر ان فتوحات کا مقصد خود غرضی ہوتی۔ نہایت ہی سطوت و جبروت کے زمانہ میں بھی آپ نے وضع اور اخلاق میں وہی سادگی قائم رکھی جیسی کہ مصائب کے زمانہ میں تھی۔ شاہانہ جلال کا اظہار تو درکنار۔ اگر کسی کمرے میں داخل ہونے پر غیر معمولی تعظیم کیجاتی تو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ ہمہ گیر حکومت کرنے کا ارادہ اگر تھا تو صرف مذہب کی۔ ورنہ دنیاوی حکومت جس کا پودا آپ کے ہی ہاتھوں بڑھا اور پھولا پھلا۔ آپ نے نہ تو اسکو ذاتی شان و شوکت کا ذریعہ بنایا۔ اور نہ ہی اُسے اپنے خاندان میں رکھنے کے لئے کوئی کارروائی کی۔ نماز آپ کا دوامی شعار تھا اور آئندہ کے لئے اُمید صرف اللہ تعالیٰ کے رحم پر بھروسہ تھا۔ عاقبت کی خوشی اور امن کی تمام اُمیدیں آپ نے اللہ تعالیٰ کے رحم پر چھوڑ رکھی تھیں

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت سے ایک موقعہ پر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ کے رحم کے سوائے اور کسی طریق سے کوئی انسان بھی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ رسول صلعم نے صاف طور اور نہایت زور سے فرمایا۔ کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ کوئی نہیں"۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پھر پوچھا "لیکن یا رسول اللہ کیا آپ بھی اس کے رحم کے سوائے داخل نہیں ہو سکتے"۔ رسول اللہ صلعم نے تین دفعہ نہایت سنجیدگی سے فرمایا۔ "میں بھی بہشت میں داخل نہیں ہونگا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رحم کی چادر سے مجھے ڈھانپ دے"۔

مسیحیت کو اس سادہ صورت سے جس کا سبق مسیح نے پڑھایا تھا۔ اس کے مفسروں نے یہاں تک بگاڑا ہے کہ اب وہ علم الٰہیات کا ایک مقالہ رہ گئی ہے جس پر عمل کرنا ناممکن ہے برخلاف اس کے اسلام نے اپنی تمام تاریخ میں اپنے عملی پہلو کو قائم رکھا ہے۔ میں ڈاکٹر آرچرڈ کا ایک اور اقتباس پیش کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے :۔

"یہ ممکن ہے کہ جنگ سے پہلے کسی کو بھی دین عیسوی پر اتنا ایمان نہ ہو کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو سکے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم نے کچھ ترقی کی ہے جبکہ وہ لوگ بھی جو عیسائی ہونے کا اقرار کرتے ہیں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہونا چاہئے"۔

دُنیا کو خدا کی پیاس ہے اس کو کسی خیالی فلسفہ کی ضرورت نہیں جس پر عمل نہ ہو سکے۔ اس کو کسی ایسے ایمان کی ضرورت نہیں جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور جس سے انسانی مساعی کی ناکامی عیاں ہو جبکہ نصرت غیبی خضر راہ نہ ہو۔ اسکو ایک مذہب کی ضرورت ہے۔ جس پر زندگی کا مدار ہو نہ کہ محض عقیدہ ہی ہو۔ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو صاف اور واضح ہو۔ اور عقل کے مطابق ہو جو حال کے ایک مصنف کے الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہے کہ صلیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا معاف نہیں کرتا جب تک کہ پہلے ایک انسان کا خون بہا دیا جائے"۔ رحم اللہ تعالیٰ کی عین فطرت ہے لیس اس رحم کے استعمال کیلئے کسی رشوت کی ضرورت نہیں۔ وہ الرحمن یا اللہ یا مولےٰ تو قادر مطلق ہے۔ تو ہی ہمارا حافظ ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب تیرے ہی فضل سے ہم کو ملا ہے۔ ہماری زبانیں اور جانیں تیری ہی تقدیس میں لگی ہیں

پس ہم تیرے ہی عشق کے گیت گاتے ہیں۔ اور اسی میں ہم خوش ہیں ہماری آواز ملائک کی آواز سے ملکر تیری حمد و ثنا کرتی ہے۔ ہر ایک مومن ابد الآباد تک نہایت خوشی سے تیرے عشق کے راگ گائیگا۔

توبہ

از قلم جناب جے۔ بی فورڈ۔ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نو مسلم

ایک انسان پر خواہ وہ رُوحانیت میں کیسا ہی میلان رکھتا ہو۔ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ اس راستے سے جس کی پیروی رب حکیم نے کمال محبت اور ربوبیت سے اس رُوحانی فطرت کی حقیقی تعمیر کے لئے تمام بنی نوع انسان مسلم اور غیر مسلم پر اگر وہ واقعی خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں یکساں مقدر کی ہے بھٹک جاتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ ہر ایک انسان خواہ وہ کتنا ہی رذیل شریر اور ذلیل ہو ایک وقت کے بعد ضرور خدا کو دیکھیگا۔ ہر ایک فرد کی زندگی میں خواہ وہ موقع دُنیا یا آخرت میں ہو۔ ایک ایسا نازک وقت آئیگا کہ اسمیں اس اعلیٰ مُدعا یعنی دیدار الٰہی کیلئے جدوجہد کرنے کا کامل شعور پیدا ہو جائیگا اور باوجود بہت سے نقائص۔ مایوسیوں۔ تکالیف دکھوں اور ابتلاؤں کے جو کہ اسکو غیروں اور اپنے نفس سرکش سے پہنچینگے وہ ترقی کے زینے پر قدم رکھیگا جس سے اُسکو کوئی نہ اُتار سکیگا۔ اگرچہ وہ متعدد دفعہ ایک یا دو دفعہ منزل نیچے اُترنے پر مجبور کیا جائے۔

جب ایکدفعہ دل میں یہ امر گھر جائے کہ اتفاقیہ خطائیں ہمیشہ کیلئے ملعون نہیں بنا دیتیں۔ تو مایوسانہ سوزش اُمید سے متبدل ہو جاتی ہے۔ اور صحیح مُدعا کے لئے جدوجہد جوش اور ترتیب نفس کے ساتھ ساتھ زیادہ روشن اور ممکن الحصول نظر آنے لگتا ہے رُوحانی مایوسی کی نے شور جزع فزع کی جگہ لے لیتی ہے۔ دراصل رُوحانی مایوسی رُوح کے لئے ایک نہایت خطرناک حالت ہے۔ اس سے اپنے اور دوسروں کے اخلاق سے مطلق بے پروائی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں فہمائش اور تنبیہ پر ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے۔ کہ کیا سچ ہے۔ فی الحقیقت دل کی یہ ایک قابل افسوس حالت ہے۔ جو کہ محض فضول بیجا اور نامعقول ہے صحیفۂ قدرت میں جب کو ہم اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ تیز آندھی درخت کی ایک شاخ کو توڑ دیتی ہے۔ مگر موسم بہار

ہیں درخت پھر ہرے بھرے ہو جاتے ہیں گل و شگوفہ نکالتا ہے۔ قدرت اپنے انداز پر درخت کی کامل تباہی کو روکنے کا سامان مہیا کر کے آندھی کے تباہ کن اثر کو مٹا دیتی ہے۔ انسان کے روحانی نشوونما کا بھی بعینہ یہی حال ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے کمال رحم سے اخلاقی اور روحانی نقصان کے دفعیہ کا علاج مہیا کیا ہے اور وہ علاج توبہ ہے۔ جب ایک گنہگار اپنے جرم کا اعادہ کرے۔ ہر ایک بار کی توبہ سے نفس پر قابو ترقی پاتا ہے۔ اور گناہ اور بدی کا میلان نسبتاً کمزور ہوتا جاتا ہے۔ ہر ایک سچی توبہ کے ساتھ جو کہ فی الحقیقت روح کا طلب نصرت کیلئے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑانا ہے۔ انسانی سیرت اس ایک ہی مستحکم بنیاد یعنی سچے جوش سے مرضی مولا کی جستجو کرنے پر قائم ہو جاتی ہے +

سچی توبہ کا معیار آئندہ گناہوں سے مقابلہ کرنے میں ہے یعنے جسقدر توبہ سچی ہو گی اتنا ہی گناہ کے مقابلے کی طاقت زیادہ ہو گی۔ اسمیں اور محض انفعال میں فرق ہے جو کہ ضرورت کے پورا ہونے اور معاملات کے برقرار ہو جانے پر بھلا دیا جاتا ہے۔ سچی توبہ باوجود ناکامیوں کے کوشاں رہتی ہے تاوقتیکہ بدیوں پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے +

ہمارے مذہبی عقائد ہماری توبہ کی کیفیت اور ہمارے چال چلن پر اس کے اثر کی تعیین کرتے ہیں۔ اگر ہم اتنا ہی یقین کر لیں کہ کسی عقیدے پر محض ایمان رکھنا ہی کافی ہے۔ اور اعمال حسنہ ایک ادنےٰ گو مفید اضافہ ہیں تو توبہ اسقدر پُر معنی اور موثر نہیں ہو سکتی جیسی کہ ہونی چاہئے مجرمانہ کرب کی حالت جو مایوس کن اور لاعلاج ہو بیکار نہیں بلکہ اس اعلےٰ امید کی ضرورت ہے کہ ہر ایک انسان نوع تکمیل کو حاصل کر سکتی ہے۔ اور گناہ صرف اس ارادے کو تہ و بالا کرنا ہے جو زندگی کو کامل بناتا ہے۔ سچی توبہ بس یقینی علم کا اظہار ہے کہ خدا نے ہر انسان کے بس میں چند قوےٰ رکھے ہیں جو کہ اسکی روحانی ترقی کیلئے ضروری ہیں۔ اور یہ کہ انسان کا ان قویٰ کا بیجا مصرف اور اس صحیح ارادے کو پس پشت ڈالنا ہی گناہ ہے +

ہماری استعدادیں یکساں نہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہماری ذمہ واریاں بھی یکساں نہیں مگر گناہ کا معیار ہر حال میں ایک ہی ہے۔ ہمارے لئے اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنے قویٰ کا صحیح استعمال کیا ہے یا نہیں۔ اگر ہم نے نہیں کیا۔ تو ہم نے گناہ کیا۔ توبہ کا معیار بھی یہی ہے۔ الٰہی ارادوں کو بجا لانے کیلئے سچی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کا فضل مانگنا چاہئے۔ بس پھر کیا ہے۔ الٰہی نور کمال آب و تاب سے روشن و ہویدا ہو جاتا ہے +

کوئی بھی ایک مزدور سے بغیر تعلیم و تربیت کے ساز بجانے کی توقع نہیں کرتا اسیطرح توبہ کی بھی

دوسری کامیابی کی توقع نہیں کیجا سکتی قبل اس کے کہ یہ مجموعہ ثابت ہو۔ انسانی روح کو تو بہ بھی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ توبہ کا صحیح استعمال و مفہوم جسمیں میرے نزدیک اصلاح بھی شامل ہو ایک کامل روحانی ہتھیار ہے جس کی قدر و قیمت اس کے استعمال سے بڑھتی ہے۔ یہ انسانی جسم و ارادے کو ایک پراگندہ اور بے جوڑ ہیئت سے ایک خوشی اور روز افزوں ترقی کی طرف جو خدا تعالیٰ نے اسکے لئے ارادہ کیا ہے لے آتی ہے +

اس سوال کا جواب کہ توبہ کے بارے میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر کہاں فوقیت ہے نہایت آسان ہے۔ اسلام اصلاح و اندرونی تبدیلی کو ہی توبہ کی علامت ٹھیراتا ہے۔ میرے توبہ کے مفہوم میں اصلاح بھی شامل ہے۔ توبہ جس کے بعد چال چلن میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اگرچہ بعد از تبدیلی نئے ابتلاؤں میں مبتلا ہو جائے محض انفعال ہے۔ توبہ کے صحیح مفہوم میں اصلاح بھی شامل ہے۔ اور اصلاح کے بغیر گو اسمیں کمزوری آجائے توبہ توبہ نہیں کہلا سکتی۔ اسلام اسی بات پر زور دیتا ہے کہ عمل اور نیت دو چیزیں ہیں جن سے چال چلن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ زبانی قیل و قال جبتک مسلمہ عقائد کے ہمراہ عمل نہیں رکھتی روح کیلئے ہرگز مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسلام تمام دنیا کے مذاہب سے اعلےٰ پایہ رکھتا ہے۔ اور محض عقائد پر ایمان رکھنا نجات کا دارومدار نہیں ٹھیراتا۔ بلکہ نہایت سادگی و وضاحت سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر ایک انسان مومن یا کافر اس دنیا یا آخرت میں اپنے ہی اعمال سے اپنی عاقبت کی تعیین کرتا ہے۔ جس سے کوئی چیز سادہ اور پر معنی نہیں ہو سکتی +

اسلامک ریویو:- عیسوی کلیسا جیسا مذہب جو کہ ایمان کو ہی نجات کی کنجی سمجھتا ہے اور اعمال کو ایک ناکارہ شے کی طرح پس پشت ڈالتا ہے۔ جیسا کہ مارٹن لوتھر کا خیال ہے قدرتاً توبہ کو انفعال کے مترادف سمجھیگا۔ اگر ایمان تو بہ تمام ہی ایک فعل ہے جو سب کی تمام ضروریات کو پورا کر دیتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ انفعال کو توبہ نہ سمجھا جائے لیکن اسلام میں ایمان بغیر از عمل کے بے سود شے ہے۔ اور اسی لئے توبہ بغیر از اصلاح یا بالفاظ دیگر اس جگہ پر واپس آنا جہاں سے کوئی غلط رستہ پڑ گیا تھا۔ ایک بے معنی چیز ہے۔ سارے قرآن کو ملیٹ جاؤ۔ کہیں ایمان کا ذکر بغیر از عمل نہ پاؤ گے "۔ وہ جو کہ ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لئے جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاتی ہونگی "۔ یہ مضمون ہے جو قرآن کریم میں آسمانی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے بار بار بیان

کیا گیا ہے جو کہ صاف بتاتا ہے کہ یہ سماوی یا نعمات جو ہمیں آخرت میں ملیں گے ہمارے ایمانیات ہی ہیں جنکی ہمارے اعمال دائمی بہتریں پیدا کریں گی۔ خود ایمان کا لفظ جو عربی میں عقیدے کا قائمقام ہے نہایت ہی پُر معنی ہے اس کے معنی عقیدے نہیں جو ایک دماغی اختراع ہے بلکہ اس کے معنے ایسے عقیدے کے ہیں جس کا اظہار اعمال سے کیا جائے۔ وہ زبان جو قرآن میں اس کی سچائیوں کے سکھلانے کے لئے استعمال کی گئی ہے اور بعض اوقات وہ خاص الفاظ جو ایک خاص خیال کے اظہار کے لئے منتخب کئے گئے ہیں بذات خود اسقدر فصیح ہیں کہ کسی شرح کے محتاج نہیں۔ وہ تمام الفاظ جو قرآن میں گناہ کیلئے استعمال کئے گئے ہیں ان کے لفظی معنی خاص حدود سے علیحدہ ہونا یا تجاوز کرنا ہے یا بالفاظ دیگر خلاف ورزی کرنا ہے خاص تجویز کردہ حدود میں رہنا اسلام میں نیکی ہے۔ اور ان سے تجاوز کرنا گناہ اگر قرآنی اصطلاح میں گناہ کی یہ تعریف ہے تو کیا یہ اس امر کیلئے کافی نہیں کہ اسلامی نقطۂ خیال سے توبہ سے مراد غلطی پر مصر ہوتے ہوئے اظہار پشیمانی نہیں بلکہ اس سے مراد اپنے نقش قدم پر اس مقام پر آنا ہے جہاں سے ہم بچھڑ گئے تھے۔ بہرحال اس امر پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ عربی لفظ توبہ جو قرآن میں Repentance کے لئے استعمال کیا گیا ہے کے بھی لفظی معنی رجوع کرنا ہے پس جہاں ذنب۔ اثم جرم (عربی الفاظ جو گناہ کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں) لفظی طور پر تجاوز کرنے یا منزل مقصود سے ہٹ جانے کے مفہوم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ وہاں توبہ یعنی ریپنٹنس کا مفہوم اس مقام کی طرف پھر رجوع کرنا ہے +

خدا کی صفت تواب یعنی بخشنہار کے بھی لفظی معنی بڑا رجوع کرنیوالا ہیں جس سے اسلامی نقطۂ خیال سے خدا کی صفت بخشش کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ جو کہ ہر ایک کے اعمال پر منحصر ہے۔ اگر تم خدا کی حد سے تجاوز کرو گے۔ تو وہ بھی اپنا منہ تم سے پھیر لیگا۔ اور تم خدا کی لعنت کے نیچے آجاؤ گے لیکن اگر تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ بھی رجوع کریگا۔ کیونکہ وہ بڑا رجوع کرنیوالا ہے۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم خدا کی طرف ایک قدم آؤ گے۔ تو وہ تمہاری طرف ایک میل آئیگا۔ اس کا فضل اور اس کا غضب تمہارے طرز عمل پر منحصر ہے۔ کیا صحیفۂ قدرت بھی اسی سچائی کی تصدیق نہیں کرتا ہے۔ اگر تم اپنی کھڑکی کو بند کرلو۔ تو تم دھوپ اور روشنائی سے محروم ہو جاتے ہو۔ تمہارا اپنا فعل خدا کے ایک فعل کا باعث ہوا۔ اور اس مثال میں وہ فعل تاریکی ہے۔ مگر یہ فعل تمہارے کھڑکی

کے بند کرنے کے عین برابر ہے۔ لیکن کھڑکی کو کھول دو تو تاریکی کے مقابل پر دس گنا دُھوپ اور روشنی آجاتی ہی۔ اور یہ نعم البدل بھی تمہارے ہی فعل کا نتیجہ ہے۔ قرآن خدا کی کتاب بھی یہی کہتی ہی کہ تمہاری ایک بدی کے عوض اتنی ہی سزا دیجائیگی۔ لیکن تمہاری ایک نیکی پر دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر دیا جائیگا"۔ بدقسمتی سے مغرب میں مذہب نے نجات کا ایک نہایت ہی ادھورا اور غلط نقشہ پیش کیا ہے ہمارے نزدیک نجات سے مراد ہمارے قوی کی تکمیل ہی جس کے لئے ہمیں ایک خاص نصاب پر عمل کرنا ہی۔ اسی لئے اپنی ترقی کے لئے ہر ایک قدم جو صراط مستقیم سے ادھر یا ادھر پڑ گیا ہے واپس لینا ہوگا۔ کوئی ندامت اور پشیمانی ایک مسافر کو اس مقام پر کہ جہاں منزل مقصود کا سیدھا راستہ واقع ہے۔ اور جہاں سے وہ بھٹک گیا ہے واپس نہیں لا سکتی بلکہ لازمی ہی کہ وہ واپس ہو کر اپنا سفر پھر شروع کرے۔

"کرس" جسے عربی میں لعنت کہتے ہیں اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے لفظی معنی خدا کے فضل اور رحم اور ان مقامات سے جہاں اس کے رحم کی بارش ہوتی ہی دور رہنا ہے۔ کیا ہمارے سیارے پر بعض مقامات مثلاً صحرا ایسے واقع نہیں ہوئے۔ جو کہ اپنی سیرابی کے لئے بادل اور مینہ کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکے۔ اور اگر بارش خدا کی ایک نعمت ہے تو کیا یہ مقامات اپنے گرد و نواح کے باعث لعنت کے نیچے نہیں +

حضرت محمد صلعم کی شخصیت

(از جناب یحییٰ النصر پارکنسن)

ایک ہفتہ وار اخبار نے تھوڑے دن ہوئے کہ بارہ مشہور اشخاص سے پوچھا کہ ان کے نزدیک دُنیا میں سب سے بڑی طاقت کیا ہی ان میں سے چار نے بتلایا کہ محبت۔ ایک نے کہا کہ تیغ تیغی نے کہا دوسرے صاحب نے لکھا کہ خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے کا خیال۔ اور ایک مشہور فسانہ نویس نے انسانی جہالت کو سب سے بڑی طاقت قرار دیا۔ اور ساتھ ہی لکھا کہ انسان کی عقل بہت جلد سب سے زبردست طاقت ہو جائیگی۔ باقی چار نے شخصیت کو ایک زبردست ترین طاقت قرار دیا

چنانچہ آخرالذکر اشخاص میں سے ایک لکھتا ہے کہ دُنیا کے ناممکن البیان عجوبات میں سے ایک چیز **شخصیت** ہے اور پھر لکھتا ہے کہ زبردست شخصیت دُنیا میں حیرت انگیز کام کر سکتی ہے اور کرتی ہے

یہ تمام باتیں جن کا اُوپر ذکر کیا گیا۔ ان معاملات میں جو ہم دیکھتے ہیں اپنا اپنا مقام رکھتی ہیں۔ جذبات اور واقعات کے ہمنے نام مقرر کر رکھے ہیں تاکہ ان میں تمیز رہے۔ اور یہ سب ملکر انسان کی حیات کا تانا بانا ہیں۔ لیکن تھوڑا سا فکر و غور کرنے پر کھلجائیگا کہ محبت نیک نیتی۔ جہالت اور بہت سی اسی قسم کی صورتیں اور صفتیں اس مجموعہ کے شخصیت کہنے میں فقط ایک جزو ہیں +

شخصیت ہی انسان کے چالچلن کا لُب لباب ہے۔ شخصیت ہی عملی خُلق و چلن ہے۔ اسی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسی کا دوسروں پر اثر پڑتا ہے۔ اور اسکی خصوصیات کے اظہار کے مطابق کشش یا نفرت ہوتی ہے۔ یہ خصوصیات و صفات خواہ کیسے ہی ہوں ان کا اثر دوسروں پر خصوصاً جو کمزور ہوں پڑتا ہے +

ہر ایک گروہ میں کوئی نہ کوئی رہنما ہوتا ہے۔ خواہ وہ ایک امر میں سرگروہ ہو۔ اور خواہ زیادہ میں۔ معمولی دنیاوی کاروبار میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک زبردست شخصیت یا خصوصیت رکھنے والا خاص کاموں میں یا کھیل کود اور تفریح کے اشغال میں یا علوم کی کسی خاص شاخ میں رہبر ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجلسوں اور انجمنوں میں ایک نہ ایک شخص ضرور ایسا ہوتا ہے۔ جس کی طرف سب کی نگاہ اُٹھتی ہے۔ جس کی تمام عزت کرتے ہیں۔ اور جو ان کے کام خواہ وہ کیسے ہوں چلاتا ہے۔ وہ شخص اسلئے دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے کہ وہ زیادہ قابل ہے۔ ان کا علم وسیع تر اور اسکی لیاقت بہت بڑھی ہوئی ہو۔ اسکی رائے صائب ہے اور وہ جلد معاملات کا تصفیہ کر کے فوراً عمل پیرا ہوتا ہے جس سے یقینی اور صحیح نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اسمیں اعلیٰ درجہ کا اخلاق ہمدردی انصاف دیانت اور سرگرمی ہے۔ دُنیا میں بہت تھوڑے انسان ہیں جنمیں یہ تمام باتیں پائی جائیں۔ اکثر میں یہ صفات بالعموم پائی ہی نہیں جاتی لیکن ایک کافی حصہ ایسا بھی ہے جو ان صفات کی وجہ سے اسے دیگر ہمجنسوں پر سبقت لیجاتا ہے +

وہ چھوٹا سا گروہ جن کی روتیہ اور چلن سے ان صفات کا پانا میں سے بہت سی صفتوں کا ثبوت ملتا ہے وہ قوم کے پیشوا یا ولی یا پیغمبر ہوتے ہیں ۔ عام لوگ تو قلیل تعداد اور اثر رکھتے ہیں لیکن یہ گروہ بیشمار لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں ۔ انکی خیالات کو تبدیل کر دیتے ہیں اور اُن میں ایک نئی رُوح پھونک کر ان کے عادات اور رسُومات بالکل اُلٹ دیتے ہیں ۔ اُن کی تعلیمات اور نمونے انسانی قوموں کے اعتقادات اور اعمال کی پُشت در پُشت بنیاد بن جاتے ہیں ۔ یہ لوگ صرف اپنے ہی زمانہ کیلئے نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کے لئے مُصنّفوں اور مورخوں نے نوع شخصیت کے بارے میں شاذونادر ہی ذکر کیا ہے جس کی وجہ غالباً یہ خیال کی گئی ہے کہ یہ ایک عارضی بات ہے اور حالات زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مجموعہ خیالات ہے ۔ جو کہ غیر مستقل ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ واقعات زندگی ہمارے دماغ کے سامنے پیش ہو کر قوت حافظہ کے سپرد ہوتے ہیں ۔ اور تمام سلسلہ یادداشتوں کا بہیئت مجموعی شخصیت کہلاتا ہے انسان کی شخصیت اسکی زندگی کی تاریخ اور اسکے تجربات کا مجموعہ ہے ۔ یہ بھی لکھا کہ شخصیت ہر وقت نئے حالات کے مطابق چلنے کی طاقت کا فقط نام ہے +

بادی النظر میں انسان کی شخصیت کا مسئلہ ایک مہمل سا نظر آتا ہے ۔ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بحث کرنا بہت مشکل ہے ۔ لیکن بعد میں یہ مشکل بالکل سطحی دکھائی دیتی ہے ۔ شخصیت ۔ مجموعہ خیالات سے بالاتر چیز ہے ۔ پھر ان خیالات کا اظہار ہر انسان اپنے الفاظ اور اعمال سے اپنے چال چلن اور اخلاق کو ظاہر کرتا ہے +

شخصیت کی تشریح ۔ ان صفات کی گویا داستان واظہار ہے جن کے اجتماع سے وہ طاقت پیدا ہوتی ہے ۔ جو لوگوں کو کھینچتی ہے ۔ اور اُن کے دل میں محبت اور مادہ تقلید پیدا کرتی ہے ۔ اور اس شخص کو جسمیں وہ طاقت ہوتی ہے ۔ دیگر اشخاص سے بالا کر دیتی ہے +

سنہ ۶۰۰ عیسوی کے اخیر میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں ایک نہایت خوبصورت

نوجوان چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ یعنی وہ جوان جسمیں اُس قسم کے صفات ممیز طور پر نظر آتے ہیں جو اعلےٰ ترین اور شریف ترین شخصیت کا خاصہ ہیں۔ اور جس کی نظر فوراً دوڑتی ہے۔ اور انسان کہہ اُٹھتا ہے کہ وہ عبداللہ کا لڑکا جا رہا ہے۔

اِس نوجوان کے لئے مقدر تھا کہ وہ ایک قوم کو از سرتاپا چند سالوں میں ہلا دیئے۔ اور مذہبی خیالات کی رو کو تبدیل کر دے۔ ان کے تمدن میں نئی زندگی ڈال دی۔ ان کے عادات اور ان رسومات کا مقابلہ جو صدیوں سے متبرک خیال کی جاتی تھیں صفایا کر دے۔ اور قوم کو غفلت سے جگا کر ان میں جستی پھونکدی۔ اور اسے ایسی راہ پر کھڑا کر دے۔ جس پر چلکر وہ حکومت اور تہذیب تک پہنچ جاویں نیز اس قوم میں ایسی رُوح پیدا کر دے جو اسے دُنیا کی دیگر اقوام پر فوقیت دے۔ اور اسے جہالت کی تاریکی سے نکالکر روشنی میں لائے۔ اور توہمات۔ بدکاری اور بت پرستی کو چھڑوا کر تعلیم سائنس صنعت و حرفت۔ نیک اخلاق اور خدائے واحد کی پرستش کی طرف لیجائے۔ اور اس طرح گندی اور ذلت کی زندگی سے نکالکر انہیں پاکیزگی اور ترقی کی راہ بتلائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس جوان کی تاریخ افسانہ سے بھی عجیب تر ہے۔ گویا ایک صحیح واقعہ داستان سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔

حضرت محمدؐ جیسا انسان ہی دیگر لوگوں میں اپنا سا اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ آپ نے وہ اخلاق صرف ان لوگوں ہی میں پیدا نہیں کئے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بلکہ ان میں بھی جو آپ کے متعلق پڑھتے یا سُنتے تھے یا آپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مطالعہ کرتے تھے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ لین پول صاحب نے ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سوانح پڑھنے والا کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جو آپ سے محبت نہ رکھے۔ اور جو انسان دیانت ہمت اور جوش کی قدر کرنیوالے ہیں۔ وہ آپ کی قدر کرنے سے رُک نہیں سکتے۔ آپ کی شخصیت بڑی زبردست اور سب پر غالب آنیوالی تھی۔ کیونکہ وہ ان تمام صفات کی تفسیر ہے جو نسل انسانی کو ہر ایک اعلیٰ ترین اخلاق کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور جس سے انسان کی اشرف اور برتری اوج کا ثبوت ملتا ہے پس ایک ہی انسان میں ہم اُس قسم

کی اعلیٰ شخصیت کو پاتے ہیں جو خیال میں آسکتی ہو یعنے وہ انسان جو ایسا قابل ہو اور جس کے لئے مقدر تھا کہ وہ انسانوں کی رہبری کرے۔ اپنے بھائیوں کے اخلاق اور خیالات کی اصلاح کرے۔ اسکو بلندی کی طرف لیجائے۔ اور باوجود ان کی نرالی عادات کے انہیں ترقی کی راہ دکھلائے اور اس طرح ان کی زندگی بہتر اور پاکیزہ بنائے۔ آپ نے نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں پر ہی اثر ڈالا بلکہ آپ کے بعد کے آنیوالی پشتوں پر بھی اور ان میں ایسے خیالات پیدا کر دیے۔ جو ہمیشہ عروج کی طرف لیجاتے ہیں +

زمانۂ ماضی کی تصویر پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہمیں اس کے دور کے حصہ پر ایسی شکلیں دکھائی دیتی ہیں جو ہم سے صدیوں پہلے کی ہیں وہ بری بڑی ہیں مگر دھندلی انہیں اصلی صورت میں ظاہر کرنے کیلئے ہم اکثر نادانستہ اُن کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان میں نہیں لیکن جس شخص کے متعلق کوئی فیصلہ دیا جاتا ہے۔ اس کے ہمعصروں کی رائے اور کارروائیوں سے جو شہادت بہم پہنچتی ہے اُسے کسی قسم کا تخیل تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی طرح کی نکتہ چینی اسکی تردید کر سکتی ہے جو باتیں ہمعصروں کے ذریعہ پہنچتی ہیں وہ آیندہ کے لئے رہنمائی کرتی ہیں بشرطیکہ اپنی صفائی اور متانت کے ساتھ مورخانہ نکتہ چینی کیجائے +

کسی مذہبی معلم کے خیالات کی نسبت اسقدر واقفیت ہم نہیں پہنچ سکتی جس قدر کہ پیغمبر اسلام کے متعلق۔ کیونکہ آپ کے ہمراہی آپ کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ کے روزمرہ کے کام۔ آپ کی گفتگو۔ اور ان سوالات کے جواب جو مذہبی عبادت یا امور سلطنت کے بارے میں مختلف رنگ میں آپ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے ہمیں آپ کی عادات۔ آپ کی رفتار لباس عبادت اور دیگر آپ کے ایسے امور کے متعلق بھی علم ہے جو کہ نہایت خفیف نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب آپ کے اصحاب نے اسلئے کیا کہ انہیں آپ سے محبت تھی۔ لیکن ہم تک کسی دوسرے مذہبی معلم کے اہم یا خفیف حالات زندگی اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچے عہدۂ رسالت پر مامور ہونے سے پیشتر ہی آپ کی قابلیت۔ آپ کا انصاف

اور وفاداری آپ کی راستبازی اور آپ کی سچی دیانت کا ہر ایک اعتراف کرتا تھا آپ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے آواز بلند کیا۔ اور اسلام کو پھیلانے کے لئے ہمت کی۔ اور بڑے استقلال سے تکالیف کا مقابلہ کیا اور اپنے کثیر التعداد دشمنوں کی پرواہ نہ کی۔ اِن تمام مشکلات کے درمیان آپ نے اپنی زبردست شخصیت کو قائم رکھا اپنے متبعین پر حکومت کی۔ دشمنوں کو نیچا دکھلایا۔ حتیٰ کہ آپ کے پر اثر فصاحت و بلاغت اور بے مثال جوش اور کسی سے مغلوب نہ ہونے والی رُوح کے مقابلہ میں بُت پرستی بالکل معدوم ہو گئی۔ آپ کی ہدایات اور آپ کے طرز عمل اور کارنامے ہر زمانہ میں پہنچتے ہیں۔ اور اُن کا اثر لکھوکھا انسانوں پر ہوتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے ان کے خیالات نئے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اور دُنیا میں اُن کے لئے رہبری کا کام دیتے ہیں۔ اس پُر جوش اور محنت چلانیوالے کا اثر جو عرب میں سب سے زیادہ بزرگ ہے اس وقت بھی ایسا ہی زبردست ہے جیسا کہ اس وقت جب کہ آپ مدینہ میں تھے +

ذرّاتِ عالم کا مذہب

تخلیق و تعمل رُوح

جسد عنصری میں رُوح کا ظہور اور زندگی کا پیدا ہونا تا حال ایک راز سربستہ ہے علوم طبعیات و کیمیا بھی اس سے بہت پیچھے ہیں کہ اس نادر و ناگہانی عمل کی معقول توجیہہ کر سکیں۔ اور چونکہ رُوح اور مادّہ میں بظاہر ایک قسم کا تضاد نظر آتا ہے جو لوگ رُوح اور مادہ کے ازلی ہونے کے قائل ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں مختلف ہستیاں ہیں علاوہ ازیں رُوح پوری نشوونما پانے کے بعد جسم یعنی نظام نامی پر جو جسم انسانی کی صورت میں متشکل ہوتا ہے استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ ضرور ہے کہ رُوح جسم سے مختلف ہو۔ لیکن وہ اصل نمو جسے جان کہتے ہیں ہر ایک نظام میں ہی عمل کرتا ہے۔ اگر رُوح جسم پر قابو رکھتی ہے تو جان بھی بیجان مادہ کو اپنی کامل اطاعت میں لے آتی ہے۔ جان جب ظہور میں آتی ہے تو جسم ہی

ہر ایک چیز کی تنظیم و تنسیق عامہ کی ذمہ وار ہو جاتی ہے لیکن جان خود بذاتہ رُوح کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ پس اگر ذو عنصرین کا خیال ہے۔ کہ رُوح باہر سے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ تو دوسرے لوگ جان کے متعلق بھی ایسا ہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعض حلقوں میں اس قسم کی آراء کے رواج پذیر ہو جانے کی وجہ مادہ کی حالت سکون میں وہ فوری تغیر ہے جو اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جبکہ مادہ بظاہر بیجان حالت سے متحرک ہو جاتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ اصل نمو اسی مادہ سے پیدا ہوتا ہے جسمیں وہ پایا جاتا ہے۔ اور جس پر وہ حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ پس مذکورہ بالا خیال کو بلا تامل قبول کر لینا مشکل معلوم ہوتا ہے بجلی کا ظہور مسئلہ مبحثہ فیہ کے متعلق ایک عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ جب کبھی دو خاص دھاتوں اور ایک خاص سیال کا باہم اتصال ہو۔ تو یہ بالکل ساتھ ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکی پیدائش ایسی ہی دفعتہً ہوتی ہے جیسے کہ وہ اقتدار جو یہ بعد میں ان اشیا پر حاصل کر لیتی ہے یقیناً اس سے یہ خود پیدا ہوئی تھی۔ یہ قدرتی مظہر قطعاً ثابت کرتا ہے کہ ایسی اشیا بھی ہیں جو گو ان عناصر سے جن سے وہ مرکب ہوتی ہیں شکل و شباہت اور خصائص میں مختلف ہوتی ہیں۔ تاہم ان اشیا سے جن سے وہ پیدا ہوتی ہیں مماثلت تامہ رکھتی ہیں +

علاوہ ازیں تمام منازل ارتقاء میں ایک اور امر ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے ہر ایک مادی نظام اپنے سے نچلے درجے کے نظام سے نہ صرف اپنی مایحتاج حاصل کرتا ہے بلکہ اس پر حکمرانی بھی کرتا ہے جو نظام مدارج ارتقا کے درمیان واقع ہے وہ اپنے سے نچلے درجے کے نظام سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے اور اسکی تنظیم کرتا ہے اور خود اس نظام کا جو سلسلہ ارتقا میں اس سے اوپر واقع ہو تابع اور تابع ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہر ایک جاندار کی زندگی کا انحصار دوسروں پر ہوتا ہے اور ان سے استفادہ کرتا ہے جبکہ وہ غیر جاندار حالت میں ہوں۔ اور ساتھ ہی ان کو منضبط بھی کرتا ہے لیکن جب وہ غیر جاندار مادہ حیوانی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تو مختلف تحریکات اور اضطرارات سے متصف ہو جاتا ہے پس یہ تحریکات عملاً اصل نمو پر کامل حکومت کر لیتی ہیں۔ اور یہ اصل یعنی جان اس حکومت کے ماتحت اپنی ہستی کو برقرار رکھنے اور اپنی نشو و نما کو ترقی دینے کے لئے تمام

سنچلے حیوانی نظامات کو تباہ کرنے لگتی ہے۔ اِن تحریکات کا دائرۂ عمل ان کی ابتدائی حالت میں محدود ہوتا ہے لیکن جسمِ انسانی میں وہ تحریکات جذبات اور رُجحانات کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اور عمل ارتقائی کا ایک اور مرحلہ طے کرنے کے بعد وہ کامل طور پر وہ ہستی بن جاتی ہیں جس کو ہم رُوح کہتے ہیں۔ رُوح اس طریق سے پیدا ہو کر جذبات و تحریکات پر اپنا تسلط جماتی ہے۔ اور وہ جذبات و تحریکات خود کائنات کے دیگر نظامات پر اپنا اقتدار بٹھاتی ہیں معدودے چند ترقی یافتہ نظامات کا معائنہ کرکے جو خصائص و شمائل ان اشیاء کی نوعیت میں ہو۔ جن کو وہ استعمال میں لاتے ہیں۔ دونوں ہی انسانی اور حیوانی اجسام میں تخلیق کا کام کرتی ہیں۔ اول الذکر لاعلمی کے ساتھ اور آخر الذکر واقفیت کے ساتھ کیونکہ جس مادہ پر جان کام کرتی ہے۔ وہ بیحس ہوتا ہے۔ اور رُوح کا تختۂ مشق شخصی معرفت ہے۔ الغرض جان اور روح اِس قوت صناعی کے دو مختلف نام ہیں جس پر انسانیت کی تعمیر کا انحصار ہے۔ اور جو مفید و مُضر میں بخوبی امتیاز کرتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئلہ اور ہیرا ایک ہی مادہ سے بنے ہیں اور دونوں ہی نظامات عنصر نامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پیدائش ترکیب و آمیزش عنصری سے پیدا ہوتی ہے امتزاج و تجاذب باہمی سے نہیں لیکن عناصر ترکیبی کے اختلاف تناسب سے یہ دو مختلف چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جیسا کہ اُوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ایک چوزہ۔ سؤر اور ایک آدمی ایک ہی مادہ سے بنے ہیں۔ لیکن یہاں بھی افتراقِ ہیئت کی وجہ اجزائے ترکیبی کا جو مادہ کے ان تینوں مُرکبات کی تعمیر میں استعمال ہُوئے ہیں۔ اختلافِ تناسب ہے۔ یہ تمام اجزائے ترکیبی کائنات میں درہم برہم حالت میں موجود ہیں لیکن وہ قوتِ صناعی جو اپنی ہستی سے ناواقف ہے۔ اور مادہ کی ہر صورت میں موجود ہوتی ہے مفید تناسب کے قبول اور مضرت رسان تناسب کے رد کرنے میں احتیاط سے تمیز کرتی ہے۔ ایسے ہی تمام انسان یکساں تحریکات رکھتے ہیں۔ چور اور انبیا جسمانی لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں۔ اور یکساں جذبات رکھتے ہیں۔ اور اپنے قلب میں ان کا وجود یکساں پاتے ہیں۔ لیکن وہ قوتِ تخلیق جو انسان میں موجود ہوتی ہے۔ اور جسے رُوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں موخر الذکر جماعت میں بہت طاقتور ہو جاتی ہے۔ اور ان کو انسان کامل بنا دیتی ہے۔ دوسرے لوگوں کے ویسا ہی نہ بن جانے کی وجہ یہ ہے کہ قوت مذکور کے فعل میں رُکاوٹ واقع ہوئی ہے۔

مادے کی ادنےٰ صورتوں میں بھی ہم یہی مشاہدہ کرتے ہیں بعض اوقات دوسرے اثرات جان کے فعل کا اثر زائل کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ مرض ہوتا ہے +

پس رُوح - جان اور قوتِ صناعی ایک ہی عامل کے مختلف نام ہیں جو مختلف حالتوں میں اور بالیدگیٔ مادے کے مختلف مراحل میں کام کرتا ہے - مسلمان فلاسفر و ائمہ نے اس بارہ میں نہایت صراحت سے کام لیا ہے - وہ تسلیم کرتے تھے کہ مادہ کی ہر صورت میں رُوح ہوتی ہے - مثلاً اسی ایک قوت صناعی کو جو عوالم مختلفہ جمادات نباتات اور حیوانات میں کام کرتی ہے انھوں نے رُوحِ جمادات - رُوح نباتات - رُوح حیوانات اور رُوح انسان کے نام دئے ہیں +

اسمیں شک نہیں کہ رُوح کے متعلق ہمیں بہت تھوڑا علم ہے لیکن رُوح کے متعلق ہمیں جو کچھ علم ہے کیا جان یا مذکورہ بالا قوت صناعی کے متعلق جو اپنے عمل سے بے خبر ہے ہم اس سے کچھ زیادہ جانتے ہیں - کائنات میں لاتعداد ایسی اشیا ہیں جن کا ظہور و تعمل ہمارے لئے ایسا ہی رازِ سربستہ ہے - مثلاً برقی قوت - رُوح بھی ایک ایسا ہی امر لاینحل ہے - ہاں اسکو جان سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کا عمل کیا ہے - اور وہ نیک و بد میں تمیز کرتا ہے - جو کام جان جسم کے بنانے میں بےخبری میں کرتی ہے وہی کام رُوح رُوحانیت کے بنانے میں دانستہ کرتی ہے - اس فرق کی وجہ عیاں ہے - جس مادے پر جان کام کرتی ہے - وہ معرفت سے عاری ہے بخلاف اس کے جس مادہ سے رُوح انسانی رُوحانیت کی تعمیر کرتی ہے - وہ انسانی معرفت طبعی ہے یعنی وہ مختلف جذبات و تحریکات کا مجموعہ ہے جن کو رُوح رفعت دے کر اخلاقیات فلسفہ اور مذہب میں تبدیل کر دیتی ہے - جب رُوح پیدا ہوتی ہے - تو اپنی صناعی حیثیت سے جسم میں داخل ہوتی ہے - انسان حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا - اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند سے بلند مقامات کی طرف ترقی کرنے کے لئے پیدا کیا ہے - یہ مقصد اس تمیز کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے - جو رُوح نیکی و بدی میں غلطی کے احتمال کے بغیر کرتی ہے - پس گو رُوح میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں - اور اس نئی کیفیت کا مشاہدہ کر کے جو مادہ کی زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے یا اور ایسی ہی سطحی نشانات سے یہ فیصلہ کر لینا کہ کوئی خارجی چیز نظامات مذکورہ میں داخل ہو گئی ہے

اوران نظامات کی نئی صورت اُن کی پُرانی حالت سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ ایک نہایت ہی عاجلانہ اور جلد بازانہ فیصلہ ہے۔ یہ ہمارے علم کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اور اُمید ہے کہ حکماء کی آنیوالی نسلیں وہ پردہ اُٹھا دینگی جو بظاہر قدرت کے اس فعل کو چھپائے ہوئے ہے! ارتقاء کے دور میں ہر ایک ایسی اہم منزل پر جبکہ نشوونما ایک نئی سمت اختیار کرتی ہو مادہ بالکل نئے خصائص وشمائل سے متصف ہو جاتا ہے۔ اصل نمو اضطرارات وجذبات اور تمیز جن کو عرف عام میں جان معرفت اور رُوح کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا نئی سمت کے مختلف امتیازی نشانات ہیں۔ گو ان کا وجود دفعتہً ظہور میں آیا ہو۔ اور ان کی پیدائش طبعیات وکیمیا کی اصطلاحات میں بیان نہ کیجا سکتی ہو لیکن پیداوہ اِس مادہ سے ہوتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ جان یا رُوح جسم کے اندر سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ باہر سے داخل ہوتی ہے۔ تو ان تحریکات کی توجیہ کسطرح کیجائیگی جو پہلی دفعہ نظام نامی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ وہ بھی خصائص کے لحاظ سے جان اور مادہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ دونوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اور اعمال ترکیب زندگی میں امداد دیتے ہیں۔ کیا ان کے متعلق بھی یہی کہا جائے کہ وہ باہر سے داخل ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ویسی ہی خصوصیات رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے جان اور رُوح کو خارجی چیزیں مانا گیا ہے۔ آج تک کسی نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا۔ سب نے ہمیشہ سے تسلیم کر رکھا ہے۔ کہ تحریکات وجذبات جسم سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حیوانی اضطرارات و انسانی جذبات میں فرق صرف مدارج کا ہے خصائص وہ ایک سے رکھتے ہیں۔ جسم انسانی میں فطری تحریکات شخصی معرفت سے متصف ہو جاتی ہیں۔ کیا شخصی معرفت ہی حقیقتہً وہ شے نہیں جس سے تمیز انسانی جو رُوح کی صفت خصوصی ہے پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر تمیز کی اصل شخصی معرفت کو قرار دینا درست ہے جو انسانی جذبات کا مجموعہ ہے۔ اور اگر ہمارے جذبات حیوانی تحریکات کی صورت اولیٰ ہیں مختلف نباتات نامی وغیر نامی سے جو جان کے تسلط سے مخصوص ہو جاتے ہیں پیدا ہوتے ہیں۔ تو کیا پھر جسم رُوح کی ماں نہیں ہے +

رُوح ایک صانع خبیر ہے

انسانی نشوونما کے لئے جو کام رُوح کرتی ہے وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کہ جسمانی خواہشات انسانی رُوح کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ تو یہ ہمارے جسم میں صرف صنعت گری کی ایک قوت خبیر ہے۔ جو جذبات سفلی سے اعلےٰ اخلاق و رُوحانیت پیدا کرتی ہے۔ ان جذبات سفلی کو بلند کر کے اخلاق کے درجے تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور جب اخلاق کی تہذیب و تربیت اعلےٰ درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس سے رُوحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاق سے یہ مُراد نہیں کہ جذبات و تحریکات کو فنا کر دیا جائے۔ اخلاق کا منشا یہ ہے۔ کہ ان کو قابو میں رکھ کر ان میں اعتدال قائم کیا جائے۔ اور ان کو مناسب مواقع پر استعمال میں لایا جائے۔ یہ کام رُوح کرتی ہے پس رُوح ایک ذریعہ صناع ہے جو حیوان کو انسان کامل بناتی ہے۔ اس کا فرض اعلیٰ یہ ہے۔ کہ ہمارے جذبات کے مفید و مُضر خصائص میں ایسی تمیز کرے جس میں غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اور ہماری آئندہ ترقی کے لئے اول الذکر صُورت کو قبول اور موخر الذکر کو رد کر دے۔ کیا رُوح وہی کام نہیں کرتی جو جان نظام نامی میں کرتی ہے۔ جس طرح جان ہماری ہستی کے جسمانی حصہ کی تعمیر میں مادہ کا نظم و نسق کرتی ہے۔ اسی طرح رُوح ہماری فطرت کے اخلاق و رُوحانی حصہ کی نشوونما میں ایک دوسری قسم کے مادہ کا انتظام کرتی ہے۔ ان کا کام ایک ہی ہے فرق صرف ماہیت ہے۔ بشرط از سر بستہ ہے تاہم جو عمل وہ کرتی ہے اسکے لحاظ سے ہم اللہ تعالےٰ کے حکم کا مظہر قرار دے سکتے ہیں جس کے ماتحت انسان جو مختلف قوائے سے متصف ہے۔ ان کو قوائے کی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں جو لفظ ارب آیا ہے۔ یہ جیسا کہ بیشتر بیان کیا جا چکا ہے اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ اور اس کے معنی پیدا کرنیوالا۔ قائم رکھنے والا اور ترقی دینے والا ہیں۔ پس انسان کو اپنے رب کے حکم کے ماتحت جس نے اس میں مختلف قوائے پیدا کئے ہیں اپنے آپ کو ترقی دینا ہے۔ اور یہ حکم رُوح کے توسل سے عمل میں آتا ہے یہ راز قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ہم پر منکشف کرتی ہے:۔

یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تم سے لوگ رُوح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ رُوح بھی میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔ اور تم لوگوں کو اسرار الٰہی میں سے بس تھوڑا ہی سا

علم دیا گیا ہے (سورۃ بنی اسرائیل آیۃ ۸۵)

پس جان اور مجموع جسم انسانی میں تھوڑے تعمیری ہیں۔ اول الذکر ہماری مادی اور آخر الذکر رُوحانی تعمیر کرتا ہے۔ لیکن یہ دونوں باہر سے ہمارے جسم میں داخل نہیں ہوتیں۔ وہ مادے کی ارتقاء کی خاص حالت پر پیدا ہو جاتی ہیں +

امر واقعہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر ایک ذرہ اپنے اندر وہ خصائص رکھتا ہے جو رُوح انسانی کی تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کے چہرے پر سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات بالکل پردہ اُٹھا دیتی ہیں :-

ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین۔ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظٰما فکسونا العظٰم لحما ثم انشانٰہ خلقا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون۔ ترجمہ۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر ہم ہی نے اسکو حفاظت کی جگہ یعنی عورت کے رحم میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی۔ پھر ہم نے بندھی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا پھر آخر کار ہم ہی نے اسکو گویا بالکل دوسری ہی مخلوق کی صورتیں بنا کھڑا کیا۔ پس مبارک ہے ذات اللہ تعالیٰ کی جو سب سے بہتر خالق ہے۔ پھر اسکے بعد تم کو مرنا ہے سورۃ المومنون آیت ۱۲ تا ۱۵)

مندرجہ بالا آیات سے بوضاحت پتہ لگتا ہے۔ کہ جسد انسانی اول زمین کی مٹی کے ست سے بنایا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم ایک اور مقام پر فرماتا ہے کہ زمین ایک گیس کے جلنے سے پیدا ہوئی اسیطرح ایک اور مقام پر قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ یہ کُرہ ارض اوّل اول حالت سیال ہی تھا۔ اس مسئلہ پر مزید بحث کرنا ہمیں اصلی مبحث سے بہت دور لیجائیگا جس کی ضرورت نہیں۔ پس ہم اسقدر کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی رُو سے کُرہ ارض مادہ کی ایک ارتقائی حالت ہے جو جلتی ہوئی گیس سے پیدا ہوئی ہے۔ اور انسان کی

پیدائش مابعد کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہو مختلف منازل ارتقا کے ذکر میں مندرجہ بالا آیات میں دو حروف عطف ثم اور ف استعمال ہوئے ہیں۔ اول الذکر عربی میں اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی خاص فعل کے دو مدارج یا مراحل کے درمیان کوئی وقفہ یا مدت واقع ہو۔ اور آخر الذکر اس جگہ جہاں ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کے بعد بغیر وقفہ کے آئے۔ اسی وجہ سے آیات مندرجہ بالا میں سلالۃ من طین اور نطفۃ کے درمیان جو ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر پڑے ہیں ثم آیا ہے۔ لیکن نطفہ کے قرار پکڑنے سے گوشت بننے تک ایک مرحلہ کو دوسرے مرحلہ سے ملانے کے لئے فا کا حرف استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد پھر ثم حرف عطف آیا ہے جبکہ نطفہ گوشت اور ہڈیوں کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور اس منزل سے دور ہے جبکہ اس میں روح آجاتی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ ثم انشانٰہ خلقاً آخر میں اس نئی صورت ہستی کی طرف اشارہ ہے جو انسان اختیار کرتا ہے لیکن یقیناً یہ نئی صورت باہر سے ہم میں داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہماری ذات میں مضمر ہے +

یہی ایک خیال کہ روح اور جسم ایک نہیں بلکہ دو متفرق ہستیاں ہیں مختلف مذاہب طریقہائے فلاسفہ میں لاانتہا اختلاف آراء کا باعث ہوا ہے۔ جس سے انسانی بہبودی میں بہت نقص واقع ہوا ہے۔ اسی قسم کا ایک اور خیال تناسخ یعنی آواگون کا مسئلہ ہے۔ ان مسائل نے لوگوں کو مدتوں پریشان رکھا ہے۔ کہ یوگ۔ کفارہ۔ رہبانیت اور دیگر لایعنی و غلط ریاضتوں سے اطمینان قلب کی جستجو کریں۔ ان کا خیال تھا کہ روح اور جسم کسی قسم کی مشارکت نہیں رکھتے بلکہ جسم نے روح کو گرفتار کر رکھا ہے۔ اور حقیقی نجات یہ ہے کہ روح کو اس غلامی سے آزاد کیا جائے۔ ہر قسم کے انسانی جذبات کو پامال کرنا بڑا ہی مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روئے زمین پر گروہ انسانی کے مختلف طبقات میں طرح طرح کی رہبانیت پاتے ہیں۔ یہ بھی اس تعلیم کا جو بدھ کے ساتھ منسوب کیجاتی ہے ایک بھاری نقص ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ تمام دنیاوی تعلقات کو منقطع کر دینا ہی سفلی جذبات و خواہشات کو پامال کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا سر چشمۂ راحت جاودانی تک پہنچنے کا یہی ایک پر دانہ راہداری ہے۔ یعنی روحانی پاکیزگی کا حصول تمام دنیاوی تعلقات کو قطع کرنے سے ہی ممکن سمجھا گیا۔ جو صریحاً

خلاف فطرت عقیدہ پر یعنی یہ عقیدہ کہ روح اور جسم دو مختلف ہستیاں ہیں مختلف قسم کی رہبانیوں کا بانی ہوا۔ اور رومی کلیسیا نے خانقاہوں کا سلسلہ بھی روحانی بہبودی کے لئے جاری کیا۔ جس کے ساتھ تجرد ایک لازمی شرط قرار پائی۔ ایسی طریقتیں کبھی بھی اعلٰے اخلاق کی تربیت گاہ ثابت نہیں ہوئی ہیں بلکہ برخلاف اس کے ان سے اخلاقی امراض پیدا ہوئی ہیں اور یہ سلسلے تہذیب و تمدن کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ کا باعث ہوتے رہے ہیں +

بعض لحوم ممنوعہ

میں پھر اب اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ مادہ اپنی ہر ایک ارتقائی منزل میں اپنی آیندہ ترقی کے لئے اپنی خوراک ارتقاء مادی کی اس صورت سے حاصل کرتا ہے۔ جو سلسلہ ارتقاء میں اس سے نیچے درجہ پر واقع ہو۔ جہاں عالم نباتات حیوانات کو ان کی خوراک کا اکثر حصہ بہم پہنچاتا ہے۔ وہاں حیوانات بھی کسی نہ کسی صورت میں انسانی دستر خوان پر آکر نہایت اعلٰے غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ اس طرح ہر ایک عالم آیندہ اے عالم کی پیدائش کے لئے بطور بنیاد کے حکم کرتا ہے۔ بالخصوص اس مادہ میں جو ایک ارتقائی حالت کو اس سے نچلی حالت سے نمایاں تمیز و تفریق کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر جو چیز دو ارتقائی حالتوں میں جو ایک دوسرے سے اوپر نیچے ہوں تفریق کرتی ہے۔ مزید ترقی کو عمل میں لانے کیلئے بطور بنیاد کام کرتی ہے۔ آنیوالی عالم میں جو عنصر نیا ہے وہ اس چیز سے پیدا ہوگا جو اس آنے والے عالم سے ملحقہ نچلے عالم میں اور موخر الذکر سے نچلے عالم میں وجہ امتیاز ہے نباتات کی نہایت ہی ترقی یافتہ صورتوں میں حرکت کی قوت پائی جاتی ہے۔ جو ترقی پاکر عالم حیوانات میں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن معرفت طبعی حیوانی زندگی کا امتیاز خصوصی ہے معرفت طبعی متعدد تحریکات و اضطرارات سے بنتی ہے۔ جو انسان اور حیوانات سفلی میں مشترک ہوتی ہیں۔ یہ تحریکات نظم حیوانی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور عالم نباتات اور عالم حیوانات میں وجہ امتیاز ہیں۔ اور جسم انسانی میں مزید ترقی کے لئے بطور تعمیری مسالہ کے کام کرتے ہیں۔ یہ جذبات بعض حیوانات میں کامل طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن حیوان کو انسان بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ان جذبات کی تہذیب و تربیت کیجائے۔

اور ان کو حد اعتدال میں رکھا جائے ۔ بکری حلیم الطبع ہے لیکن یہ اسکی اخلاقی خوبی نہیں ہے ۔ بلکہ ایک فطری تحریک ہے ۔ جس کو اصلی اخلاق کا جامہ پہنانے کیلئے اعتدال پر لانے کی ضرورت ہے ۔ درندے تندی اور بہادری کا اظہار کرتے ہیں ۔ اور نباتات خور حیوانات عموماً حلیمی و بزدلی ظاہر کرتے ہیں ۔ اگر اونٹ اپنی بلندی پر غصہ کا اظہار کرتا ہے تو گائے بھی یہی جذبہ پورے طور پر رکھتی ہے ۔ اور اگر جذبہ کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لایا جائے تو یہی حلیمی اور انکساری بن جاتی ہے ۔ سُور شہوت نفسانی کا مجسمہ اور ارذل ترین فطرت کا مظہر کامل ہے ۔ یہ حیوانات ایک مادہ کے مختلف مرکب ہیں لیکن شکل اور جذبات کا فرق اس اندازے اور تناسب کے فرق سے پیدا ہوتا ہے جس سے ان کے عناصر منتخب ہو چکے ہیں ۔ پس حیوانی زندگی میں عناصر کی ہر ایک مختلف ترکیب مختلف جذبات پیدا کرتی ہے اور جہاں کہیں بھی وہ ترکیب موجود ہوگی وہی جذبات اس سے پیدا ہونگے ۔ لہٰذا ان جانوروں کا گوشت جن میں جذبات اپنی بدترین صورت میں ظہور پاتے ہیں ۔ انسانی خوراک کا جزو نہیں بننا چاہئے ۔ ان حیوانات کے اخلاق جن کا ہم گوشت کھاتے ہیں ہمارے اخلاق پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مذاہب نے بعض جانوروں کا گوشت لحوم ممنوعہ کے زمرے میں داخل کر دیا ہے ۔

الغرض ان مختلف تحریکات و جذبات کو جو حیوانی اجسام میں ترقی پاتے ہیں اعلیٰ اخلاق حسنات تک رفعت دینے کی ضرورت ہے نہ صرف امن عامہ پیدا کرنے کیلئے بلکہ اعلیٰ انسانیت پیدا کرنے کے لئے جو اپنے کمال پر پہنچ کر مزید ترقی یعنی حیات بعد الموت کیلئے بطور بنیاد کے کام کرتی ہے لیکن رفعت دینے کا فعل ہمارے علم متعلق اندازۂ اعتدال پر منحصر ہے ۔ جو مختلف صورتوں میں سالمات کی انکی ہر ایک منزل ارتقاء میں جو وہ اقل الخلیقہ ذرات سے انسانی جسم تک پہنچنے میں طے کرتے ہیں رہنمائی کرتا ہے ۔ اگر قوت صناعی اس اندازہ کو مفید و مضر میں تمیز کرنے میں نادانستہ اپنے سامنے رکھتی تھی ۔ اس سے حرج واقع نہیں ہو سکتا تھا ۔ کیونکہ انسانی جسم تک پہنچنے تک نشو و نما غیر مدرک تھی ۔ لیکن انسانیت اپنے ساتھ ایک نیا مقام آغاز لاتی ہے ۔ یعنی معرفت طبعی سے ترقی کر کے کچھ پیدا

کرنا ہے۔ اور ضرور ہے کہ قوت صناعی دانستہ اور تدبر کے ساتھ کام کرے۔ اور کسی نہ کسی قسم کی معرفت اسکی رہبری کرے یعنی ذات باری تعالےٰ الہام کے ذریعہ اسکی یاوری کرے۔ اگر بارش مادی صورت میں اُوپر سے اسلئے آتی ہے کہ مادی نظام کی تعمیر کیلئے جان پیدا کرے تو انسانی جسم میں پہنچ کر تکمیل پاتی ہے۔ مزید ترقی جو عقلی اور رُوحانی ہے۔ ایک رُوحانی بارش چاہتی ہے۔ پس قرآن کریم اپنے آپ کو اور دیگر کتب مقدسہ کو بارش سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس مضمون پر آیندہ بحث ہوگی انشاءاللہ تعالےٰ +

فلسفہ کا مذہب

(رقمزدہ جناب غلام مُصطفےٰ خانصاحب بی۔ اے علیگ)

نوعِ انسان کی تہذیب و تربیت میں فلسفہ نے ہمیشہ ایک اہم حصہ لیا ہے۔ اس نے زندگی کے رازِ سربستہ پر ایک نظرِ غائر ڈالی ہے۔ اور اکثر تعارز زندگی کو کم و بیش بسر کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ ازمنۂ قدیم کے ہندو فلسفہ نے ہندو قوم کو زمانۂ گذشتہ میں رفعت و جلال کے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اور جب ہندو فلسفہ کی مشہور چھ طریقوں کا بازار سرد ہوا۔ تو اس قوم کا جلال بھی خاک میں ملگیا۔ بعینہٖ سلطنت رومہ کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد فلسفۂ جبریہ پر تھی۔ اس فلسفہ کا مرکزی اصُول زندگی کے رنج و راحت سے کُلّی بے اعتنائی تھا۔ یہ مسئلہ ہندو فلسفہ کے مسئلہ مایہ سے کسیقدر مشابہ تھا۔ جس کی تعلیم یہ تھی کہ جو چیزیں ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں وہ از خود کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلکہ انکی ہستی محض ہمارے وہم اور ہمارے تخیل کا نتیجہ ہے۔ فرقۂ جبریہ کا عقیدہ تھا کہ زندگی کی رنج و راحت سوائے وہم کے اور کچھ نہیں جس کو ہمارا دماغ خود پیدا کرتا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ امرِ واقعہ کے خلاف تھا۔ لہذا عملی زندگی کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں تھا سینیقہ نے جو فلسفۂ جبریہ کا بہت بڑا شارح گذرا ہے افلاس کی تعریف اور تمول کی مذمت میں ایک مقالہ لکھا تھا لیکن وہ خود اس قدر متمول تھا کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا متمول انسان

ہُوا ہو۔ وہ غربا کی کم مایہ جھونپڑیوں کی تعریف کرتا تھا لیکن اس کے اپنے عظیم الشان محلات آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ وہ گمنامی کو سراہتا تھا لیکن خود عملاً سلطنت روما کے تخت کا اُمیدوار بنا ہُوا تھا یعنی اس کا تمام فلسفہ تصنع اور بناوٹ محض تھا۔ یا تو یہ فلسفہ اسکی زبان پر تھا۔ یا اسکی کتابوں میں۔ لیکن عمل میں کبھی نہ آیا۔ اُسکی عملی زندگی پر اس فلسفہ کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس لئے کسی دوسرے پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا تھا حقائق زندگی محض تخیل کے زور سے مٹائے نہیں جاسکتے۔ جبریانہ پر ب زبانی خواہ کتنی ہی ہو ایک بیوہ کو اس بات کا یقین نہیں دلاسکتی کہ اسکے پیارے خاوند کی افسوسناک موت سے جو اسکے راحت و خوشی کا سرچشمہ تھا۔ اسکو کچھ نقصان نہیں پہنچا ہے۔ قصہ مختصر عہد ظلمت کا یہ پرانا فلسفہ صرف طبیعت کو خوش رکھنے کے لئے تھا۔ اور اس قابل نہ تھا کہ عملی زندگی میں اس کو کام میں لایا جائے +

بیکن کے فلسفۂ جدید نے پُرانے فلسفہ کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ ڈالا۔ اس سے ایک نئی روشنی اور تعقل کی ایک نئی قوت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کا منشاء ہے کہ ہمیں صرف مشاہدہ پر ہی یعنی ان چیزوں پر جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اعتبار کرنا چاہئے۔ یعنی اس لحاظ سے ہمیں اور فلسفۂ قدیم میں جس کی بُنیاد تخیل اور تفریحی پر تھی تضاد دکھلی ہے لیکن یہ نئی قوت بھی اخلاق انسانی کے بنانے میں ناکارہ محض ثابت ہوئی ہے۔ مثلاً اتفاق سے آدمی کی دونو ٹانگیں ضائع ہوگئی ہیں۔ فلسفۂ جدید اس مصیبت خیز حادثہ کے نتائج کا تجزیہ کریگا۔ وہ بیچارہ آزادانہ چل پھر نہیں سکیگا۔ اس کا وجود سوسائٹی پر ایک بے فائدہ بوجھ ہوگا۔ اسکے عزیز و اقارب اسکو نظر حقارت سے دیکھینگے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اسکی زندگی مصائب و تکالیف کا مجموعہ ہوگی۔ کیا اس قسم کے خیالات اسکی زندگی کو اور بھی تلخ نہیں کر دینگے۔ اور اگر ہماری عامیانہ نظر کے پرے کچھ نہیں۔ اگر ہم صرف اسی لئے پیدا ہوئے ہیں۔ کہ گذراوقات کریں کھائیں پئیں بکواس کریں۔ اور مرجائیں تو یقیناً یہ زندگی اس قابل نہیں کہ اسے بسر کیا جائے۔ میرے خیال میں یہی وجہ ہے۔ کہ یورپین ممالک میں اسقدر خودکشیاں ہوتی ہیں۔ المختصر بیکن کا فلسفہ بالکل مادی ہے۔ اور انسانی فطرت کے روحانی حصہ کیلئے باعث اطمینان نہیں۔ قسمتی سے جہانتک اور انسانی اخلاق کا تعلق ہے بیکن نے خود نہایت مکروہ نقشہ پیش کیا ہے،

فلسفۂ اسلام اعتدال کا زرین راستہ پیش کرتا ہے - یہ فلسفہ زندگی کی حقیقی تکالیف سے آنکھیں بند نہیں کرتا - اور نہ ہی یہ سکھاتا ہے کہ انسانی زندگی کا مُدعا و منشا یہی دنیا ہے یہ نہ تو بیکن کے فلسفہ کی طرح تخیل اور تحریکات سے بالکل مُعرا ہے - اور نہ ہی سینیقہ فلسفہ کی طرح سرتاسر خیالی اور نظری ہی ہے - فلسفۂ اسلام زندگی کو وہی کچھ سمجھتا ہے جو کہ وہ اصل ہے یعنی واقعہ و اتفاقات اور رنج و راحت سے پُر - لیکن یہ عاقبت سے انکار نہیں کرتا - یہ فلسفہ زندگی کو ایک امتحان یعنی ایک بھٹی سمجھتا ہے جس میں انسانی دھات کو پرکھا جاتا ہے - ہماری موجودہ زندگی آنے والی زندگی کی ایک منزل ہے - اور ہمارے لئے ضروری ہے - کہ ہم اس زندگی میں دیانت و امانت کے ساتھ کام کریں - تاکہ دوسری زندگی میں اچھی فصل کاٹ سکیں - پس یہ دنیا ہمارا منشاء آخری نہیں ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں - کہ یہ دنیا اس آخری مقصد کے حصول کے لئے ذرائع پیدا کر دیتی ہے - یہ ہے فلسفۂ اسلام اور اس نے نوع انسان کے اخلاق پر حیرت انگیز اثر کیا ہے - اسی عملی فلسفہ کا نتیجہ تھا - اور اس کے سامنے شاندار اور پُر امید مُستقبل ہے - کہ عرب قوم قعرِ مذلت و افلاس سے اُٹھ کر تہذیب و ثروت کے آسمان پر جا پہنچی +

القرآن

(از قلم جناب مارمیڈیوک پکتھال صاحب نومسلم)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

چند روز ہوئے مجھے ویسٹ انڈیز سے ایک شخص کا خط ملا جس میں میرے اُس لیکچر کی طرف اشارہ ہے جو میں نے کچھ عرصہ ہوا مذہبی صداقت کے متعلق دیا تھا - اس چٹھی میں نہایت سختی سے کام لیا گیا ہے - نویسندہ گویا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ مجھے مکار اور جھوٹا رہنما کہہ کر بدنام کرے - چونکہ وہ اتفاق سے مجھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے تشبیہ دیتا ہے - میں اس پر خوش اور رضامند ہوں لیکن اسے یہ دھوکہ لگا ہوا ہے - کہ قرآن مجید انجیل کی نقل ہے اور ارادتاً کی گئی ہے - وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ایک دھوکہ ہے جو دنیا پر ظاہر ہو چکا ہے - اور اس پر کوئی سمجھدار شخص اعتقاد

نہیں رکھ سکتا۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک دنیا میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو نویسندہ خط مذکور کی طرح
قرآن شریف کو نعوذ باللہ ایک ایسی دھوکہ دہ کتاب خیال کرتے ہیں۔ جس کی خوبیاں بقول ان کے
دوسری کتابوں سے اُڑائی ہوئی ہیں۔ اور جو ہمارے پیارے رسول صلعم کی اس قسم کی عزت کرنے
کے بجائے جو دنیا کے بڑے بڑے محسنوں کی ہونی چاہئے باوجود اس کے کہ سمجھدار لوگ انہیں محسن
قرار دیتے ہیں۔ آپ کی نسبت خیال رکھتے ہیں۔ کہ آپ نے لوگوں کو دیدہ و دانستہ دھوکہ دیا
تاکہ اپنے لئے عظمت اور بزرگی حاصل کریں۔ یہی رائے عیسائی کلیسیا کی صدیوں سے چلی آتی ہے
اور میرے خیال میں سرکاری کاغذات میں بھی اسی قسم کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن جدید سائنس
کی نکتہ چینی نے اس قسم کے خیال کا خوب قلع قمع کیا ہے +

قرآن شریف کو پرانے کتب مقدسہ کی نقل خیال کرنے کی نسبت میرا جواب یہ ہے کہ
قرآن کے ساتھ دنیا کی کسی کتاب کو تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرقان مجید میں
کہیں کہیں توریت و انجیل کی باتیں درج ہیں اور یہودیوں کی تاریخ اور حضرت مسیح کے سوانح کی
طرف اشارہ ہے لیکن نکتہ چینی کے قاعدہ کی رو سے جس کا کوئی علم ہے تلمیحات و اشارات چوری کی دلیل
نہیں ہو سکتی۔ ان قصوں اور واقعات کا چرچہ جن کا اشارہ قرآن میں ہے۔ اس وقت مکہ میں
عام طور پر لوگوں میں تھا۔ اسلئے قرآن میں ان کا ذکر ایک خاص اور بالکل نئے اور اہم مضمون
کی تشریح کیلئے کیا گیا ہے۔ پس ایسی جگہ اور کسی زبان میں اسکی مثال نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی
عظمت اس کے فضل و کرم اور اس کے انتہا قدرت کو ایسی شائستگی۔ اور پھر اور اور مؤثر
طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور ان قوانین کو جو انسان کی دنیا اور آخرت میں رنج و راحت۔ اور اخلاقی
اور روحانی زندگی کے متعلق ہیں ایسی صفائی سے بیان کیا گیا ہے کہ کسی ملک کی زبان میں بھی اسکی
نظیر نہیں ملتی۔ اور اسکے ہر ایک لفظ سے صداقت ٹپکتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جس شخص پر یہ الزام ہے
کہ اس نے سب کچھ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے لیا ہے۔ اس نے اپنی تمام عمر میں ان
کتابوں کو نہیں پڑھا۔ دشمنان اسلام کہتے ہیں کہ رسول اکرم کو ایک عیسائی درویش علیحدگی میں آپ
کی مرغوب خاطر تصنیف میں مدد دیتا تھا۔ لیکن مذکورہ بالا درویش نے حضرت محمد کو شام میں
صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔ جبکہ وہ ابھی لڑکے تھے۔ اور اپنے چچا کے ساتھ وہاں گئے تھے۔

اور وہ درویش قرآن کے نازل ہونے سے کئی سال پیشتر مر چکا تھا۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ آپ کے پاس ورقہ بن نوفل تھا جو کہ تمام یہودی کتب مقدسہ میں ماہر تھا۔ ورقہ نے البتہ
محمد صلعم کو اس بات کی مبارکبادی دی کہ وہ اپنی قوم کیلئے رسول ہو کر آئے ہیں لیکن اس کے چند
یوم بعد ہی وہ مر گیا جبکہ پیغمبر عرب کی اس وقت تک کسی قسم کی شہرت نہ ہوئی۔ اور قرآن کے بھی ابھی
چند ہی الفاظ نازل ہوئے تھے۔ یقیناً ان الفاظ کا یقیناً کسی دنیاوی ماخذ سے تعلق نہ تھا۔
پہلی بات جو ایک غیر متعصب محقق کے دل میں قرآن پڑھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے وہ کتاب اللہ
کا تسلیم کردہ جلال و رعب ہے۔ جو اس کے ہر ایک لفظ سے ٹپکتا ہے اور جو ایسے کلام میں نظر نہیں آتا
جو سچا نہ ہو۔ اور آخر شاس کے ختم کرنے کے بعد وہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے کہ کس روز
سے اور کس بسط کے ساتھ انسان کی زندگی کی چھوٹی باتوں کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ اور
قادر مطلق کے جلال و ہستی کی نسبت علم دیا گیا ہے جس کی چمک کتاب اللہ سے نکلتی ہے میرے خیال میں
اس بات کو وہ شخص بھی محسوس کریگا۔ جو قرآن کے غلط تراجم کا ہی مطالعہ کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ
کوئی بھی ترجمہ جو میں نے دیکھا ہے قابل تعریف نہیں۔ کیونکہ جامع زبان کا کسی تشریح کرنیوالی زبان
میں لفظی ترجمہ کرنا اور پھر اصل عبارت کا زور قائم رکھنا ایک ناممکن امر ہے۔ قرآن شریف کے
مترجمین میں سے اکثر عربی زبان کے عالم و فاضل ہوئے ہیں جن کے دماغ میں بجائے اس کے کہ وہ
تمام عبارت کے معنوں پر غور کرتے۔ چند ایک الفاظ کے خاص معنے سمٹے ہوئے تھے۔ جو موجب
اشکال ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ عربی کے ایسے ہیں جن کا انگریزی میں ترجمہ لمبی چوڑی تشریح ہی سے
ہو سکتا ہے۔ اور ایسی تلمیحات بھی ہیں۔ جن کی تشریح کی اہل مشرق کو ضرورت نہیں لیکن انگریزی
زبان دان ان کے سمجھنے کے لئے طول و طویل شرح کا محتاج ہے۔ اسی لئے کتب مقدسہ کے
تراجم نثر میں ہوتے ہیں۔ اور ان میں لفظی سے کام لیکر انہیں سیجوڑ کر دیا جاتا ہے۔ مگر قرآن
کی عبارت بہت مختصر، فصیح اور نظم کے رنگ میں ہے لیکن بعض ترجمے تو ایسے بُرے ہیں
اور بہت سی تشریحات ایسی احمقانہ ہیں کہ میرے نولیسندہ خط کی طبیعت کے لوگ جو صرف
آنکھ سے ان کو دیکھتے ہیں لیکن پڑھتے ہیں قابل معافی ہیں۔ اگر وہ قرآن کی نسبت یہ خیال
کریں کہ وہ دیگر کتب مذاہب کی ایک بھدی نقل ہے۔ اگر وہ بُرے سے بُرے ترجمہ کو بھی ذرہ

غور سے پڑھیں تو وہ یقیناً اپنی رائے تبدیل کر دینگے۔ اور انہیں گیٹی نامی مصنف کی طرح
قرآن میں الہام کی قوت نظر آئیگی۔ لیکن افسوس یہ کہ ہر ایک شخص گیبٹی کی طرح ذہین نہیں۔ اور
اکثر تو ایسے ہیں کہ وہ سچ بچار کرنے سے بھاگتے ہیں۔ میں آج قرآن شریف پر ان لوگوں
کے اعتراضات یا بالفاظ دیگر اتہامات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اسے تعصب کی نظر
سے پڑھتے ہیں۔ ایک کتاب میں نے دیکھی ہے۔ جو ایک پادری صاحب کی تصنیف کردہ
ہے۔ اور جس کا نام اگر میں غلطی نہیں کرتا سورسز آف دی قرآن (سرچشمہ قرآن) ہے
جسمیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن میں کوئی بھی بات نئی نظر نہیں آتی فقط
اسمیں قصے کہانیاں اور اس وقت کی مذہبی کتابوں مثلاً سنٹ برنابس اور انوسنز کی
انجیلوں یا تالمود اور دیگر یہودیوں کی کتابوں کے خیالات جمع ہیں۔ اور ان کے ساتھ
مکہ کے عربوں کی پرانی روایات بھی ہیں۔ مگر ان سب کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے آقا
حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نیک نیتی پر حملہ کیا جائے۔ اور ثابت کیا جائے
کہ آپ جعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تاکہ اپنی ذاتی ہوس و عروج کی خاطر ایک نیا
مذہب ایجاد کریں۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اول تو تمام قصے جن کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ قرآن نے ادھر اُدھر سے جمع کئے ہیں مکہ میں زبان زد خلائق تھے۔ اور وہ ایسا وقت تھا
جبکہ بہت ہی کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد
صلعم خود بھی پڑھ نہ سکتے تھے۔ اور آپ کے پاس ایسا کوئی شخص نہ تھا جو آپ کے لئے
اس قسم کا مسالہ بہم پہنچاتا جو بعض کے خیال میں قرآن میں موجود ہے۔ رسول اکرم صلعم کے قول و
فعل کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ ان کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ آپکے ارد گرد ہمیشہ
ایک انبوہ کثیر آپ کے حالات کو دیکھنے والا تھا۔ جو آپ کی کامل صداقت پر شہادت دیتا
ہے۔ اور قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتا ہے۔ اگر سورتوں کے تیار کرنے اور ترتیب دینے میں
آپ مصروف رہتے تو یقیناً اس کا ذکر ان سابقین سے پہلے ایمان لانیوالوں کی شہادتوں
میں ہوتا جو آپ کو انسان کیلئے اُسوۂ حسنہ خیال کرتے تھے۔ اور آپ کے حالات اور
طرز عمل کی باریک ترین باتیں بھی یاد رکھنا مشکل اور غیر ضروری خیال نہ کرتے تھے لیکن کہیں

بھی اس قسم کا تذکرہ نہیں۔ اور نہ نمونوں کی تیاری کہیں نظر آتی ہے۔ قرآن خواہ اُسے
پڑھ کر یہی خیال پیدا کیا جائے بہرحال اجل اور عقل دو بالا تر ہے۔ اور رسول صلعم کی زبان پر
بحالتِ غشی وحی جاری ہوا ہے۔ قرآن کی صداقت اور صفائی استدلال سے جو اس کے
ہر ایک صفحہ پر نمایاں ہے لوگوں نے اس کے متعلق یہ غلط خیال پیدا کر لیا ہے کہ وہ تصنیف کردہ
ہے۔ کیونکہ وہ ان سب رویا بینوں کی تصانیف سے بالکل مختلف ہے جنہیں نے سر و پا اور عجیب
خیالی باتیں پائی جاتی ہیں مثلاً ایوی لیشن یا عبرانی پیغمبروں کی کتب۔ قرآن شریف ایک
معجزہ ہے خواہ ہم اُسے علم ادب یا علم الٰہیات یا مذہب کے نکتہ خیال سے دیکھیں۔ اگر اسکے ظہور
کا وقت اور مقام کا خیال کریں اور حضرت رسول کریم کی زندگی اور آپ کی تعلیم کو مدنظر رکھیں
تو میرے نزدیک ممکن نہیں کہ اس کی ہستی کے وہ ذرائع خیال کئے جائیں جو ہم فانی لوگ
عام طور پر خیال کرتے ہیں وہ بے تکا پن جو دوسروں کے الہامات میں دیکھا جاتا ہے اور
جس سے بعض لوگوں کو تسکین اور خوشی حاصل ہوتی ہے البتہ قرآن میں نہیں۔ دوسری کتابوں میں
رویا یا آئندہ کا خیال دھندلے طرز پر اور بڑی پیچیدگی سے لکھا ہے لیکن اسمیں بڑی صفائی
کے ساتھ۔ ان میں ان دھوئیں کے بادلوں کی نا تصوری ہے۔ جو اس آگ کی روشنی سے
چمکتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن قرآن خود روشن آگ ہے۔ وہ لوگ جو ان بے جوڑ باتوں کا
نام تصوف رکھتے اور بعید العقل خیال کرتے ہیں۔ اس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ قرآن میں
بالکل روزمرہ کی اور عملی باتیں ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہی سب سے زیادہ پر از تصوف
کتاب ہے۔ روحانی امور میں حقیقت اور عملی رنگ کا ہونا ہی رویا کی صفائی کا ثبوت ہے قرآن شریف
میں روحانی نقشہ نہ تو بے جوڑ اور نہ دھندلا ہے۔ وہ شروع سے اخیر تک حقیقت اور صلیت ہے
یعنے خدا ہی کا ہاتھ ہر ایک چیز میں دکھلایا ہے کیونکہ ہماری ہستی معدوم ہے۔ اگر خدا کا
خاص فضل نہ ہو۔ اس حقیقت کی روشنی میں جو صاف صاف نظر آ رہی ہے۔ لوگوں کے بُرے فعال
اور گستاخانہ اعتقادات کی حماقت عیاں ہوتی ہے اور بُت پرست اس سے جھانسا اور مُرجھا جاتا
ہے۔ شرابی اور بدمعاش پر خودکشی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جھوٹوں۔ دغا بازوں
اور شریروں پر گویا بجلی سی گر جاتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کے انعامات کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور

قدرت کے قوانین یعنے خدا کے قانون کو جس نے کہ اس دُنیا کو پیدا کیا ہے توڑتے ہیں ۔ بجواہ ہمکے ارادے کیسے ہی ہوں وہ ڈھیٹھ اور بیہودہ ہیں +

دن اور رات ۔ چاند سُورج اور ستارے اور پودے ۔ درختوں حیوانوں پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی زندگی ۔ موت وحیات ۔ غرضیکہ تمام نظارہ ہائے قدرت جو باقاعدہ اور باضابطہ ہیں خدا کی وحدانیت کی جس نے اُسے پیدا کیا قرآن کے صفحوں میں شہادت دیتے ہیں ۔ تمام روایات اور قصے جن کا اس میں ذکر ہے صرف خدا کے انعامات اور اس کی طاقت کو واضح طور پر بیان کرنے اور ان قوانین کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے ہیں ۔ جو خدا نے انسانوں اور قوموں کے لئے جاری کئے ہیں ۔ معترضین کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم نے پہلے کتب مقدسہ سے سرقہ کیا لیکن میں کہتا ہوں کہ قرآن نے ان کتابوں کے قصوں کا ذکر کرکے ان کی تشریح کردی ۔ اور انہیں نیا مذہبی رنگ دیکر اُن کی قدر افزائی کی ہے ۔ مثلاً انجیل میں حضرت داؤد کا جالوت کو مارنے کا قصہ پڑھ کر کچھ قرآن میں اُسی قصہ کا مطالعہ کیا جائے ۔ جو اس طرح [illegible] ہے :-

اس نے (طالوت) دریا [illegible] ساتھ [illegible] کہنے لگے کہ ہم میں [illegible] اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ۔ لیکن جن کا یقین تھا کہ وہ خدا سے ملیں گے بول اُٹھے کہ

"بہت ہوا ہے کہ جماعت تھوڑی غالب آئی جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے ۔ اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے ۔ اور جب وہ میدان میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ اے خدا ہمیں سچا صبر عطا کر ۔ ہمارے پاؤں محکم کر اور ہمیں ان کے مقابلہ میں مدد دے جو تیرے رضا کے خلاف کرتے ہیں "۔

یہ وہ دُعا ہے جو آپ سب کو عربی میں سیکھنی چاہئے یعنے پھر لکھا ہے کہ "وہ لوگ خدا کے حکم سے غالب ہوئے ۔ اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا ۔ اور خدا نے اُسے پیغمبری اور حکمت عطا کی ۔ اور سکھایا اُسے جو کچھ کہ چاہا ۔ اور اگر بعض کو بعض کے ذریعہ اللہ دفع نہ کرتا تو تمام دُنیا بگڑ جاتی لیکن اللہ اپنی مخلوقات پر بہت بڑا فضل کرنیوالا ہے"+

اسے سمجھ سکیں +

اس کتاب کی تعظیم کرنے میں ہمیں بڑی احتیاط چاہئے صرف اسکی حروف یا اسکی جلد بندی یا الفاظ کی ہیئت ہی کی عزت کرنا گویا بت پرستی اور موت ہے بلکہ جو پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ ہر وقت ہمارے دل میں چاہئے اور وہ ہماری جان ہونا چاہئے + قرآن کریم خود سورہ یونس آیت ۳۷ لغایت ۴۰ میں فرماتا ہے :-

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لا ریب فیہ من رب العلمین ام یقولون افترئہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین ۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبۃ الظلمین ۔ ومنھم من یومن بہ ومنھم من لا یومن بہ وربک اعلم بالمفسدین ترجمہ اور یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں کہ خدا کے سوائے کوئی اسکو اپنی طرف سے بنالے ۔ بلکہ جو (کتابیں) اس کے (زمانۂ نزول) سے پہلے (موجود) ہیں (یہ قرآن) پروردگار عالم کی طرف سے ان کی تصدیق ہے ۔ اور (ان ہی) کتابوں (کے احکام) کی تفصیل ہے (اور) اس (کے کتاب آسمانی ہونے) میں کچھ شک نہیں کیا (یہ لوگ قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ اسکو خود پیغمبر نے بنالیا ہے ۔ تو (اے پیغمبر تم ان سے) کہو کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ۔ (اور جیسا تم کہتے ہو ۔ میں اس کے بنا لینے پر قادر ہوں تو (تم بھی اہل زبان ہو) ایسی ہی ایک تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا (جس) جس کو تم سے (بلانے) بن پڑے (اپنی مدد کے لئے) بلالو (یہ لوگ اس پہلو سے گریز کر کے) لگے اس چیز کو جھٹلانے جس کے سمجھنے پر ان کو دسترس نہ ہوا ۔ اور ابھی تک اُنکی تصدیق کا موقع ہی انکو پیش نہ آیا ۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا ۔ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں تو (اے پیغمبر) دیکھو (ان) ظالموں کا کیسا (برا) انجام ہوا ۔ اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں ۔ جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لے آئیں گے ۔ اور بعض ایسے ہیں جو (آئندہ بھی)

اس پر ایمان لانے والے نہیں - اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار مفسدوں کو خوب جانتا ہے پھر سورہ البینہ آیت ۵ و ۶ میں فرمایا:-

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین ۵ حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ وذالک دین القیمہ ۰ ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیہا ط اولئک ھم شر البریہ ۰ ترجمہ حالانکہ (جو لوگ مخالف رہے) ان کو (اس رسول کے ذریعے سے) یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ ہی کو بندگی کی نیت سے یک رخے ہوکر اسکی عبادت کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں - اور یہی (وہ) ٹھیک دین ہے - بے شک اہلکتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ (دین حق سے) انکار کرتے رہے (وہ آخرکار) دوزخ کی آگ میں ہونگے (اور) اسمیں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں +

انتخاب از صحیح بخاری

۱ - خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں حسنات سے بڑھکر حسنہ وہ ہے جو مسلسل طور پر کیجاوے - خواہ وہ کیتنی ہی قلیل مقدار میں کیوں نہ کیجاوے +

۲ - نیک اعمال میں مستعد رہو - اور قبیح و شنیع اعمال سے اجتناب کرو +

۳ - حقیقتاً تم میں دو اعلےٰ صفات شرافت و استقلال ہیں جس سے اللہ تعالےٰ اور اسکا رسُول صلعم محبت کرتے ہیں +

۴ - وہ مستقل مزاج نہیں ہوسکتا جو مصائب میں گرفتار نہ ہو +

۵ - کاروبار میں غور و تدبر کرنا اللہ تعالےٰ کو پسند ہے +

۶ - کاروبار میں نیک طینتی غور و تدبر و بہترین ذریعہ کو اختیار کرنا انبیاء کرام کی صفات میں سے ہے +

۷ - وہ شخص اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں بہت مقرب و معزز نہیں جو کہ حکومت و طاقت ہونے پر

عفو و درگذر نہیں کرتا۔ اور اس شخص کو معاف نہیں کرتا جس نے اُسے ضرر پہنچایا ہے +

۸۔ یہ ہرگز نہیں کہنا چاہئے۔ کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی و نیکی کرینگے۔ تو ہم بھی ان سے بھلائی کرینگے۔ کہ اگر لوگ ہمیں دُکھ دینگے۔ تو ہم بھی انھیں آزار پہنچائیں گے۔ بلکہ یہانتک اسبات کا مُصمم ارادہ کر لینا چاہئے کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی نہیں کرتے تو ہم لوگوں سے بھلائی کریں گے۔ اگر لوگ ہمیں ستائیں گے۔ تو ہم انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دینگے +

نظم

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے

مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں
غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے

کیا وصف اسکے کہنا ہر حرف اُس کا گہنا
دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے

دیکھیں ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں
خالی ہیں اُن کی قابیں خوانِ ہدیٰ یہی ہے

اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا
راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُسکا ہے محمد صلعم دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

وہ یار لامکانی۔ وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہمنے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
طیب و امیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطاء یہی ہے

آنکھ اسکی دُور بیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

براہین نیرہ حصہ اوّل

قیمت بلا جلد ۱۲ ؁ قیمت مجلد ۱۴ ؁

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

یہ وہ بے مثل کتاب ہے جسمیں قرآن کو کل کتب مقدسہ سابقہ کے مقابل ایک زندہ کامل اور خاتم الہام ثابت کر کے تہذیب و تمدن انسان کے لئے قرآن کریم کی ضرورت دکھلائی گئی ہے۔ اور کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے فہرست کتاب ملاحظہ ہو:-

عالمگیر الہام کے مدعی۔ خدا رب العالمین ہے۔ الہام سے کوئی قوم خالی نہیں رہی۔ قرآن کی فیاضانہ تعلیم۔ وید کی ترتیب کا وقت عالمگیر الہام کے لئے موزوں نہیں تھا۔ کسی کتاب کی قدامت اسکے عالمگیر ہونے کی دلیل نہیں۔ قرآن کریم کی عالمگیر اشاعت۔ نزول قرآن کا وقت اسکی عالمگیری پر دلیل ہے۔ قرآن کریم کل کتب مقدسہ کا قائمقام۔ مختلف طبقات عالم کے مطابق حال قرآن کی تعلیم۔ گذشتہ کتب کیوں عالمگیر نہیں۔ ماکولات و مشروبات اور جسمانی طہارت کے صحیح اصول تک بھی انسان الہام کے سوا نہ سمجھ سکا۔ انسداد شراب اور ضرورت قرآن۔ غیر ذبیحہ کیوں حرام کیا گیا ذبیحہ کی تعریف۔ جھٹکہ کی مخالفت۔ غسل جنابت۔ مونچھوں کا اسلامی طرز رکھنا۔ عقل اور مذہب ہر دو خداداد عطیئے ہیں۔ اسلئے ان میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ انجیل مسلمہ ناقص ہے۔ خاتم اور کامل کتاب کی ایک خاص شرط بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کل عقائد باطلہ کی تردید موجود ہے۔ فطرت اسی خدا کا پتہ دیتی ہے جس کی طرف قرآن کریم رہنمائی کرتا ہے۔ رحمانیت میں رد دہریت رحمانیت اور رد تناسخ۔ رحمانیت اور رد کفارہ۔ ہر ہمو رحمانیت پر غور کریں۔ لفظ رب میں تناسخ کا رد ہماری نماز عربی کے سوا کسی اور زبان میں نہیں ہوسکتی۔ حشر اجساد کی ایک عمدہ دلیل قرآن کریم سے تہذیب انسان کن امور سے وابستہ ہے +

توحید کی غرض و غایت تہذیب ہے۔ توحید اور مساوات کامل توحید سے ہی کامل امن دنیا میں قائم ہوگا۔ کائنات پر انسان کی حکومت اور سلسلہ توحید +

المشتہر

خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام بکڈپو عزیز منزل لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

قیمت مکمل سٹ مجلد ۴ر

نہایت اعلیٰ ولائتی کاغذ پر طبع ہوئے

خطبات عنبریہ

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ انگلستان

یہ وہ معرکتہ الآرا خطبات ہیں جو حضرت خواجہ صاحب موصوف نے اپنے قیام لندن میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معروف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کیلئے انگلستان کے مختلف مقامات پر انگریزی زبان میں دیئے بعض احباب کی فرمائش پر ہم نے مندرجہ ذیل چھ خطبات اردو میں ترجمہ کرائے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے

نمبر (۱)

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

(۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی (۲) خدا کی کامل تصویر (۳) اسلام ہی ہمیشہ آتشین ہے (۴) الہام ایک زمینی ربوبیت ہے +

نمبر (۲)

توحید۔ دعا۔ تصوف

(۱) توحید آلہی (۲) اللہ تعالےٰ کی تعلیم کردہ دعا (۳) دعا اور استجابت دعا۔ (۴) تصوف +

نمبر (۳)

خطبات عیدین

(۱) عمل میں آزادی (۲) قربانی اور اس کی حقیقت۔ (۳) سنت ابراہیم

نمبر (۴)

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُن کا مقابلہ (۲) دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف) (۳) دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)

نمبر (۵)

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت

نمبر (۶)

حقوق نسواں

(۱) عورت نے یہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے۔ (۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولٰئک ہم المفلحون

اشاعتِ اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مُسلم انڈیا مجریۂ لنڈن

زیرِ ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔اے۔ایل ایل بی — مُسلم مشنری — مولوی صدر الدین بی۔اے۔بی۔ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

یہ کارِ ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مُسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہٰذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد (۵) | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۹ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

اطلاع عام

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ووکنگ انگلستان آج مورخہ ۱۸ مئی سنہ ۱۹۱۹ء مع اہلیہ لندن سے لاہور پہنچ گئے ہیں مجملہ احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ ان کے تمام ذاتی خطوط آئندہ بجائے ووکنگ ارسال فرمانے کے مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں

(پتہ حضرت خواجہ صاحب) دفتر اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

(خاکسار بندہ منیجر رسالہ ہذا)

شکریہ احباب

مندرجہ ذیل بھی خواہان مشن کے ہم تہ دل سے مرہون احسان ہیں جو رسالہ ہذا کی توسیع اشاعت میں سعی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان مخلص احباب نے رسالہ کے اجراء کی اہمیت اور اسکی وسیع اشاعت سے جو اسکی تقویت مسلم مشن ووکنگ کو پہنچ سکتی ہے۔ انہوں نے کما حقہ سمجھ لی ہے خدمت دین کا اجر جزیل احکم الحاکمین کے ہاں ہے۔ کاش ہمارے دیگر ناظرین کرام بھی اس اہم خدمت کی طرف توجہ مبذول فرما کر اپنے اور دیگر احباب کو خیال جنانا ہے فرمائیں۔ برادران اسلام! رسالہ ہذا اپنے اغراض و مقاصد میں انوکھا اور مقطلا ہے۔ اسکی طرف توجہ کرنی ہر مسلم فرد بشر کا فرض ہے۔ ذیل میں ہم شکریہ کیساتھ ان احباب کے اسمائے گرامی درج کئے دیتے ہیں۔ جو توسیع اشاعت میں مسلسل کوشاں رہیں:-

۱۔ جناب امام الدین صاحب تھوک برہما
۲۔ " عبدالحمید صاحب کالی کٹ
۳۔ " محمد علی صاحب سراج نگر
۴۔ " سید محمد عبدالغفور صاحب ہیڈ ماسٹر رسالہ (پشاور)
۵۔ " منشی محمد حسین صاحب لائل پور
۶۔ " برادران مدرسہ ہائی سکول بلگام
۷۔ " محمد یوسف۔ کوکرا
۸۔ " ایس محمد اشرف نصار مجرہ
۹۔ " قاضی زین الدین " الہ آباد
۱۰۔ " منشی رحمت اللہ کوشہ
۱۱۔ جمال برادران رنگون
۱۲۔ " آغا محمد کابلی رنگون
۱۳۔ " شیخ خدا بخش مردان
۱۴۔ " محمد عزیز اللہ صاحب
۱۵۔ " حبیب حبیبی۔ کالمبو
۱۶۔ " شیخ خدا بخش بغداد
۱۷۔ " ناظر علی لکھنؤ
۱۸۔ " ایس۔ حیدر۔ کراچی

۱۹۔ جناب محمد حسن خان بھوپال
۲۰۔ " سید میر احمد۔ چلکرہ
۲۱۔ " میر ولایت علی خریدار ۳۱۶۶
۲۲۔ " صدر الدین احمد۔ کلکتہ
۲۳۔ " شیخ قاسم عبداللہ۔ عدن

فہرست معاونین

۲۴۔ جناب عبدالستار صاحب چینی ترکستان
۲۵۔ " سید علی رضا۔ سکھر
۲۶۔ " غلام نبی۔ ڈھاکہ
۲۷۔ " منشی علاؤالدین۔ ڈھاکہ
۲۸۔ " فضل الدین سوداگر چینی ترکستان
۲۹۔ " احمد محی الدین حسینی
۳۰۔ " خادم حسین بارہ بنکی (خریدار خاص بنے ہیں)
۳۱۔ " سلیمان صاحب۔ بنگلور
۳۲۔ " پیر بخش۔ کراچی
۳۳۔ " غوثیہ بیگم شولاپور
۳۴۔ " محمد اسحاق نانک
۳۵۔ " حکیم شرافت اللہ۔ گورکھپور
۳۶۔ " قریشی لاہور
۳۷۔ " محمد یوسف۔ شیلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اُردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۵) — بابت ماہ مئی ۱۹۱۹ء — نمبر (۵)

شذرات

قارئین کرام اس اندوہناک خبر سے یقیناً متاسف ہونگے۔ کہ جناب یحییٰ النصر پارکنسن صاحب نومسلم مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۸ء کو راہئیے عالم البقا ہوئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ یوں تو دنیا میں سینکڑوں لوگ داعئے اجل کو لبیک کہہ کر کے اپنے خویش و اقارب والدین اور قوم کو داغ مفارقت دیئے جاتے ہیں لیکن اس قحط الرجال زمانہ میں ایسے قابل حامیئے اسلام کا ہم میں سے رخصت ہوجانا واقعی اشاعت اسلام کے لئے نقصان عظیم ہے آپ زبردست اہل قلم تھے۔ اور اسلام کی حمایت میں دشمنان اسلام کو دنداں شکن جواب دیا کرتے تھے۔ جناب مسٹر شبیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء نے مرحوم و مغفور کی جو لائف مختصر قلمبند فرمائی ہے جو اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ "یاد رفتگان" کے عنوان کے نیچے درج کیجاتی ہے جس سے قارئین کرام کو پتہ چلیگا کہ مرحوم و مغفور کس خیر و خوبی کے متنفس تھے۔ باری ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دیوے۔ اور ان کے پسماندگان کے قلب حزین کو اپنے فضل سے سکون و صبر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین +

گذشتہ نمبر میں قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب علالت طبع کی وجہ سے طبی مشورہ کے ماتحت ہندوستان واپس تشریف لا رہے ہیں۔ اُمید واثق ہے کہ جس وقت رسالہ ہذا ناظرین کرام کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اسوقت حضرت خواجہ صاحب موصوف بخیریت اپنے وطن مولود لاہور میں پہنچ چکے ہونگے۔ احباب ایسے قیمتی و بابرکت وجود کی صحت و درازی عمر کیلئے دعا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ◆

اُن گوناگون احسانات میں سے جو اسلام نے دُنیا پر کئے ہیں ایک احسان یہ بھی ہے کہ اسلام نے پُجاری کے منصب کا قطعی طور پر استیصال کیا ہے۔ اسلام میں عبادات مذہبی کو ہر ایک مسلمان سر انجام دے سکتا ہے۔ اور یہ کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور نہ ہی اسلام میں مقرر شدہ پروہت یا پُجاری یا امام ہیں۔ چنانچہ نہایت ہی خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے فاضل اجل نومسلم بھائی جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال حضرت خواجہ صاحب کی جگہ آج کل قائمقامی فرما رہے ہیں ◆

ہم اپنے فاضل بھائی جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں جنہیں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی عدم موجودگی میں لنڈن مسلم نماز گاہ میں نماز جمعہ و خطبہ پڑھانے کا موقع ملا ہے۔ اور گذشتہ تین ماہ سے جناب مارمیڈیوک پکتھال صاحب امامت کی خدمت سر انجام فرما رہے ہیں۔ اہالیان لنڈن و سکان ووکنگ جنہیں آپ کی اقتدا میں شریک ہو کر نماز پڑھنے کا فخر حاصل ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کی امامت کی تحسین و توصیف کر سکتے ہیں۔ جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال موصوف کے خطبات علمیت و قابلیت کی وجہ سے شہرہ آفاق ہو چکے ہیں۔ اور جس احسن و حکیمانہ پیرایہ میں جناب خطیب صاحب مذکورہ قرآن کریم کے عام فہم مضامین کی تفسیر و تشریح فرماتے ہیں۔ وہ بھی زبان زد خلائق ہو چکی ہے۔ اور ایک نومسلم کا اصل عبارت قرآن کو عربی زبان میں تلاوت کرنا اور بھی غضب ڈھاتا ہے۔ امید کامل ہے کہ ہمارے یورپین نومسلم یہ دیکھ کر مسرور ہوئے ہونگے۔ کہ اُن کی اپنی ہی قوم کا ایک شخص مختلف اقوام کے مسلم

مجمع کی عربی زبان میں امامت کراتا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سب نومسلم بھائیوں میں اسلام کی حقیقی عشق و تڑپ کی روح پیدا کرے۔ اور ہماری اسلامی برادری میں روز افزوں ترقی ہو۔ آمین ثم آمین +

جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال کی اسلامی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اِس جگہ پر ہم جناب مسٹر سمس کی بھی ان تھک و مسلسل تبلیغی جدوجہد کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے کہ مدت مدید سے جناب مسٹر عبدالقیوم صاحب ملک کی اعانت سے مسجد ووکنگ میں اتوار کے لیکچروں کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے +

لندن مسلم سوسائٹی بھی اپنی تبلیغی جدوجہد میں لگاتار مصروف ہے۔ گزشتہ نمبر میں مارچ ۱۹۱۹ء تک پروگرام سوسائٹی مذکورہ کا ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ذیل میں اس کے بعد کا پروگرام شائع کیا جاتا ہے:۔

۲ مارچ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ایس۔ ایچ رضا صاحب نے "محمد صلعم ایک قابل گرویدگی نصیحت" پر لیکچر فرمایا۔

۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ہڈلے رائیٹ شیخ محمد صادق صاحب نومسلم نے عملی طرالقن پر لیکچر فرمایا

۱۶ مارچ کو جناب مسٹر سی سلیمان سلیج نے "مذہب سراسر رحمت ہے" پر لیکچر فرمایا +

۲۳ مارچ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر اے الیکبری صاحب نے "غلطی اور اس سے نکلنے کی راہ" پر لیکچر فرمایا +

۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ہڈلے رایٹ شیخ محمد صادق صاحب نے "سیرت نبوی" پر لیکچر دیا۔

۶۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال صاحب نے "قانون زندگی" پر لیکچر فرمایا۔

۱۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ڈولے رایٹ صاحب نے زندگی کے مفہوم پر

لیکچر فرمایا +

۲۷۔ اپریل ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ڈڈلے رائیٹ صاحب نے بہشت و دوزخ پر لیکچر فرمایا +

یہ امر نہایت ہی مسرت انگیز ہے۔ کہ لندن مسلم سوسائٹی کے پروگرام اجلاس مسلسل شائع ہوئے ہیں جن سے انشاء اللہ تعالیٰ الخوش آیند نتائج ظہور پذیر ہونے کی قوی اُمید ہے +

مولود النبی صلعم

ذیل میں جلسہ مولود النبی صلعم کی مفصل روئداد درج کیجاتی ہے جو مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۹ء بروز ہفتہ بمقام ۱۱۱ کرامول روڈ جینو کی کنگس اسلامک سوسائٹی لندن کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ ایڈیٹر

سنٹرل اسلامک سوسائٹی کی جد وجہد سے حضرت نبی کریم محمد صلعم کا یوم ولادت جزائر برطانیہ کے دارالسلطنت لندن میں اُسی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جس طرح سالہا سال سے مسلم ممالک میں مسلمان اسے مناتے چلے آتے ہیں۔ اور دارالسلطنت مذکورہ میں یہ ایک سالانہ تہوار ہوگیا ہے۔ اس بڑے شہر کے صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ تمام اہالیان لندن کو اسپر نازاں ہونا چاہئے۔ کہ نسل انسانی کے سب سے بڑے محسن اور دُنیا کے سب سے بڑے کامیاب جمہوریت کے حامی اور اشتراکیت کے معلم کا یوم ولادت بڑی تزک و احتشام سے ہر سال لندن میں منایا جاتا ہے۔ یہ سالانہ تقریب سکان لندن کے لئے بہت منفعت بخش ہوگی۔ اگر اس سے اہالیان لندن کو اس عظیم الشان معلم کے کارنامہ ہائے زندگی و سوانحعمری کو منصفانہ اور غور و تعمق سے پڑھنے کی تحریص ہو۔ وہ انسان کامل کہ جس نے اپنے مشن کی راستی و صداقت کو قائم کرنے کیلئے معجزات کو دلیل نہیں ٹھیرایا۔ اور کہ جس نے اپنی پرستش کرنے سے لوگوں کو روکا اور سب کو علےالاعلان بتادیا کہ میں ان لوگوں جیسا ہی بشر ہوں لیکن ساتھ ہی آپ نے ایسا مہتم بالشان معجزہ کیا۔ جو کسی نے نہ کیا تھا یعنی یہ کہ جن میں آپ پیدا ہوئے۔ اُن

لوگوں کی سرشت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔ اور نسل انسانی کی فلاح اور بہبودی کیلئے اپنی تعلیمات کا ایسا ابدی و نمایاں گہرا اثر چھوڑا۔ کہ جس ابدی اثر کو کوئی بھی شخص یا جماعت یا خود وہ لوگ جنہیں سادہ لوح دُنیا دیوتاؤں یا خدا کے بیٹے سمجھ کر تکریم کرتی ہے چھوڑ سکے یا چھوڑ سکیں گے۔ اہالیان لندن کو متقی بننے کی ضرورت ہے۔ شراب جزائر انگلستان کے لوگوں کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ انہیں آنحضرت صلعم کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ کہ جس مزکی و معلم نے شراب جیسے ام الخبائث سے نسل انسانی کے ایک کثیر حصہ کو مخلصی دلائی۔ اور جس نے اخلاقی و معاشرتی قوانین منضبط فرمائے جن سے عملی طور پر خلق خدا کو نفع پہنچا۔ اور جن قوانین نے ان ہزار ہا لوگوں کو ایسی مہلک اور خطرناک بیماریوں سے نجات دی۔ جو آفت و مصیبت کی حد تک پہنچ چکی تھیں۔ اور جنہوں نے حقیقی جمہوریت اور مساوات کو قائم کیا۔ اور انسان کو انسان سے ملک۔ رنگ قوم وملت وغیرہ کے امتیازات و حدبندیوں کو مٹا کر برادرانہ سلک میں منسلک کردیا +

یوم ولادت کی یہ تقریبات بزبان حال آنحضرت صلعم کی ابدی و دیرپا کامرانی و کامگاری کا اظہار کرتی ہیں۔ ان تقریبوں میں مختلف ممالک۔ اقوام و السنہ۔ رنگ و عقائد کے ذکور و اناث بلا روک ٹوک برادرانہ شفقت و محبت سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور اُن سب کا نہایت فراخ دلانہ اور بڑے تپاک سے استقبال کیا جاتا ہے +

شومئے قسمت سے ان میں بعض بنی نوع انسان کے بدخواہ اور دشمن ایمان بھی ہیں۔ جو کہ اسلام کی عدیم النظیر جمہوریت اور اتحاد میں روڑا اٹکانے کے ایسے ذرائع اختیار کررہے ہیں۔ کہ جن سے اسلام کی عالیشان عمارت کی بنیاد پر ہی حملہ ہو۔ وہ لوگ مسلمانوں میں ذات پات کی رقابتوں کے پیدا کرنے کی عیارانہ حیلے تراشنے میں منہمک ہیں۔ تاکہ اس حیلہ سے اسلام کی طاقت و جبروت کو ضعیف کیا جائے۔ خدا کرے کہ واجب التکریم حضرت نبی کریم صلعم کے یوم ولادت کی تقریبات ان کو اپنی منصوبہ بازیوں میں پسپا کریں۔ اور مسلمانان عرب۔ ہندوستان۔ ایران اور مصر کو اُس بڑے معلم

کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کی غلطی سے متنبہ کریں جس سے کہ اسلام کا شیرازہ خود غرضانہ اغراض کیلئے بکھرا جاتا ہے۔ جیسا کہ آنریبل مسٹر باسو نے فرمایا ہے۔ کہ اس دنیا کے نظام جدید کی بنیاد بین الاقوام میں اتحاد و ہم آہنگی پر رکھی جانی چاہئے۔ یہانتک کہ غیر مسلموں کو بھی آنحضرت صلعم کی عالمگیر اور جمہوری تعلیمات کو پڑھنا چاہئے +

آنحضرت صلعم کی یوم ولادت کی تقریب سابقہ تقریبوں کی طرح کامیاب ہوئی۔ چونکہ کرسمس کا جشن اور ممبری انتخاب کی دھوم قریب تھی اسلئے اس سعید تہوار کا اہتمام کرنا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ کلیرج اور رٹز جیسے ہوٹلوں میں کثرت اژدہام کیوجہ سے رہائش کی گنجائش نہ تھی لیکن سنٹرل اسلامک سوسائٹی مس بیک اور مسٹر سین کی مرہون احسان ہے جنہوں نے ۱۲ کروموِل روڈ پر وسیع کمرے مرحمت فرما کر سوسائٹی مذکورہ کو تہوار منانے کے قابل کیا۔ جناب مسٹر جسٹس امیر علیؒ۔ لارڈ سنہا میجر جنرل ڈگسن۔ آنریبل مسٹر باسو میڈم اصفہانی مس صابرا و دیگر مسلمان نصرانی۔ یہودی۔ پارسی۔ اہل ہنود۔ اخوان و خواتین تقریباً تمام مذاہب و ملل رنگ و قوم کے موجود تھے۔ جو کہ ایک دوسرے سے بغیر کسی رسم و رواج اور تکلف کے آزادانہ اور خوش خلقی سے خلط ملط تھے۔ انہوں نے اس وقت محسوس کیا۔ کہ وہ ایک دوسرے سے بھائی بہنوں کیطرح ملے ہیں۔ اینگلو آٹومن سوسائٹی کے سرگرم سکرٹری مسٹر آرتھا فیل بعض ناگزیر حالات کے ماتحت شامل تہوار ہونے سے قاصر رہے لیکن اس موقع پر انہوں نے ایک نہایت ہی ہمدردانہ اور ہمت بڑھانیوالا تار ارسال فرمایا۔ مصر سوڈان اور ایران کے مسلمانوں نے اپنے ہندوستانی مسلم بھائیوں سے ہم آواز ہو کر مسٹر باسو کی تقریر کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ کی کاروائی ۳ بجے شام شروع ہوئی اور چھ بجے شام تک ختم ہوئی۔ اور تمام کے تمام مجمع آئندہ سال اسی طرح اس سعید تقریب کو منانے کیلئے منتشر ہو گیا +

(الصدوائی)

جناب مسٹر ایم ایچ اصفہانی کی افتتاحیہ تقریر

آج ہم اسلام کے مُطہر اور پاک پیغمبر صلعم کا یوم ولادت منانے کیلئے اکٹھے ہوئے ہیں جو کہ عرب کے نہایت ہی سنسان و ویران حصہ جو مکہ کے نام سے موسوم ہے۔ آج سے تیرہ صدیوں سے بھی کچھ عرصہ پیشتر پیدا ہوئے +

اُن کے مشن اور سوانح عمری کی تفصیلات میرے معزز دوست مسٹر ڈڈلے رائٹ مجھ سے زائد بالتفصیل آج کی شب اپنے گرامی لیکچر میں بیان فرمائیں گے۔ اس سعید موقع پر میں بھی آپ کے سامنے اپنے لیکچر کے ان حصص کو پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا جو آج سے پندرہ سال پیشتر مسلم لٹریری سوسائٹی مدراس کے صاحب صدر ہونے کی حیثیت میں میں نے پڑھے اور اس تقریر کا خلاصہ آنحضرت صلعم کے پاک کلمات کا ترجمہ ہی ہے +

سب سے پہلا حوالہ اس تقریر میں وہ ہے جو کہ آنحضرت صلعم نے مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے کے موقع پر فرمائی جبکہ وہ گھر جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بیٹے نے واحدہ لاشریک خدا کی پرستش کیلئے اُٹھائی تھی۔ اور جس میں کہ تین سو ساٹھ بُت پڑے ہوئے تھے۔ اور جس کو کہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی فوری ہدایت کے ماتحت مسمار کیا +

حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی دیوار سے سہارا لگا کر مکہ معظمہ کے کثیر التعداد باشندگان کو جنہوں نے کہ آپ کے پیراؤں کو تکالیف اور آزار پہنچائے تھے مندرجہ ذیل کلمات میں خطاب فرمایا۔

"اے اولاد قریش! تم مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو" انہوں نے جواب دیا "مہربان بھائی اور بھتیجے ہم تجھ سے رحم و شفقت کی امید رکھتے ہیں۔ تیرے اختیار میں ہے جیسا تو چاہے سلوک کرے"۔ اس پر آنحضرت صلعم کی چشمان مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا

آج کے دن تم پر کوئی سختی نہ کیجائیگی - اور خداوند تعالیٰ نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور دھو ڈالیگا - کیونکہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے - مگر آپ نے فرمایا تم اپنے نبی کے نہایت ہی بُرے پڑوسی تھے - تم نے اُسے جھٹلایا - اور اُسکو یہاں تک آزار دیا - کہ اُس نے تم سے ہجرت اختیار کی - اور یہیں تک تم نے بس نہیں کی - بلکہ مدینہ تک تم نے اُس کا تعاقب کیا - اور اس سے برسر پیکار ہوئے لیکن ان تمام تکالیف کے جو تم سے اُس کو پہنچیں اُس نے تم کو معاف کر دیا ہے - اور تم آزاد ہو" +

چنانچہ اہل مکہ نے اس دن "آزاد لوگوں" کا خطاب حاصل کیا - بعد ازاں آنحضرت صلعم نے ایک طول و طویل خطبہ فرمایا - جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

"اے لوگو - جو یہاں حاضر ہو میری باتوں کو ان تک پہنچا دو جو غائب ہیں - خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اور اسلام کی عزت و شوکت کے لئے اس تکبر و نخوت کو جو تمہیں بطور بت پرستی کے بقیہ کے ملا ہے تم میں سے اور تمہارے آباؤ اجداد و قبائل میں سے نکال دیا - اے لوگو ! تم آدم کی اولاد ہو - جو کہ مٹی کا بنا ہوا تھا - خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں تم میں سب سے زیادہ متقی و پیارا وہ ہے - جو کہ اس کا سب سے بڑھ کر فرمانبردار ہے - اور پرلے درجہ کا پرہیز گار ہے - گذشتہ ازمنہ کی تمام خونی خانہ جنگیاں روز جزا تک میرے قدموں کے تلے آج سب دھوئی گئی ہیں" +

دوسرے موقعہ پر جبکہ انصار میں کہ جنہوں نے اسلام کی حفاظت میں آپ کی امداد فرمائی تھی بد دلی سی پیدا ہو گئی - کیونکہ آپ نے مال غنیمت کا ایک کثیر حصہ ان حلقہ بگوشان اسلام (یعنی اہل مکہ) کو مرحمت فرما دیا - جنہوں نے کو تلیل عرصہ بھی نہ گذر اتھا - کہ اسلام قبول کیا تھا - اسلئے آپ نے ارشاد فرمایا - کہ ایک خاص خیمہ لگا کر اسمیں انصار کو جمع کیا جاوے - بعد ازاں آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس مجمع کو خطاب فرمایا :-

اے انصار ! میں نے اِس گفتگو کو سُن لیا ہے - جو تم آپس میں کرتے ہو - جب میں آیا - اس وقت تم تاریکی میں ٹامک ٹوئیں مارتے تھے - اور اللہ تعالیٰ نے تم کو صراط مستقیم پر چلایا - تم تکالیف میں مبتلا تھے - اور اس نے تم کو راحت عطا فرمائی - تم ایک دوسرے

کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے قلوب میں برادرانہ محبت و شفقت و اتحاد ڈال دیا۔ اب مجھے بتلاؤ۔ کہ کیا واقعی تمہاری ایسی حالت نہ تھی؟ ان سب نے متفقہ طور پر جواب دیا۔ کہ "حقیقتاً ہماری حالت ایسی ہی تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسُول کے ہاں ہی شفقت رحم و فضل ہے" آنحضرت صلعم نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ اور فرمایا۔ کہ "خدا کی قسم۔ کہ حقیقتاً تم نے سچ جواب دیا۔ اور تم جواب میں یہ بھی کہہ سکتے تھے۔ کہ آپ ہمارے پاس آئے۔ جبکہ آپ کی قوم نے آپ کو فریبی و دغاباز کہہ کر آپ کی تکذیب کی۔ اور ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ ہمارے پاس ایک بیکس مفرور کی حالت میں آئے۔ اور ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ ایک غریب اور قوم سے نکالے ہوئے کی حیثیت میں آئے۔ اور ہم نے آپ کو جائے پناہ دی آپ بے آرام تھے۔ اور ہم نے آپ کو دلاسا اور تسلی دی" +

جب آنحضرت صلعم نے یہ کلمات فرمائے۔ تو اہل مدینہ نے آپ سے التجا کی کہ بس فرمائیے۔ اور وہ تمام کے تمام زار و قطار رونے لگ گئے۔ یہانتک کہ انکی داڑھیوں پر آنسو گرنے لگ گئے۔ تب آپ نے بیان فرمایا۔ کہ میں نے قریش کے نومسلموں کو اس لئے فراخی سے دنیوی مال و متاع دیا ہے۔ تا کہ اس سے ان کی دلجوئی ہو۔ اور وہ اپنے سابقہ [illegible] وہ کو فراموش کر دیں۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

"اے انصار! اس دنیوی زندگی کی زینت کے لئے اپنے دلوں کو کیوں تکلیف پہنچاتے ہو۔ کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو۔ کہ اہل مکہ تو اونٹوں اور ریوڑوں کو حاصل کریں [illegible] اپنے ساتھ لئے اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اسی ذات باری کی قسم ہے۔ کہ جس کے ہاتھ میں [illegible] جان ہے۔ میں تم کو کبھی بھی نہیں چھوڑونگا۔ اگر نسل انسانی ایک طرف کا رخ لے۔ اور انصار دوسری طرف کا تو بلا شک و شبہ میں انصار کا ساتھ دونگا۔ اللہ تعالیٰ ان پر ان [illegible] اولاد پر اور انکی اولاد کی اولاد پر اپنے افضال و برکات نازل فرماتا ہے" +

اس پر تمام انصار ہم آہنگ ہو کر پکارے۔ کہ ایخدا اسکے رسُول و پیغمبر ہم تمام اپنے حصے اچھی طرح مطمئن ہیں۔ اور سب کے سب خوش و خورم اطمینان قلب کے ساتھ واپس چلے گئے +

تیسرے موقعہ پر جبکہ آپ نے اپنے پیرؤوں کو آخری الوداعی پیغام سُنایا۔ یہ حجۃ الوداع

کا موقعہ تھا۔ اور آپ نے کوہ عرفات پر کھڑے ہوئے وعظ فرمایا۔ اور جس کو میں آنحضرت صلعم
نے "پہاڑی والے وعظ" کے نام سے تعبیر کرونگا۔ آپ نے فرمایا:۔

"تمہارے اموال وجانیں ایکدوسرے کے درمیان متبرک و مقدس ہیں۔ یہانتک کہ تم
احکم الحاکمین کے حضور پیش ہو۔ اور یاد رکھو۔ کہ تم نے اس احکم الحاکمین کے دربار میں
پیش ہونا ہے جو کہ تمام اعمال کی بازپرس کریگا۔ اے لوگو! تمہاری بیبیوں کے تم پر حقوق ہیں
اور ایسا ہی تمہارے حقوق تمہاری بیبیوں پر ہیں۔ اپنی ازواج کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے
سلوک کرو۔ بلاشبہ تم نے اُن کو اللہ تعالی کی ضمانت پر لیا ہوا ہے۔ اور خداوند تعالی ہی کے
احکام کے بموجب ان کو تم نے اپنے لئے جائز قرار دیا ہے۔ اور اپنے غلاموں کو ایسا ہی کھانا دو
جیسا تم خود کھاتے ہو۔ اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے
جس کو معاف کرنے کے لئے تم راضی نہ ہو۔ تو انہیں رخصت کردو۔ کیونکہ وہ خداوند تعالی کی
مخلوق ہیں۔ اور ان کے ساتھ سختی سے سلوک نہیں کرنا چاہئے" "اے لوگو! میرے کلمات
سنو اور ان کو سمجھو۔ اور جانو کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور تمہاری ایک ہی برادری
ہے۔ کسی بھائی کی چیز اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ خود برضا و رغبت و خیرخواہی
سے عطا نہ کرے۔ اور بے انصافی کرنے سے بچتے رہو" + حاضر کو چاہئے کہ غائب کو میرا کلام
پہنچا دے۔ ممکن ہے کہ جسکو یہ کلام بتلایا جاوے سُننے والوں سے زیادہ یاد رکھ سکے۔ خطبہ کے
اختتام پر آنحضرت صلعم نے بہ آواز بلند فرمایا" کہ اے خدا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اور
اپنا کار منصبی مکمل کر لیا۔" انبوہ کثیر نے ہم آہنگ ہو کر پکارا۔ کہ بلا شک و شبہ آپ نے
ایسا ہی کیا ہے" +

"اے خداوند تعالے میں تیری درگاہ میں یہ الحاح و زاری عرض کرتا ہوں کہ تو اس پر گواہ ہو"
آنحضرت صلعم کا پہاڑی والا وعظ اگر ایک طرف قابل العمل و معقول ہونے کی وجہ سے دل و دماغ
کو اپیل کرتا ہے تو دوسری طرف ان ادنے طبائع کی ضروریات و سمجھ کے مطابق بھی ہے جنہیں اخلاقی
رہبری کیلئے سیدھے سادے اور قابل فہم ہدایات کی ضرورت ہے +

کاش اب میرے پاس کافی وقت ہوتا۔ تو ان حوالجات کے اصلی کلمات کو عربی زبان میں ہی پڑھتا

جو کہ تراجم کی نسبت بدرجہا روح کو اُبھارنے والے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اپنے زبان کے ثانی دوستوں کو عربی کا بہت سا علم حاصل کرنے کی ہمیشہ تحریص و ترغیب دلاتا رہتا ہوں جسکے کردہ نہ صرف عمدہ زباندان اور منطقی ہی بن جاوینگے۔ بلکہ اس معلم اعظم کے مقدس ترین کلمات کی قدر و منزلت کرنے کے بھی قابل ہو جاوینگے۔ جن کی پیروی کا اُنہیں فخر حاصل ہے اور جن کے مُقدس کلمات کی خیر و خوبی کو اب بوجہ ناکافی تراجم کے یاحسن وجہ نہیں پہنچ سکتے۔ اپنے عیسائی دوستوں سے میں یہ عرض کرونگا۔ کہ جناب مسیح کے کلمات زیادہ مؤثر ہوتے۔ اگر اصلی زبان عبرانی میں آپ کے دلکش کلمات کا ملنا ممکن ہوتا لیکن مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے جس سے وہ استفادہ اُٹھاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ مشترکہ طور پر اُن کے یہودی بھائیوں کو بھی یہ حق حاصل ہے جن کے پاس جناب موسیٰ کا کلام اصلی رسم الخط میں پہنچا +

وہ بد کیش لوگ جو قبیح مدعا کو ملحوظ نظر رکھ کر اسلام کو بدنما شکل میں پیش کرتے ہیں اس جگہ انکی توجہ خصوصیت سے میں آنحضرت صلعم کے پیارے والے [illegible] مبذول کرتا ہوں۔ کہ جن خصائص پر ہم میں سے اکثر احباب عمل پیرا [illegible] جن سے ہمارے اس حسن سلوک و حُسن خلق کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ہم [illegible] اپنے صنف نازک سے اور نوکروں چاکروں غلاموں۔ مزدوروں یا پیشہ وروں سے روا رکھتے ہیں۔ کیا کوئی شخص آنحضرت صلعم سے بڑھکر فرقہ اناث اور غلاموں کو حقوق دے سکتا ہے۔ کیا کوئی شخص اس بیسویں صدی عیسوی میں اُن حکیمانہ احکام میں کوئی ترمیم یا ایزادی کر سکتا ہے جو آج [illegible] صدیاں ہوئیں حضرت نبی کریم صلعم نے ریگستان عرب میں عورتوں اور غلاموں کیلئے منضبط فرمائے +

جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ شیخ محمد صادق صاحب کی تقریر

حضرت محمد صلعم کا تذکرہ زندگی نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اور حقیقتاً تمام سوانح عمریوں میں آپ کی [illegible] نہایت ہی دلکش و دلفریب ہے۔ مذہبی مصلح ہونے کی حیثیت میں آپ اس وقت دنیا میں مبعوث ہوئے جبکہ زمانہ اصلاحات کا متقاضی تھا۔ کہ اس قسم کی اساسی و بابرکت اصلاحات مروج ہوں جو کہ آپ نے

اجرا فرمائیں۔ اور اب روز روشن کی طرح عیاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ کہ آپ کا مشن حقیقتاً اعلے لوثی جذبہ پر مبنی تھا۔ ایک وہ وقت تھا جبکہ مفتری و دروغ گو مذہبی خیال و رائے پر تسلط جمائے ہوئے تھے لیکن گذشتہ دو یا تین صدیوں سے عوام الناس میں آزادئ رائے اور منصف مزاجی کی روح پھونکی گئی ہے۔ اور آہستہ آہستہ بالآخر یقینی طور پر دنیا پر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ کی شخصیت مہر تاباں کی طرح درخشاں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ آپ کی اعلیٰ نصب العین کی پاکیزگی اور مشن کی صداقت کو اور آپ نے ربانی حکم پر جاری فرمایا۔ اب دنیا اعتراف کرنے لگ گئی ہے۔ بہت سے لوگ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دیو خیال کرتے ہیں۔ جو کہ ایک مہیب جنگجو و خونخوار ہوتا ہے اور جس کے پیرو بھی لازماً جیسا کہ ان کا آنحضرت کے متعلق خیال ہے بیرحمی و جباری کا مجسمہ ہوتے۔ لیکن اب عوام الناس اس بات کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں۔ کہ آپ خود بھی ظلم و تشدد کا تختہ مشق بنے رہے ہیں۔ اور جن جنگوں میں آپ مجبوراً شریک ہوئے وہ محض خود حفاظتی جنگیں تھیں جو کہ ظلم و تشدد کے لئے نہ تھیں۔ آپ کے دل میں فقط ایک ہی تڑپ تھی کہ زندہ و جاوید خدائے ذوالجلال کی شان و جبروت روز افزوں ترقی پر ہو۔ آپ نیکی کے زبردست حامی و پیشوا تھے۔ اور نہ صرف اپنے کنبہ قبیلہ اور قوم کے ہی مربی و محسن تھے بلکہ کل نسل انسانی کے محب و محسن تھے۔ اور آپ کی زبردست و عالیشان سیرت و خصلت کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اس بات پر آپ نے خصوصیت سے زور دیا۔ کہ اگرچہ میں پیغمبر ہوں۔ اور حسن خطاب کا میں صحیح طور پر مدعی ہوں لیکن محض ایک بشر ہی ہوں۔ اعجاز نمائی کا آپ نے کبھی ادعا نہیں کیا۔ تاکہ لوگ عقل و دانش و [illegible] سے آپ پر ایمان لائیں۔ بعض اندھا دھند متبعین نے اس قسم کی طاقت آپ کی طرف منسوب کی ہے۔ لیکن دیگر مشہور انسانوں کی طرح آپ کو بھی دوست و دشمن سے تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لیکن آپ اپنے سامعین کو ہر وقت یہی یاد دلاتے رہے۔ کہ میں ایک بشر ہی ہوں۔ اگرچہ آپ ایک بشر ہی تھے لیکن ایک عجیب و غریب بشر تھے۔ ایسے بشر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تم بالشان بھروسہ تھا۔ جو کہ آپ کا نمایاں و ممیز وصف ہے۔ آپ ایک زبردست روح کے مالک تھے۔ اور روحانی طاقت و جبروت آپ میں غایت درجہ کی تھی۔ جو کہ ابدی ہستی سے مسلسل لو لگانے سے حاصل ہوئی تھی۔ روحانی اور مادی نقطہ خیال سے بھی آپ کو کامل نصرت حاصل ہوئی۔ اور ملک عرب کی برسر پیکار اقوام کو

متحد کرنے میں آپ مظفر و منصور ہوئے۔ اور ان کو ایک زبردست قوم بنا دیا ۔ یہانتک کہ آپ کی تعلیمات نے جو آپ کے ذریعے نازل ہوئی ہیں۔ عربوں میں ایک زبردست رُوح پھونک دی۔ جو بعد ازاں دیگر اقوام کیلئے پارسایانہ اور متقیانہ زندگی بسر کرنے کیلئے خضر راہ بنیں۔ اور آپ کی دلیرانہ سرگرمی نے اہم اور دلیرانہ مُہمات کرنے کی تحریص دلائی جس سے کہ آپ کے نام کی لوگ عزت و وقعت کرتے ہیں۔ اہم سے اہم خطرے کے مقابل اور شدید سے شدید ادبار میں بھی آپ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر قوی ایمان رہا۔ اور اسی کی استعانت طلب فرمائی۔ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا مشن ربانی مشن ہے جس کو آپ نے سرانجام دینا ہے۔ اور آپ کا اللہ تعالے کے احکام کو مختلف اقوام میں پھیلانا خالصاً للہ تھا۔ جس کے لئے آپ گھر بار خویش و اقارب تک چھوڑنے کے لئے مجبور ہوئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ڈنکہ اصنام پرستوں میں بجائیں۔ جس کی خاطر کہ آپ کو آلام و مصائب کا تختہ مشق بننا پڑا ۔

اس دُرِ یتیم نے اوائل عمر اور سن بلوغت تک پہنچنے تک امن و امان کی زندگی بسر کی۔ اور اپنی عمر کے پہلے چالیس سن میں آپ ملک عرب کے محض ایک معمولی شہری ہی تھے۔ اگرچہ آپ اکثر غار حرا میں ذکر و فکر صوم و صلوٰۃ کیلئے معتکف ہوتے تھے۔ آپ کا طرز زندگی سادہ تھا۔ اور تمام عمر میں کبھی بھی آپ نے اپنے مشن کی آڑ میں اپنے آپ کو متمول بنانے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس کافی ذرائع و رسائل بھی موجود تھے۔ جُوں جُوں سال گذرتے گئے اعتکاف زیادہ مرغوب خاطر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب آپ ایک دفعہ معتکف بیٹھے تھے۔ اس حالت اعتکاف میں ایک ربانی آواز آئی۔ جو کہ آسمانی پیغام تھا۔ کہ "اے محمد اُٹھ۔ حق و صداقت کیلئے اُٹھ۔ کہ تو ہی خداوند کا رسول ہے۔ اُٹھ اور لوگوں کو پند و نصائح کر۔ اور اپنے اللہ کی بڑائی بیان کر" ۔

آپ نے دشمنوں سے انتقام لینے کا کبھی بھی خیال نہیں فرمایا۔ یہانتک کہ جب آپ بُت پرستی کے خلاف ... وعظ فرماتے تھے۔ تو اہل صنم نے آپ کو مکہ معظمہ سے باہر نکال دیا۔ تو آپ نے دُعا فرمائی ۔

کہ اے رب العالمین میں تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اپنی کمزوری کی وجہ سے میں لوگوں میں

حقیر ہوں لیکن اے ارحم الراحمین ۔ کمزوروں کے رب ۔ تو ہی میرا رب ہے ۔ مجھے مت چھوڑ یو ۔ مجھے اجنبیوں اور دشمنوں کا شکار مت کیجیو ۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ۔ تو میں صحیح و سالم ہوں اور میں تیرے ہی چہرہ کی روشنی میں پناہ مانگتا ہوں جس سے کہ تمام تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور امن راحت یہاں بھی اور عالم اخروی میں بھی ملتا ہے ۔ جیسی بھی تیری مرضی ہو ۔ میری مشکلات کو حل فرما اور ان کو صراط مستقیم پر چلا ۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے جو وہ کرتے ہیں ۔ پیرو ان کو گرویدہ کرنے کی جد وجہد میں عرصہ دراز صرف ہو گیا ۔ اور چار سال کی محنت شاقہ کے بعد چار صحابہ نے آپ پر اعتماد فرمایا ۔ آپ کی تلقین کوئی نرا آسان زبانی مذہبی عقیدہ ہی نہ تھی ۔ بلکہ آپ نے صوم و صلوٰۃ خیرات و زکوٰۃ کی زندگی کی تلقین فرمائی ۔ اور یہ عقیدہ گو بظاہر سادہ ہے ۔ لیکن روزمرہ کی کے ادنے سے ادنیٰ کام میں اور عملی فرائض کے افعال اور خیالات تک اس کا دخل ہے تمام مذہبی مصلحین کی قسمت میں مشترکہ طور پر تکالیف و آلام جھیلنا اور تہمتان و غلط بیانی کا نشانہ بننا لکھا ہوا ہے ۔ لیکن حضرت محمد صلعم کو ان سب سے زیادہ تعداد میں اور شدید سے شدید مصائب جھیلنی پڑیں ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ جس عقیدہ کی آپ نے تلقین و تعلیم کی ۔ اور جن لوگوں نے اسے قبول کیا وہ لوگ توہم پرست غلاموں کے انبوہ کثیر سے نکلکر بہادر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بنگئے ۔ مے نوشی اور عیوب مفقود ہو گئے ۔ اور بد اخلاقی کافور ہو گئی ۔ وہ لوگ جو قتل و غارتگری کو معیشت پیدا کرتے تھے متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے شہری بن گئے آنحضرت صلعم کا مذہب اگرچہ سادہ ہے ۔ لیکن جس قدر بھی خیال میں لایا جا سکے اسی قدر گہرا و عمیق ہے ۔ جسکا وہی الفاظ "ایمان و عمل" میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان جس کا نتیجہ ہے کہ ربانی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تکمیل اور بلا چون و چرا فرمانبرداری ۔ جو لفظ اسلام یعنی اسلام کے نام میں ہی مضمر ہے ۔ جہاں کہیں بھی مذہب اسلام اختیار کیا گیا ہے وہیں اس نے روحانی تجدید کا قلع قمع کر دیا ہے ۔ اسلام میں گناہوں کے عوض میں کفارہ کے مفہوم کی کوئی قربانی نہیں ۔ اور نہ ہی اسمیں حواریوں کی قائمقامی کے ہی ڈھکوسلے ہیں ۔ اور نہ ہی پادریوں کی طرح خاص لوگ اسمیں مقرر کئے جاتے ہیں ۔ جن کو مکتی یا نجات دینے کے اختیارات حاصل ہوں ۔ اور عیسویت سے خود اسلام کہیں زیادہ اصنام پرستی کا دشمن ہے ۔ اسلام میں اللہ اور مخلوق کے درمیان کوئی بھی واسطہ

نہیں - اہل اسلام بھی ایک قربانی کا قائل ہے - اور وہ قربانی یہ ہے - کہ انسان اپنی خواہشات پر قابو پائے - اور ہر ایک کام اللہ تعالےٰ کی مرضی کے ماتحت کرے +

تیرہ سو سال کا عرصہ گذر گیا ہے - جبکہ نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم نے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر تھے اپنا پیغام پہنچایا - اور اس پیغام سے جو آپ نے پہنچایا - اور جو اب بھی پہنچایا جاتا ہے - نسل انسانی کی ایک تہائی کو اس سے تسکین - انبساط اور بہجت حاصل ہوتی ہے - آپ کی شخصیت کا مقناطیسی اثر نسلاً بعد نسلاً چلا آتا ہے - اور جو عقیدہ کہ آپ نے تلقین فرمایا اسکے اثر و زور میں اب تک سر مو تفاوت واقع نہیں ہؤا - اور آپ کے پیروں نے جو معبد صادق و جاوید خدائے ذوالجلال کی عبادت کیلئے تعمیر کئے ہیں - اسمیں واجب التکریم نبی کریم کا کوئی بھی بت دکھائی نہیں دیتا اور آپ کی عزت میں کوئی بھی بت نصب نہیں کیا گیا - آپ ان معبدوں میں اس مہتم بالشان زبردست انسان کی کوئی بھی ۔ ۔ ۔ ۔ تصویر آویزاں نہ پا دینگے - جس نے کہ لوگوں کو بامحل و بے محل محنت و مشقت برداشت کر کے انصاف و مستعدی سے واحد حقیقی کی عبادت کی تلقین کی +

کیا حضرت محمد صلعم کو تاریخ میں حقیقی جگہ دینے سے ہم انکار کر سکتے ہیں - کیا وہ ہمارے اور تمام نسل انسانی کے شکریہ کے مستحق نہیں - ہم بحیثیت اس کے متبعین ہونے کے آپ لوگوں سے ملتجی ہیں - کہ آپ اس عظیم الشان پیغمبر کی سوانحعمری اور اسکے کارہائے نمایاں کو بغیر منصفانہ اور بے تعصبانہ مطالعہ فرمائیں - اور بے تعصبی بھی وہ کہ جسمیں ایک شمہ بھی طرفداری اور تعصب کا نہ ہو تو حقیقی دلچسپی یقیناً اس طرح ظہور پذیر ہو گی جس طرح رات کے بعد دن لازماً ظہور پذیر ہوتا ہے - آپ اس عظیم الشان انقلاب کو دیکھیں جو ملک عرب کے لوگوں اور اقوام کے اوضاع و اطوار و عادات میں پیدا ہو گیا - اس سے پیشتر جبتک کہ پیروان نبی کریم نے کتاب اللہ کی روشنی سے اُن کو منور نہ کیا - وہ ربع مسکوں کے بہائم و وحوش میں شمار ہوتے تھے +

جبکہ آپ کی وفات کی خبر مشتہر ہوئی تو ایک انبوہ کثیر آپ کے دولتکدہ کے باہر جمع ہو گیا اور

آہ و بکا چیخ و پکار و نالاں کا ایک کہرام مچ گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ "آپ فوت نہیں ہوئے فقط حالت غشی آپ پر طاری ہوئی ہے۔ اور شمشیر برہنہ سونت کر آپؓ نے درشتی سے لوگوں کو دھمکایا۔ کہ کوئی شخص حضرت نبی کریم کو فوت شدہ کہنے کی جرات نہ کرے لیکن اس شور و شغب میں حضرت ابوبکر صدیق کی کرخت آواز سنائی دی۔ جنہوں نے کہ ذیل کے کلمات پڑھے:-

"الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" ترجمہ "اگر تم محمد کی پرستش کرتے ہو تو تم کو معلوم رہے کہ محمد تو یقیناً مر گئے لیکن خدائے محمد جیتا ہے اور وہ کبھی نہیں مر سکتا" +

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مندرجہ بالا آیات کریمہ تلاوت فرما کر آپؓ نے جمغفیر کو اطمینان دلایا پس آج جو کہ ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا پیغام منجانب اللہ تھا۔ اور کہ پیغمبر خدا کو تخت الوہیت پر نہیں بٹھاتے۔ آج اس جگہ اسلئے جمع ہوئے ہیں۔ تاکہ اس عظیم الشان شخص کی توقیر عزت محبت وایثار اور بزرگی کا اعتراف کریں۔ اور پھر اپنا ایمان بہ آواز بلند ہم آہنگ ہو کر مشتہر کریں۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ +

آنریبل جناب مسٹر بھوپیندرا ناتھ باسو کی تقریر

جناب صدر جلسہ! خواتین اور حاضرین مجلس!

مجھے خوشی ہے کہ آج مجھے اسلام اور حضرت محمد (صلعم) جن کے یوم ولادت کو منانے کیلئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں عظیم الشان کارناموں اور زندگی کی قدر وقیمت کے اعتراف کا موقعہ ملا ہے۔ میں بحیثیت ایک ہندوستانی اور ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے اور نہایت ضروری عنصر یعنے مسلمانوں کا ہم وطن ہونے کے باوجود اسکے کہ اپنی نسل اور عادات کے لحاظ سے ہندو ہوں۔ اس حیرت انگیز اثر کو محسوس کرتا ہوں جو پیغمبر اسلام (صلعم) کی تعلیمات اور آپ کی زندگی نے پیروان اسلام کے دلوں میں ڈالا ہے۔ میرے نزدیک بنی نوع انسان

کی بیماریوں اور نقائص کا ۹/۱۰ حصہ اس ناواجب فوقیت و برتری کا نتیجہ ہے جو ایک جماعت کی دوسری جماعت پر یا ایک انسان کی دوسرے انسان پر یا ایک قوم کی دوسری اقوام پر فرض کر لیگئی ہے۔ وہ تمام بیماریاں اور اخلاقی نقائص جو اس خود ساختہ عدم مساوات کے ذریعہ پیدا ہو سکتی ہیں۔ پیغمبر اسلام (صلعم) کے وقت بہت کثرت کے ساتھ اور عام طور پر پائے جاتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی مذہبی تعلیمات کے خلاقی اثر کے ماتحت اپنے ذاتی نمونہ اور عمل کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم پیدا کی جس میں افریقہ کا ایک نہایت ادنےٰ اور کریہ الشکل انسان بھی بڑے سے بڑے عربی النسل سردار کے ساتھ ایک ہی سطح اور درجہ مساوات پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ یہ مساوات صرف آپ ہی کے زمانہ یا ملکِ عرب تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ خالص جمہوریت تحمل و رواداری اور مساوات کا اصول جو پیغمبر اسلام نے سکھایا۔ اور اس پر کاربند کیا۔ عرب کی زمین سے نکلکر تمام ربع مسکون پر پھیلگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس مقدس انسان کو تیرہ سو سال گذرے ہوئے ہو جانے کے باوجود ہندوستان میں ایک معمولی خاکروب بھی اسلام کے اندر آکر بڑے سے بڑے امیرزادوں کے ساتھ بلا روک ٹوک مساوات کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

میں نے مذاہب عالم کو مطالعہ کیا ہے۔ اور مساوات کی یہ شان کسی دوسرے مذہب میں میں نے نہیں پائی۔ ہندوؤں کے اندر ہم پر ذاتوں اور قومیت کی سخت تفریق اور حدبندیاں قائم ہیں میں اس بحث میں پڑنے کیلئے تیار نہیں کہ ذاتیات کی یہ تفریق ہندو مذہب میں اس کے ملاوٹ وغیرہ سے پاک ہونے کے وقت بھی موجود تھیں یا نہیں لیکن موجودہ زمانہ میں یہ طریق ہندوؤں میں موجود ہے۔ اور بعض قوموں کے متعلق ان کا یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سر سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور بعض پاؤں سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور تو اور خود ان مذاہب میں بھی جن کو اسلام کے ساتھ کچھ نہ کچھ اشتراک ہے یہ تفریق قائم ہے۔ چنانچہ یہودیوں کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ صرف اسرائیلیوں ہی کو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ قوم سمجھتے اور دوسروں کو اس حلقہ سے خارج یقین کرتے ہیں عیسائیت کو اگر دیکھا جائے تو ہم ہندوستان کے اندر خود حضرات پادری کی طرف سے ایسی اصطلاحات وضع ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جو ملک کے دیسی نو عیسائیوں کو ان کے یورپین بھائیوں سے جدا اور متمیز کر دیتی ہیں۔ انہیں دیسی عیسائیوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کے وہ خوش قسمت

بھائی جو یورپ میں پیدا ہوئے ہیں۔ نفرت کی نگاہ سے انہیں دیکھتے ہیں۔

ایک اور احسان جو اسلام نے دنیا پر کیا ہے وہ پجاری کے منصب کا قطعی طور پر استیصال ہے۔ اسلام میں عبادات مذہبی کو ہر ایک مسلمان سر انجام دے سکتا ہے۔ اور یہ کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ایک اور متمیز تعلیم بھی پیغمبر اسلام (صلعم) نے دی ہے اور وہ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ شاندار اور بے نظیر تعلیم ہے۔ اور اسلام نے تمام ان لوگوں کیلئے جو نیک کام کریں نجات کی راہ کھول دی ہے کوئی ہرج نہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت مشرق کی طرف منہ کریں یا مغرب کو۔ ہمارے عمل اور حرکات ہی ہیں جن پر ہم سے باز پرس ہوگی[۱] +

ان عظیم الشان حالات میں جو اس وقت دنیا پر طاری ہیں ہر ایک بہی خواہ انسانیت کا فرض ہے۔ کہ حضرت محمد (صلعم) کی ان پاکیزہ تعلیمات کے مفہوم پر غور کرے۔ اور آیندہ زندگی میں اس کو اسی رنگ میں عمل میں لانے کی کوشش کرے۔ جس رنگ میں اسلام نے اسے سکھایا ہے اس حقیقت کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی اصول جمہوریت و مساوات میں ایک تھوڑی سی ملاوٹ بھی زمانہ مستقبل کو زمانہ ماضی سے بالکل مختلف بنا دیگی۔ اور کوئی مشابہت ان دونوں ازمنہ میں باقی نہیں رہیگی +

سید حیدر رضا صاحب کی تقریر

روئے زمین کے مختلف حصص میں مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہے :-

افریقہ میں پانچ کروڑ دس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ شمالی امریکہ میں پندرہ ہزار۔ جنوبی امریکہ میں ۱۰ ہزار۔ اوشینیا میں ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ۔ ایشیا میں ۱۴ کروڑ بیس لاکھ۔ یورپ میں ۴۰ لاکھ گویا کل روئے زمین پر ۲۲ کروڑ بیس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ جن کا اگر دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا جائے تو رومن کیتھولک عیسائیوں سے ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ کم ہیں۔ ہندوؤں سے ایک کروڑ بیس لاکھ اور بدھ مذہب والوں سے

---

[۱] سطر یا سو کا غالباً اشارہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف ہے۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین الخ

۸ کروڑ ۰ ۸۰ لاکھ مسلمانوں کی کُل تعداد کُل بنی نوع انسان کا قریباً ⅙ حصہ ہے۔ اور میرے لئے یہ نہایت تعجب انگیز ہے کہ یہ تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہے[1]

حضرت محمد صلعم کے عظیم الشان کارناموں اور آپ کی زندگی کی قدر و قیمت کرنے کا سب سے احسن طریقہ یہ ہے۔ کہ آپ کے سچے بالشان مشن کی اصلیت کو سمجھا جاوے۔ ہم حضرت محمد صلعم کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ اور نہ ہی انہیں خدا تعالےٰ کا رشتہ دار ٹھیراتے ہیں اور کسی قسم کی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ کیونکہ اسلام میں ایسا کرنا خداوند تعالیٰ کے سطوت و جلال و تقدس کے خلاف کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز بزرگ اور واحد ہے اور اسے کسی قسم کے رشتہ و تعلق کی حاجت نہیں۔ حضرت محمد صلعم محض ایک بشر تھے اور جسقدر بشر آج تک گذر چکے ہیں۔ ان سب سے افضل البشر تھے۔ اور قرآن کریم اسکی تشریح و توضیح مندرجہ ذیل آیت میں خوب طرح کرتا ہے ”وما محمد الا رسول“ (محمد کیا ہیں محض ایک رسول ہیں) مسلمان آنحضرت صلعم کی پرستش نہیں کرتے۔ نصرانی حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ کر اسکی عبادت کرتے ہیں۔ بدھ مذہب والے جناب بدھ کو خدا تسلیم کرتے ہیں۔ اہل ہنود انسانوں کی پُوجا کرتے ہیں۔ اور انہیں دیوتا کر کے پکارتے ہیں لیکن مسلمان فقط وحدہٗ لاشریک ایک ہی خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ مسلم غلطی سے محمدی نامزد ہیں۔ اُن کو ”عبداللہ“ کے نام سے پکارنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ماسوائے واحد۔ بزرگ و محسن خدا کے کبھی کسی کے سامنے جبین نیاز کو خم نہیں کرتے +

قرآن کریم کے اصُول کے متعلق بھی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم حضرت محمد صلعم نے تحریر نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی آپ کے تخیل کا ہی نتیجہ ہے۔ اور نہ ہی آپ نے اُسے تصنیف فرمایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا اصلی کلام ہے۔ حضرت محمد صلعم نے قرآن کریم اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی پایا۔ اور احادیث آپ کے ارشادات لوگوں تک پہنچا یا تعلیمات جو جو حضرت محمد صلعم کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ دو اقسام میں منقسم ہیں +

(۱) ایک تو وہ جو آپ نے فرمایا یا تعلیم کیا۔ جیسے حدیث یا روایت کہتے ہیں یعنی آپ کے اقوال و افعال کا مجموعہ۔ دوسرا خدا کا کلام یعنی قرآن مجید جس کی کہ تمام دُنیا کو

[1] سید حیدر صاحب نے لیا ہے بعض متعصب عیسائی حلقوں میں کم ہی ہے یہ بعض غیر متعصب محققین کے نزدیک مسلمان تعداد میں کُل آبادی کا ⅕ حصہ ہیں

اپنی نجات کے لئے فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ قرآن کریم کی یہ نمایاں خصوصیات ہیں۔ اور قرآن کریم میں متکلم خداوند تعالیٰ ہو جو کہ بنفسہ اپنی مخلوق سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تمام مذاہب کا مقابلہ مطالعہ کرنا میں نے اپنا شغل قرار دے لیا ہوا ہو۔ یعنے کنفیوشس۔ وید ہندوستہ۔ بُدھ کے اقوال اور انجیل کے حصص پڑھے ہیں۔ لیکن یہ تمام کتب قرآن کریم کی طرح منجانب اللہ ہونے کا ادعا نہیں کرتیں۔ انجیل کو باب (کتاب پیدائش سے لیکر ریویلیشن) تک پڑھو۔ اور اسمیں ایک بھی لفظ آپ ایسا نہیں پاوینگے۔ کہ انجیل کا کوئی حصہ خدا کا کلام ہے +

انجیل ایسے لوگوں نے لکھی جن کو وحی ہوئی۔ حضرت محمد صلعم سے پیشتر جو انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں۔ ان میں اس قسم کے لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہو۔ کہ خداوند تعالیٰ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے لوگوں کو اپنا آخری پیغام پہنچانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اور جب اسکی عقل و دانش نے سمجھ لیا۔ کہ اب لوگ اس آخری پیغام کو لینے کے لئے تیار ہیں۔ تو اس نے حضرت محمد صلعم کو نازل فرمایا۔ اور حضرت محمد صلعم کے وسائط سے خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں سے براہ راست ہمسخن ہُوا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ کسی نبی۔ یا مذہبی معلم کو حضرت نبی کریم سے نصف پیرو بھی میسر نہیں آئے جتنے کہ آپ کے متبعین آپ کی عمر میں ہی ہو گئے تھے +

دُنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ایک نوخیز مذہب ہے۔ جناب مسیح پیشتر اسکے کہ اس دُنیا سے رخصت ہُوئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ابھی کسی اور نے معبوث ہونا ہے۔ جس کو یوحنا کے بموجب فارقلیط کہا جاتا ہے۔ جناب مسیح کو معلوم تھا۔ کہ خدا کا کام ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ موعود تسلی دہندہ یا فارقلیط تھے۔ اور آپ کو علم تھا۔ کہ خداوند نے آپ کے ذریعہ ہی لوگوں کو اپنا آخری پیغام پہنچایا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ کہ خدا کا کام اسمیں پوری تکمیل کو پہنچا ہُوا ہے۔ اور اسلام کا سب سے بڑھ کر قائل کر دینے والا ثبوت یہی ہو۔ کہ اسکو وجود میں آئے ہوئے تیرہ سو سال کا عرصہ گذر گیا ہو۔ لیکن اب تک کوئی اس جیسا عالمگیر مذہب پیدا نہیں ہُوا۔

تبلیغ رسالت

یا یھا المدثر ۔ قم فانذر ۔ وربک فکبر ۔ وثیابک فطھر ۔ والرجز فاھجر ۔ ولا تمنن تستکثر ۔ ولربک فاصبر ۔ ترجمہ ۔ اے (پیغمبر تم) جو (وحی کی ہیبت سے) چادر لپیٹے پڑے ہو اٹھو ۔ اور (لوگوں کو عذاب خدا سے) ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو ۔ اور اپنے کپڑوں کو (خوب اچھی طرح) پاک (وصاف) اور نجاست سے الگ رکھو ۔ اور (تبلیغ رسالت) کو بڑا کار (نمایاں) سمجھ کر (لوگوں پر) احسان نہ رکھو ۔ (تبلیغ رسالت میں جو مشکلات پیش آئیں اُن پر) اپنے پروردگار (کی رضا جوئی) کیلئے صبر کرو ۔ (المدثر آیت ۱ تا ۷) +

خداوند تعالےٰ نے سب سے آخری پیغامبر نسل انسانی کے سب سے آخری نبی اور مصلح کو احدیت مآب سے مندرجہ بالا حکمنامہ ملا ۔ تاکہ وہ جناب مسیح کا بحیثیت موعود اور سب سے بڑے تسلی دہندے کے جانشین ہو ۔ سب سے پہلی ہی وحی میں اُمّی نبی (صلعم) کو پڑھنے کا ارشاد ہوتا ہے ۔ اور اسکی توجہ قلم وعلم کی طرف مبذول کیجاتی ہے ۔ یہ ایک تعلیمی وحی تھی ۔ جو تاریخی ترتیب میں دوسرے درجے پر تھی ۔ اور جو کہ چھ ماہ کے عرصہ کے گذرنے پر جو زمانہ فترت کہلاتا ہے ۔ آپ پر غار حرا میں اس وقت نازل ہوئی ۔ جبکہ آپ ایک کمبل اوڑھے گلہ بان کے لباس میں مغموم و افسردہ یاد الٰہی میں بیٹھے تھے ۔ کیونکہ ایک عرصہ طویل سے آپ نے اپنے محسن و محب خدائے عزوجل سے کچھ نہ سنا تھا +

مندرجہ بالا وحی کا انداز خطاب ہی پیارا اور ابھارنے والا ہے ۔ المدثر یعنی چادر میں لپٹا ہوا آنحضرت صلعم کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام ہے ۔ جو کہ نہایت ہی پیارا نام ہے ۔ اور اس نام سے متبعین اسلام کو یہ بتلانا مقصود تھا ۔ کہ خدائے عزوجل ہمیشہ بڑے بڑے پیشوا ایوان خسروی اور لباس فاخرہ زیب تن کرنیوالوں ہی میں سے انتخاب نہیں کیا کرتا ۔ بلکہ نسل انسانی کے سب سے بڑے رہنما و پیشوا کو جب نہ صرف اپنے ۔ زمانہ قوم کی رہنمائی کے لئے بلکہ کل دُنیا و اقوام عالم و کل مذاہب و ملل کی رہبری کے لئے

ارشاد الٰہی ہوتا ہے تو اس وقت وہ ایک روئی کی کملی اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس سب سے پہلی ہی آیت کریمہ ہمیں یہ اخلاقی سبق سکھلاتی ہے کہ کسی شخص کا طرز زندگی ولباس مرغوب خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ جوہر وسیرت ہی ایک ایسی چیز ہے جو اپنی اندر مقناطیسی اثر رکھتی ہے۔ دوسری آیت کریمہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اور اسلام کی آئندہ کی شان وشکوہ کا راز "قم فانذر" دو ہی لفظوں میں مضمر ہے۔ "قم فانذر" ہی مسلم قوم کی ترقی وبہبودی وفلاح کی کلید ہے۔ صحابہ کبار رض کا یہی مقولہ تھا۔ اور یہی بانگ درا انہیں آگے بڑھاتی تھی۔ اور جس نے اُن میں ایسی روح پھونک دی جس سے انہوں نے دُنیا کے ایک بڑے حصہ کو مسخر کر لیا۔ اور اسلام خواب و خیال کی بجائے عملی مذہب ہو گیا۔ جناب رسالت مآب کو تخلیہ کی یاد اور کسل وجبن کی طرز زندگی کو چھوڑنے اور کمر ہمت باندھنے کیلئے احدیت مآب سے حکم ہُوا۔ آپ کو ارشاد ہُوا۔ کہ آپ اُٹھ کر دُنیا کے لئے نمونہ۔ اُسوہ اور منذر بنیں۔ خاموش حسنات بلاشُبہ اچھی ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ ان خاموش حسنات سی بڑھ کر آپ سے خدمت لینا چاہتے تھے۔ آپ نے کھڑے ہوکر لوگوں کو نہ صرف قولی بلکہ عملی پند ونصائح بھی کرنی تھیں۔ آپ نے انقیاد حکم الٰہی اپنے کار منصبی کو پورا کیا اور جبتک کہ آپ کے پیرو آپ کے نقش قدم پر چلے اور شریعت پر قائم رہے اور جب تک کہ منذر و نمونہ قوم بننے کے لئے مساعی رہے۔ انہوں نے تمام عالم کی رہنمائی کی خدا کرے۔ کہ موجودہ مسلمین بھی پابند صوم وصلوٰۃ ہو کر۔ . . کسل وجبن و کاہلی کو چھوڑ کر ایک مستحکم ومضبُوط قوم بن جائیں۔ اور ایک دوسرے سی برادرانہ شفقت ومحبت کے رشتہ میں متمسک ہو جائیں۔ خداوند تعالیٰ انہیں پھر نمونہ قوم بننے اور دوسروں کو پند ونصائح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ انسانی ترقی اسی میں ہے۔ کہ ہر فرد وبشر نسل انسانی کی فلاح و بہبُودی کے لئے کوشاں ہو۔ آجکل بھی قرآن وحدیث ہی پھر مسلمانوں کا اصُول رہنمائی ہونا چاہیئے انہیں انکے احکام پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ بہ زعم سلطان بود کے نعرے لگانے یا نبلاتی جمع خرچ کرنے یا اسلام کے حسن وجمال پر دھوئیں دار تقاریر کرنے سے کوئی احسن نتائج مترتب نہیں ہو سکتے جب تک کہ خود مسلم قوم کے اعمال ان امور کی استواری۔ طاقت واستقامت کے مصدق نہ ہوں مُسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وُہ دوسروں کے سامنے اسوہ حسنہ پیش کریں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے افعال زندگی و

کاروبار میں اور دوسروں سے سلوک کرنے میں ایک ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئیے۔ کہ دوسرے اس سے مستفیض ہو سکیں۔ بغیر عمل کے پند و نصائح کسی بھی کام کی نہیں مسلمانوں کو اپنی قوم کو ایسا نمونہ قوم بنانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ جو کہ تمام قومی۔ ملکی اور رنگ کے امتیازات و اختلافات و تعصبات سے مبرا ہو۔ اور آپس میں برادرانہ محبت سے متحد ہو۔ اور سرگرمی و جوش وخروش سے کام کریں تاکہ ہمارے کاروبار روز افزوں ترقی پر ہوں۔ اور ہمارا قدم آگے کو ہی بڑھے اور ہر روز جاہ و جلال اور تعداد میں اس ہلال کی طرح بڑھیں جسے ہم نے اپنا قومی نشان قرار دیا ہوا ہے۔ اور جو ہر رات اپنی درخشانی اور جسامت میں ترقی کرتا ہے۔ یہانتک کہ بدر کامل ہو جاتا ہے۔

اسلام عمل۔ ایثار۔ جد و جہد کا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم کو زندگی اور طاقت اسلئے عطا نہیں فرمائی۔ کہ اسے کاہلی۔ عزلت گزینی اور خانقاہ میں بیٹھ کر صرف کر دے بلکہ کارزار دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ میں اپنی زندگی صرف کرے۔ جس سے انسانی عقل و دانش کو جلا ہو۔

"قم فانذر" آنحضرت صلعم کا امتیازی مقولہ تھا۔ لیکن کس مدعا کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ میں قم فانذر کی روح پھونکی گئی۔ حقیقتاً وہ کسی ذاتی وجاہت کے لئے نہ تھی۔ اور نہ کسی خاص قوم و ملت کی شان و شوکت کو بڑھانے ہی کے لئے تھی بلکہ محض خالق اکبر کی بڑائی کرنے کے لئے آپ کو "قم فانذر" کا فرمان آلہی ہوا۔ رب العالمین کی جو تمام جہان کا پرورش کنندہ ہے صرف اسی طرح حمد و ثنا ہو سکتی ہے کہ اسکے نائب یعنی انسان کے ہاتھ میں دنیا کی عنان حکومت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دنیا پر حکمرانی کرنے کی استعدادیں ودیعت کی ہوئی ہیں اگر انسان اپنی روحانی اور ذہنی قویٰ کی وساطت سے دنیا پر اور کل عناصر۔ چاند سورج اور ہر ایک چیز پر حکمرانی کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور اگر تمام مخلوق کی بہبودی کو ترقی دینے میں کامرانی حاصل کرے۔ تو اس نے گویا اس خالق اکبر رزاق و پرورش کنندہ کی سراہت و بڑائی کی جس نے اسے عقل اور اخلاقی اوصاف سے متصف کیا۔ اور تمام لوازمات کو جو اس ہی کی نیابت کے لئے انسان کیلئے ضروری تھے اسے عطا فرمائے۔

میں نے اُوپر بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو "مدثر" کے لفظ سے خطاب فرمایا۔ تو اس میں اس دُنیا کو ایک اخلاقی سبق دینا مقصود تھا۔ اور اسی ضمن میں حدیث ب کو "وثیابک فطھر" (کہ اپنے کپڑوں کو پاک اور نجاست سے الگ رکھو) کے ارشاد نازل فرمانے سے ایک اور اخلاقی سبق دینا مقصود تھا لباس خواہ سیدھا سادا اور غریبانہ ہو لیکن پاک اور مطہر ہونا چاہیئے جسمانی طہارت رُوحانی اور اخلاقی صفائی کے لئے ضروری ہے۔ اور بلاشبہ طہارت پارسائی سے دوسرے درجہ پر ہے ⬥

لفظ طہر کے اندر محض ظاہری طہارت سے بڑھ کر عمیق مفہوم پنہاں ہے مسلم کی ہر ایک چیز کما حقہٗ صاف وستھری ہونی چاہیئے۔ اور کسب حلال سے کمائی ہوئی چیز مطہر ہونی چاہیئے مسلمانوں کو جسمانی اور رُوحانی دونوں طرح سے مطہر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ پانچ دفعہ یومیہ وضو کرنا اور بعض مواقع پر آب رواں میں تمام کے تمام جسم کا غسل کرنا ان کے مذہبی فریضہ میں سے ہے۔ روزمرہ کے خانگی عادات طہارت سے مسلمانوں کے جسم اکثر پاک ومطہر ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہودی قوم بھی طہارت میں اس قدر محتاط نہیں۔ نصرانی ایام دینداری میں اکثر غلیظ رہتے تھے۔ کیونکہ جناب مسیحؑ نے فرمایا ہوا ہے کہ جو چیز جسم کے اندر جاتی ہے ناپاک نہیں ہے۔ لیکن جبکہ نصرانیوں نے مسلمان مردوں۔ بچوں اور عورتوں کو تباہ برباد کیا اور ملک ہسپانیہ سے جہاں اُنہوں نے آٹھ سو برس تک بڑے شان وشوکت سے حکومت کی تھی جلاوطن کردیا۔ اور اُن غسلخانوں کو جو مسلمانوں نے تعمیر کئے تھے۔ ویران کر کے مسلما تک کردیا۔ تو نصرانی پوپ کے نائبوں اور لیڈروں نے یہ فتویٰ صادر کیا۔ کہ غسل اور طہارت مشرکین (یعنی مسلمانوں) کی عادت ہے مُقلّد عیسائیوں کو اسکی تقلید ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے عہد حکومت کے وقت ایک مسلم کی نمایاں و ممیز نشانی یہ تھی۔ کہ اُسکے ہاتھ اچھی طرح سے مصفےٰ ہوتے تھے۔ اور اپنے ہم شہری نصرانیوں سے بدرجہا مطہر و پاک ہوتے تھے جسمانی طہارت بلاشبہ لازم ولابدہے لیکن اسی پر ہی اکتفا نہ کرنی چاہیئے۔ موجودہ تہذیب اگرچہ اپنے آپ کو نصرانی کہتی ہے لیکن اس کے بجیرد جسمانی طہارت کے مسلمانی اصولوں کو اختیار کررہے ہیں جنہیں وہ ہسپانیہ کے عیسائی پوپوں

منتفیوں کے فتاویٰ اور احکام کے سراسر خلاف کر رہے ہیں۔ کیونکہ بہت سے نصرانی صفائی و طہارت میں مسلم طرز و طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔ اور ہر ایک انگریزی گھر میں غسلخانہ مسلمانوں کی طرح ایک لازمی جزو مکان ہو رہا ہے۔ گو غسلخانوں کا رواج تمام یورپ کے براعظم میں مروج نہیں ہوا لیکن لندن میں اسلامی طرز کے غسلخانے موجود ہیں۔ اسکی وجہ شاید بہت حد تک یہ ہے کہ نجس لوگوں کی تعداد انحطاط میں ہے۔ موجودہ تہذیب کو ابھی "والرضا فاطھر" کے حکم پر عمل پیرا ہو کر ہر ایک قسم کی نجاست و آلودگی سے احتراز کرنا ہے مسلمانوں کو ہر ایک قسم کی نجاست غلاظت کمینگی سفلہ پن قبیح و شنیع اشیاء کو ترک کرنے کا حکم ہوا تھا نہیں حکم ہوا کہ روحانی اور اخلاقی طور پر بھی مطہر رہیں۔ اور دوسروں کے ساتھ کاروبار میں راستبازی اختیار کریں۔ اور ہر ایک قسم کے دغا۔ فریب۔ مکر و دھوکہ سے اجتناب کریں۔ یہانتک کہ اپنے افعال اور خیالات میں بھی صنیف اور دلیر ہوں۔ مندرجہ بالا ارشاد الٰہی کے دو ہی لفظ تمام عالم کی بھلائی و بہبودی کیلئے اپنے اندر ایک بیش بہا اخلاقی اصول رکھتے ہیں۔ "رجز نھجر" پلیدی سے اجتناب کرنا ایک مرد و عورت کیلئے خواہ وہ کسی ملک مذہب ملت سے تعلق رکھتے ہوں اُن کے لئے ہدایت کا ایک زرین اصول ہے۔ سب سے بہتر مرد یا عورت بننے کیلئے یہ سب سے احسن طریقہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور زرین اصول بتایا ہے جس کے الفاظ شفقت و مہربانی سے معمور ہیں +

ولا تمنن تستکثر

اور (تبلیغ رسالت) کو بڑا کار (نمایاں) سمجھ کر (لوگوں پر) احسان نہ رکھو۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کو صنعت و حرفت کو فروغ دینے کی تلقین کی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی تمام تمدنی و اخلاقی معاملات میں (بنیا پن) کی روح سے احتراز کرنے کے لئے بھی اسلام نے بڑی احتیاط کی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو دکاندار قوم بنانے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی۔ کہ جن کا انتہائے زندگی صرف منفعت حاصل کرنا اور دوسروں کے منافع پر آرام کرنا ہو۔ اسلام ہر ایک نیکی کو نیکی ہونے کی وجہ سے حکم دیتا ہے۔ اور اس کا یہ حکم کسی ذاتی منفعت پر مبنی نہیں ہوتا۔ اسلام راستبازی کا ارشاد اسلئے نہیں فرمایا

کہ یہ ایک حکمت عملی یا پالیسی ہے بلکہ یہ ایک بڑی بھاری نیکی ہے +

اسی طرح اسلام انسان کو احسان کا حکم دیتا ہے جس کا مُدعا نہیں کہ اس احسان کے بدلے انسان کو کچھ زائد معاوضہ میں ملنے کی اُمید رکھنی چاہئے۔ بلکہ خالصتاً للہ وہ احسان ہو جو کہ اپنے ہمجنس مخلوق کی خاطر خالص انسانی ہمدردی کے لئے ہو +

اسلام ہم سے یہ چاہتا ہے۔ کہ ہم اپنی ہمجنس مخلوق سے ایک ایسا فرض سمجھ کر بھلائی کریں جو کہ خود خالق اکبر نے ہمارے تو مثال رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں زکوٰۃ کا مسئلہ ضروری و لازمی قرار دیا ہے۔ ہم انسانی جنس میں پیدا ہوئے ہیں۔ اسلئے یہ ہمارا فرض ہونا چاہئے۔ کہ ہم اپنے بھائی بندوں سے نیکی اور بھلائی کریں۔ اگر دوسرے ہم سے اچھا سلوک نہ کریں۔ تو بھی ہمیں اپنی ذمہ واری کو ادا کرنے میں کوشش کرنی چاہئے۔ اور جہاں تک ہمارے بس میں ہو۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کریں۔ قرآن کریم کا یہ حکم احسان کے درجہ کو درجہ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اس سے ہمدردی کی روح نہایت درجہ تک ترقی کرتی ہے۔ اور انسانی ہمدردی کو یہاں تک وسعت دیتا ہے کہ وہ حیوان اور نیز پودے بھی کہ جن سے انسان کو کسی قسم کے عوض معاوضہ کی توقع تک نہیں۔ ان سے بھی ہم ہمدردی اور بھلائی کریں +

مسلم شاعر جناب سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

میازار مورے کہ دانہ کش است — کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

ترجمہ۔ ایک چیونٹی تک کو تکلیف و دُکھ مت دو۔ جو کہ دانہ کے لیجانے کیلئے مساعی ہے۔ کیونکہ آخر وہ بھی جان رکھتی ہے اور جان ہر ایک کو عزیز ہے" +

مسلمانوں کو سرسبز درختوں تک کاٹنے کی ممانعت ہے۔ اور دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس سے اسقدر اظہار ہمدردی و شفقت ٹپکتا ہو جس قدر کہ مسلم قوم سے مسلمانوں کی لامحدود ہمدردی و بھلائی خالصتاً للہ ہوتی ہے جس کے معاوضہ کا خیال اس دنیا میں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی اوائل تاریخ ان کے ایثار و خیر اندیشی کا ایک بیمثل مجموعہ ہے۔ اس زمانہ میں لوگ اپنے ہمجنسوں کی فلاح و بہبودی راستبازی و پارسائی کی ترقی بلکہ مذہب کی اشاعت کی خاطر اپنے مال و جان تک قربان کر دینے میں ایکدوسرے سے سبقت لیجانے کے لئے مساعی ہوتے تھے۔ انہوں نے بغیر

کسی ذاتی و شخصی منفعت کو پیش نظر رکھے بغیر خود آزمائیاں کیں اپنی جانیں جوکھوں میں ڈالیں۔ اور محض دین اسلام کی خاطر شہادت کا جام چکھا۔ انہوں نے بہت حد تک بغیر کسی عوض کی امید کے نسل انسانی کی بھلائی کے لئے کام کئے۔ اور اس روح کو لئے ہوئے وہ دنیا کے قریباً ہر ایک ملک میں جا پہنچے۔ اور جب تک یہ روح ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی رہی ہر ایک جگہ بڑی تپاک سے ان کا استقبال کیا گیا +

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں سب سے آخری آیت میں مسلم قوم کا ایک خاص وصف مضمر ہے۔ اوائل زمانہ کے مسلمان بہت صادق مسلم تھے۔ اور قرآن کریم کے ہر ایک ارشاد کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ اُنہوں نے

وربک فاصبر

ترجمہ (اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو)

پر پوری پوری انقیاد کی +

ہر انسان کی طرح ہر قوم کے حالات میں بھی نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ خوشحالی و ادبار کے ایام بھی اس پر آتے ہیں۔ وہ قوم جو ترقی کی آرزومند ہو۔ اسے ہر وقت سعی بلیغ کرنی چاہیئے . . . . . ۔ اس قوم کی زندگی بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔ جو کامیابی کی خواہاں تو ہو لیکن کاروبار میں مستعدی و کوشش سے کام نہ کرے۔

ہر ایک ذی روح ہستی میں جزر و مد ہوتا ہے۔ انسان کو ان ہر دو کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ آنحضرت صلعم کو ان دونوں کا سامنا کرنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ آپ کو عسر میں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور اس پر شاکر رہنے اور یسر میں صبر کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ آپ کا اللہ تعالیٰ پر کامل اور غیر متزلزل توکل تھا۔ ایک دفعہ آپ خواب راحت میں تھے۔ کہ ایک شقی القلب دشمن جان نے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے آپ کو آ لیا۔ اور آپ سے پوچھا۔ کہ اس نازک حالت میں تیرا کون یار و مددگار ہے۔ لیکن آپ نے وہی بے باکانہ اور متوکلانہ جواب فرمایا۔ کہ میرا پروردگار میرا مولیٰ کریم ہے جس نے میری پرورش فرمائی۔ جب آپ اپنے ایک ہی یار غار کے ساتھ غار حرا میں پنہاں بیٹھے تھے۔ تو اعدا کی تعاقب کرنیوالی فوج کے پاؤں کی آہٹ آپ کو سنائی دی۔ اس پر آپ کے

رفیق غار نے اضطراراً کہا کہ ہم تو صرف دو ہی ہیں۔ اور انکی جمعیت بہت ہے لیکن آنحضرت صلعم نے جواب میں فرمایا

اِنَّا اللّٰهَ مَعَنَا

(نہیں ہم دو نہیں بلکہ خداوند تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے)

سخت سے سخت آلام ومصائب میں بھی آپ اور آپکے پیرو ایک لمحہ بھر کیلئے بھی پست ہمت نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی توکل کو چھوڑا۔ آفات و آلام میں آپ ہمیشہ صابر رہے۔ اور اس صفات جمیلہ نے بہت سے یورپین لوگونکو حیران و پریشان کر رکھا ہے +

تاریک سے تاریک مناظر بھی مسلم ہستی کو پست ہمت نہیں کرتے۔ بعض یورپین کا خیال ہے کہ مسلمان معتقد تقدیر ہیں۔ اور وہ لوگ انکی کاہلی اور سستی تقدیر کیطرف منسوب کرتے ہیں لیکن اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل ہے! اور وہ پورے صابر ہیں۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ "ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ" انکی ڈھارس بندھاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی ناامید نہیں ہوتے۔ اسلئے خودکشی مسلمانوں میں بالکل مفقود ہے۔ مسلمان صبر و تحمل سے آفات کا سامنا کرتے ہیں۔ اگر کسی کام میں وہ ایک یا دو بلکہ ہزار دفعہ بھی ناکامی کا منہ دیکھیں پھر بھی کوئی وجہ نہیں کہ وہ پست ہمت ہوں۔ کیونکہ قادر مطلق خدا کی ذات پر اُن کا پورا ایمان ہے جو کہ انہیں ہر آن کامیابی و نصرت عطا فرماسکتا ہے۔ مسلمانوں کو اعلائے کلمۃ اللہ میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہیئے۔ اور نتیجہ کو اللہ تعالےٰ کی ذات پر چھوڑنا چاہیئے۔ انسان ابھی تمام حالات اور عناصر پر حاوی نہیں ہوا۔ اسلئے اسے رب العٰلمین پر ہی حصر رکھنا چاہیئے۔ جو کہ اسکے کاروبار میں اسکی کامرانی کے لئے حالات پر حکمران ہے۔ انسان کو اسباب و وسیلے سے کام لیکر پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر آخری کامرانی و کامگاری کا حاصل ہونا اس مسبب الاسباب پر چھوڑنا چاہیئے۔ ناکامیوں سے پست ہمت ہونا چاہیئے اور نہ ہی کامرانی سے متکبر مغرور ہونا ہی لازم ہے۔ ایک انسان کو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا چاہیئے خصوصیت سے اس وقت جبکہ حالات نہایت ہی مخالف ہوں۔ اسے کبھی بھی مایوس اور پست حوصلہ ہونا چاہیئے صبر

اشرف الحسنات میں سے ہے۔ اسلام نے اس نیکی کے درجہ کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ انسان کو صبر اپنی نامردی۔ کاہلی یا سستی کی وجہ سے نہ کرنا چاہیئے۔ اسے کام کرنا چاہیئے اور کوشش کرنی لازم ہے۔ ایک اور جگہ پر قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو بتلایا جاتا ہے۔ کہ

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

انسانی کوشش مسلسل ہونی چاہیئے۔ اگر کسی قسم کی تکلیف یا مصیبت بھی آپڑے تو بھی ناامید ہونا ایک جوانمرد آدمی کا کام نہیں۔ کوشش کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑنا چاہیئے اگر اسمیں ہم نے سستی کی تو اسکے یہ معنی ہونگے۔ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کوئی بھروسہ نہیں اور ہم رضا بر قضا پر راضی نہیں۔ اس عالم کے نظام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ غیر متغیر قوانین منضبط فرمائے ہوئے ہیں۔ ان قوانین میں سے بعض ہم نے پالئے ہیں۔ ان کو "قوانین قدرت" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ بھی ہے۔ کہ ہر ایک علت کا کوئی معلول ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ ہر ایک سبب کا کوئی مسبب ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم بوتے ہیں۔ وہی کاٹتے ہیں۔ اگر ہم کچھ نہ بوئیں۔ تو ہمیں کچھ بھی کاٹنے کی امید نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جب تک کہ ہم کسی مدعا کے لئے کام نہ کریں۔ ہم کسی بھی منافع کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ اگر ہم ناکامی کی وجہ سے کام کرنا چھوڑ دیں۔ تو اس صورت میں کامیابی ونصرت کی ہر ایک امید کو ہمیں چھوڑ دینا چاہیئے اگر ہم باوجود ناکامی . کے بھی صبر و استقلال وتحمل سے اپنے تبلیغی کام میں کوشاں ہیں تو یقیناً یقیناً ہم آخر میں کامیابی کا مُنہ دیکھ کر ہی رہینگے۔ باوجود خسران ونقصان کے بھی اگر ہم متحملانہ کوشش کرتے رہیں۔ تو اس سے ہمارا اس عظیم الشان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر قوی ایمان ثابت ہوگا۔ جو کسی شخص کی ایک رتی بھر محنت پر بھی معاوضہ دئے چھوڑتا ہے۔ خدا کرے کہ مسلمین مندرجہ بالا آیات کو اپنے قلب پر کالنقش فے الحجر کی طرح جمالیں۔ اور کاش کہ ان زرین اصولوں پر عمل پیرا ہوں جو ان آیات میں مضمر ہیں +

خدا کرے کہ وہ خواب گران سے بیدار ہوکر اعلاے کلمۃ اللہ میں لگجاویں۔ اور اپنے آپ کو روحانی اور جسمانی طور پر اور مطہر و مصفیٰ رکھیں اور تمام آلائشوں اور نجاستوں کو چھوڑ دیں۔ اور وہ دوسروں سے بلا تمیز کسی خود غرضانہ عندیہ کے محبت شفقت بھلائی و احسان کریں۔ اور ابن علیم لبعیر غرض

رحمن اور رحیم خدا پر قوی ایمان رکھیں +

یاد رفتگان

از جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء

مندرجہ ذیل مضمون جناب شیخ صاحب موصوف نے ہمارے فاضل نومسلم بھائی یحییٰ النصر پارکنسن مرحوم ایف۔ ایس۔ جی کی یادگار میں تحریر فرمایا ہے۔ ایڈیٹر

کسی ذاتی دوست کی وفات میں ماتم گساری افسوسناک امر ہی۔ اور یہ امر اور بھی حسرتناک ہو جاتا ہی۔ جبکہ وہ دوست مشہور اہل قلم ہو۔ اور ایک قوم وجماعت کا ایک قیمتی ممبر ہو۔ جناب یحییٰ النصر پارکنسن جن کی غیر فانی رُوح گذشتہ ۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو عالم بقا کو سدھاری نہایت اعلیٰ قابلیت کے شاعر اور مصنف تھے۔ رسالہ اسلامک ریویو کے صفحات آپکے زبردست اہل قلم ہونے کے شاہد ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان کے ظاہر کرنے میں آپ کیسے درجے کے دلیر وبیخوف تھے۔ اور قوی ایمان کے ساتھ آپ نے اسلام قبول کیا۔ اور قبولیت اسلام کی صداقت آپ کی نظم ونثر سے بھی ٹپکتی ہی۔ قوم برطانیہ حب الوطنی کے لئے شہرۂ آفاق ہے۔ اور اپنی قومیت پر بھی نازاں ہی۔ لیکن اسلام مقامی حب الوطنی اور تنگ قومیت کی حدود سے تجاوز کر گیا ہوا ہے۔ جس وقت سے کہ مسٹر پارکنسن مرحوم نے اسلام قبول فرمایا۔ اسی وقت سے انکا حب الوطنی وقومیت کا مطمح نظر بھی ساتھ ہی وسیع ہو گیا + شاید اس ملک کے میرے نومسلم برادران وہمشیرگان مجھے یہ کہنے کی اجازت بخشینگے۔ کہ مذہب اسلام گو ایک نہایت ہی سادہ اور فطرتی مذہب ہے۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا بھی نہایت ہی آسان ہے۔ لیکن تاوقتیکہ کوئی شخص عملی رنگ میں اسلام پر نہ چلے۔ اور نہ صرف اسلامی اصولوں کا بلکہ اسلام کے تمام شرائع کا دلدادہ نہ ہو۔ اسلام کی حلقہ بگوشی اسے کچھ بھی فائدہ نہیں بخش سکتی ہر ایک متنفس اپنی جانچ پڑتال کر سکتا ہے۔ کہ آیا وہ ان معنوں میں حقیقی واصلی مسلم ہی یا نہیں۔ اگر وہ شخص اس بات کو محسوس کرے۔ کہ اسلامی اصولوں نے اسکی دیرینہ عادات کو بھی تبدیل

کردیا ہو۔ تو اسے تسلی رکھنی چاہئیے۔ کہ اسکی تبدیلی مذہب کا اگر کوئی غرض کرو۔ کہ ایک شراب کا عادی مسلم ہو جاتا ہو۔ اور اب اگر اسکی ضمیر شراب کے خلاف جنگ کرتی ہو۔ اور وہ اس ام الخبائث کو قطعاً چھوڑ دیتا ہو۔ کیونکہ اسلام تو اس کے قریب تک جانے سے ممانعت کرتا ہو تب تو اس نومسلم کو اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا ادعا کرنا زیب دیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے اس نومسلم کو اور ممنوعات سے بھی احتراز کرنا لازم ہے۔ جیسے اسلام ناجائز قرار دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خنزیر نہ کھانا چاہئیے۔ اور ایسی طرز معاشرت و تمدن رکھنی چاہئیے۔ جیسے اسلامی شریعت ناجائز قرار دے۔ اور نہ ہی ان دور دراز مسلمانوں کی ہی طرف سے اعتنائی کرنی لازم ہو۔ جو ہم سے دور اجنبی ممالک میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی اسے غریبوں اور اپنے والدین کے ساتھ احسان و مروت میں ہی کوتاہی کرنی چاہئیے اور اپنی نمازوں کی کی حفاظت کرنی بھی لازم ہو۔ اور علےٰ ہذا القیاس اور بہت سی امور ہیں۔ جن پر کہ ایک نومسلم کو کاربند ہونا ضروری ہے +

شومئے قسمت سے یہ بات سچ ہو کہ بہت سے مادرزاد مسلمان ان قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہیں جھجکتے۔ جو اسلام نے وضع کئے ہوئے ہیں اور اپنی تمدن و معاشرت میں اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں کرتے لیکن یہ امر نومسلمین کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا جنہوں نے کہ پورے ایمان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہو۔ اور مذہب اسلام کے قوانین اور روح کی جانچ پڑتال کرلی ہوئی ہو۔ انہیں کبھی بھی ان سیاہ بخت مسلمانوں کی جو نام نہاد مسلمان ہیں پیروی نہیں کرنی چاہئیے۔ اسلام کے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں۔ کہ جونہی کسی شخص نے اقرار کیا۔ کہ میں اسلام پر ایمان لایا۔ تو اسی وقت وہ تمام پہلوؤں سے مکمل ہو گیا۔ اور اسکی نجات یقینی ہو گئی اسلام تو صرف انسانیت کی چند ایک قوانین کے ذریعہ اصلاح کرنے کا دعویٰ کرتا ہے +

اگر ہم اسلام قبول کرتے ہیں تو ہمیں ان قوانین پر کاربند ہونا چاہئیے۔ اور کم از کم ہمیں ان قوانین کی پیروی کے لئے سعی بلیغ کرنی چاہئیے۔ انسان ضعیف البنیان ہو۔ اگر بعض حالات میں ہم اپنی مساعی میں ناکامیاب ہوں تو بھی ہمیں اپنی کوشش کو ترک نہیں کرنا چاہئیے۔ یہانتک کہ ہماری مساعی جمیلہ ہماری کمزوریوں پر غالب آ جائیں۔ جہانتک مجھے جناب مسٹر پارکنسن مرحوم و

مغفور کا علم ہے۔ اسلامی رُوح اُنکے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی۔ اور انکے گوشۂ دل میں جاگزین ہو چکی تھی۔ یعنی عبدالنصر پارکنسن مرحوم ۷ فروری ۱۸۵۲ء کو سکاٹلینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبہ کلو نگ میں ایک آئرش خاندان میں پیدا ہوئے۔ جو خاندان کہ برطانیہ کی قدیم تاریخ میں ایک ممتاز خاندان تھا۔ اور ڈرہام خاندان کی ایک شاخ تھا۔ جبکہ آپ کی عمر سات سال کی ہوئی۔ تو والدہ ماجدہ کا سایہ عاطفت سر پر سے اُٹھ گیا۔ اور آپ کی کفالت نانا و نانی کے سپرد ہوئی۔ آپ کے نانا و نانی نے بڑی ہمت و محنت و محبت سے اعلےٰ تعلیم دلائی۔ جو سکالیش بورڈ سکول میں میسر آسکتی تھی لیکن سکول مذکورہ کی قلیل تعلیم نے یعنی کی لا انتہا علمی اشتہا کو سیر نہ کر سکی +

اوائل عمر میں انہوں نے خصوصیت سے رونٹک شاعری کا مطالعہ کیا۔ سکاٹلینڈ کے جغرافیہ کے مطالعہ میں سب سے بڑھ کر آپ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں سکول چھوڑنے پر مجبور ہوئے تاکہ ملازمت کر کے اپنے نانا و نانی کی زمانہ کہولت میں خدمتگذاری کر سکیں۔ جو کہ تین سال بعد عالم بقا کو سدھارے۔ اور نوجوان یعنی سولہ سال کی اوائل عمر میں ہی اس رنج و تکلیف۔ الام و مصائب مشکلات و جد و جہد کی دُنیا میں آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کیلئے یکہ و تنہا باقی رہ گئے۔ اس حالتِ ادباری سے آپ میں ایک حقیقی سیرت و خصلت پیدا ہو گئی۔ اور راسخ الاعتقادی کی ایسی دلیر۔ آزاد و بے باک رُوح آپ میں پھونکی گئی جو آپ کی تمام تصنیفات میں جھلکتی ہے +

بہت ہی اوائل زمانہ میں آپ کو علم النجوم کا شوق ہوا۔ اور علم حساب جسے کہ آپ چھوڑ چکے تھے۔ دوبارہ مطالعہ کرنا شروع کیا۔ علم النجوم کے میدان میں آپ کی محنت شاقہ بہت جلد بار آور ہوئی۔ اور قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ چنانچہ آپ برطانوی مجلس علم النجوم کے مغربی سکاٹلینڈ شاخ کے ایک ممبر منتخب ہو گئے۔ جُوں جُوں آپ عمر میں ترقی کرتے گئے۔ جدید علوم کی تحقیقات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ آپنے علم حیات شروع کیا۔ اور بہت جلد اس میں ماہر اُستاد ہو گئے۔ ایک مضمون نے دوسرے مضمون کی طرف رہنمونی کی۔ اور اس طرح تخیل کے میدان میں آپ جا نکلے۔ مختلف فلسفیانہ اور سائنس کے مضامین پر آپنے لکھے۔ ہاسم۔

ہیکل - ڈارون - کلوتھ - براؤن - گرانٹ - الین سمتھ - برن - اور دیگر بڑے مصنفین کی
چار صد سے زائد تصنیفات زیر مطالعہ رہیں - ۱۹۰۰ء کے قریب آپ نے علم النجوم اور دیگر انواع کے مضامین
پر قلم اٹھائی - اور مضامین لکھ کر اخبارات کو مزین کرنا شروع کیا +

فلسفہ کی مختلف شاخوں کے مطالعہ نے کہ جنہوں نے کہ آپ کی تمامتر توجہ اپنی طرف
مبذول کی ہوئی تھی مذہب کے میدان میں بھی تحقیقات کرنے کی تحریص دلائی - آپ منتخب
پریسبیٹرین چرچ کے ساتھ شامل ہوئے لیکن بہت ہی جلد ان کے دعووں اور دستور العمل سے
بددل ہو گئے - اور اسلام اور اسکی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا لیکن حضرت محمد صلعم کی سادہ
اور شاندار تعلیمات نے اور اسلام کی پاکیزگی اور بلند فلسفہ نے آپکے دل پر تصرف حاصل
کر لیا - اور قومی میلان کے ساتھ دلیرانہ آپ نے اسلام قبول کیا - اور اپنے قلم کی خدمات
کو اسلام کی حق و صداقت کی اشاعت میں صرف کرنے کا تہیہ کر لیا - آپ اپنے تہیہ میں
صادق دیکھے گئے - اور مختلف اخبارات میں ہشیارانہ قابلانہ مضامین لکھ کر آپ نے
اسلام کی حمایت کی - ۱۹۰۹ء میں شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے - گو اس عمر پر پہنچکر
آپ کا اس طرف توجہ کرنا بہت دیر سے تھا - لیکن پھر بھی بہت ہی جلدی آپنے اس فن میں
بھی کمال کر دکھایا - اور آپ نے ثابت کیا کہ فن شاعری آپ میں خدا داد ہے - نہ کہ کسب و محنت سے
حاصل کیا ہوا ہے - آپکے اشعار کی زباندانی پرزور بیانی - تیز رو جذبات و خیالات - تمام
کی تمام ہی اعلیٰ - بلند پاکیزہ خیالات سے ہیں آپ کی نظم سے اعلیٰ و ارفع فلسفہ ٹپکتا ہے اور نظم زبان
حال سے اس شاعر کے خیالات کی پاکیزگی - نزاکت شستگی کا اظہار کرتی ہے جس کے قلب سے ایسے
والاشان و جلیل القدر خیالات ظہور پذیر ہوئے +

آپ کی ہشیار نظموں میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے +

(۱) خواب زندگی (۲) فرزندان اسلام (۳) ترلاڈ ور کی خاتون (۴) مذہبی جنگ عشق کے
ایام (۵) تخیل کا باغ گل +

عمر کے آخری ایام میں جو نظم آپنے اسلام کی فتح و شرف اولوالعزمی کے نام سے تصنیف فرمائی
اور جس میں سلطان صلاح الدین اور سلطان عبدالقادر کا نہایت و تر تذکرہ ہے - اس نظم سے آپ کی

بہت ہی تحسین و توصیف ہوئی۔ ان تصنیفات میں جو کہ ابھی طبع نہیں ہوئی آپنے ثابت کیا ہے کہ اولوالعزمی و بہادری اسلامی عروج و روان تھی۔ یورپ نے زمانہ وسطے میں اسلام کی ہی تقلید کی ہے۔ صلاح الدین کی نظم کی .. ۲۵ سطور اور ایک اور دوسری نظم عثمان علی کی ... ۵ سطور ہمیں امید ہے کہ ہزاروں لوں کو جو نثر کی نسبت نظم سے زیادہ موثر سمجھتے ہیں۔ اور جنہیں نظم زیادہ اپیل کرتی ہے۔ اسلام کے حسن و جمال سے آگاہ ہوکر اسکے دلدادہ ہو جاوینگے۔ مرحوم و مغفور کی ایک اور ضخیم تصنیف "نبی ہاشم کی شمشیر" ہے۔ جو کہ غیر معمولی قابلیت و فراست سے تصنیف کی گئی ہے اور امید ہے۔ کہ وہ بھی اسلام کی حمایت کے لئے بہت ہی سودمند ہوگی +

تبلیغ اسلام

(منقول از رسالہ ظل السلطان بھوپال)

مندرجہ ذیل مضمون میں مسلم مشن ووکنگ پر جس قابلیت سے ہمارے معزز و قابل معاصر اڈیٹر ظل السلطان بھوپال نے روشنی ڈالی ہے اس پر ہم کو کسی اظہار رائے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہر شخص جو مضمون کو پڑھیگا وہ خود اندازہ کر لیگا۔ ناظرین کرام از راہ کرم توجہ سے اس مضمون کو پڑھیں ۔ ایڈیٹر

ہندوستان میں بارہا بڑے زور شور کے ساتھ تبلیغ اسلام کی تحریکیں ہوئیں جا بجا سوسائٹیاں اور انجمنیں قائم کی گئیں ان کو چندے ملے اور عطیات بھی لیکن نہ ایسے کہ وہ تبلیغی ضرورتوں کے لئے کافی ہوتے۔ حالانکہ یہ وہ فرض ہے کہ جو ہر کلمہ گو کے ذمہ عائد ہے تاہم ایک انجمن صوبہ بنگال میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب بھی معقول ہے اپنا کام کر رہی ہے۔ لیکن اس کو ضرورت کے مطابق مدد نہیں ملتی۔ پھر سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ نومسلموں کے لئے کوئی ذریعہ قوت لیسری اور معاش پیدا کرنے کا نہیں ہوتا +

ہمارے بالمقابل دوسرے تبلیغی مشن ایسے لوگوں کے لئے یتیم خانے اور صنعت و حرفت کے کارخانے بناتے ہیں۔ اور دوسرے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ مشنری مرد تو مرد عورتیں تک گھر گھر جاکر بالخصوص انگریزی کی تعلیم دیتی ہیں۔ اور ان کی یہ تکلیف محض تبلیغی اغراض کیلئے ہوتی ہے اگرچہ بظاہر یہ سب

کی تبلیغ نہیں کرتیں لیکن اُن کا اخلاقی اثر ایک بڑے مبلغ کا کام کرتا ہے لیکن مسلمان کیا مرد اور کیا عورت جن پر یہ مذہبی فرض عائد ہے اشاعت اسلام کے متعلق بالکل ہی بے پروا اور غافل ہیں +

اگر ہماری ہر تبلیغی انجمن کا کام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو صرف تنخواہ دار واعظ ہی نہ ہوں بلکہ کوئی پیشہ بھی کرتے ہوں تو وہ معقول طور پر کامیاب ہو سکتے ہیں مثلاً ایک واعظ جو طبیب بھی ہو اپنے ساتھ دوا بھی رکھتا ہو وہ بہ نسبت ایک معمولی واعظ کے بہت کامیاب ہوگا +

اسی کے ساتھ ایسے انسٹی ٹیوشن ہوں جن میں نومسلموں کو ایسی تعلیم و تربیت دیجائے جس سے وُہ اپنی روزی کمانے کے قابل بن جائیں۔ تو بُہت جلد اور بُہت تھوڑے عرصہ میں وُہ عظیم کامیابی ہو سکتی ہے کہ دُنیا متحیر ہو کر رہ جائے۔ صرف مناظر عام میلوں مجمعوں اور بازاروں میں وعظ کر دینے سے کامیابی نہیں ہو سکتی۔

اگر آج ایک بہت ہی پنچ ذات کا آدمی عیسائی ہو جاتا ہے۔ تو اُس کی تعلیم و تربیت ایسے عُمدہ طریقہ سے ہوتی ہے۔ کہ ایک ہی نسل گذرنے کے بعد اس کا خاندان ہمارے بڑے بڑے شرفا کے مقابلہ میں جنٹلمین بن جاتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شریف آدمی بھی مسلمان ہو جائے۔ تو اس کی حالت میں اور انحطاط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نہ صرف مردوں کو بلکہ خواتین اسلام کو غور اور سعی عمل کرنی چاہیئے۔

آغاز اسلام کے وقت ہی سے اسلام کی حمایت اور اشاعت میں عورتوں کی مالی امداد نے بڑا کام کیا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کی دولت کثیر اسلام کی اشاعت و حمایت کے لئے ایسے زمانہ میں وقف ہوئی جو کہ آغاز اسلام کا وقت تھا۔ اور مسلمان مالی امداد کے سخت محتاج تھے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس زمانہ میں اُم المومنین کی بیٹیاں اس سُنت قدیم کا ذرا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔ حالانکہ وُہ اپنی جائداد کی مالک ہیں۔ اُن کے گران قدر مہر اُن کی ملک ہیں۔ وُہ گھروں میں حکومت کرتی ہیں۔ وُہ اپنے خاوندوں کی آمدنی کو اپنی رائے اور اپنے صوابدید سے خرچ کرتی ہیں۔

تبلیغی کام کرنے والوں میں اور تبلیغی سوسائٹیوں میں خواجہ کمال الدین اور اُن کا

وُہ مشن جو انگلستان میں کام کر رہا ہے۔ درحقیقت اس تمام تاریکی میں ایک روشنی ہے۔ اگر آج سرگرمی جوش اور ایثار کی کوئی بھی مثال ہے۔ تو صرف خواجہ کمال الدین کی ذات ہے۔

ہم نے شروع سے خواجہ صاحب کے کام کو عمیق نظر کے ساتھ دیکھا ہے۔ اُن سے ہفتوں اُن کے کام اور خیالات اور عقائد کے متعلق گفتگو رہی ہے۔ ہم نے اُن پر بدظنی بھی کی ہے۔ اور اُن کے خلاف بھی سُنا ہے۔ اور کچھ تحقیقاتیں بھی کی ہیں مگر ہمیشہ اُس شخص کی عزت اور اُس کے کام کی عظمت پہلی مرتبہ سے زیادہ دوسری مرتبہ قائم ہوئی ہے۔

یہ بھی اُس شخص کے کمال خلوص کی دلیل ہے۔ کہ مختلف العقائد اشخاص کی توجہ کا وُہ شخص مرکز بن گیا ہے۔ اور جن اشخاص کے نزدیک تبلیغ کی کچھ بھی اہمیت ہے۔ وُہ اس مشن کو مدد دینے سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اس امر کا مطلق خیال نہیں کرتے کہ خواجہ صاحب کا تعلق کس جماعت کس طبقہ اور کس سوسائٹی سے ہے۔

خواجہ صاحب کے کام کا کچھ اندازہ ووکنگ مُسلم مشن کی اس رپورٹ سے ہو سکتا ہے جو حال میں اسلامک ریویو کے دفتر سے شائع کی گئی ہے لیکن زیادہ اندازہ ان احباب سے ہوتا ہے جنہوں نے اُن کے کام کو دیکھا یا اُن کے ساتھ کام کیا ہے۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ کہ اُمرا و اغنیاء قوم میں سے اس مشن کی امداد کیلئے سب سے پہلے جس ذات جامع الصفات کا ید کرم اور دستِ امداد بڑھا وُہ ایک ملکوتی الصفات ذات نسوانی ہی ہے یعنی وُہ ہماری حضور سرکار عالیہ متع اللہ المسلمین بطول حیاتہا ہیں اس مشن کا مرکز ووکنگ کی ایک مسجد ہے۔ یہ مسجد بھی حضور رحمۃ اللہ کی ہی والدہ ماجدہ رخلد مکان نواب شاہجہان بیگم کے مذہبی جوش کی ایک یادگار ہے۔

اس رپورٹ میں خواجہ صاحب حسابات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

" یہ ہماری مالی مشکلات کے اخیر تھی۔ ۱۹۱۵ء میں جہانتک میں سمجھتا ہوں شاید غیر کبھی مشکلات میں ۔۔۔ زیادہ ہوگا میں مشن دو سال تک یعنی جب سے میں دوبارہ

ادھر آیا۔ زیادہ تر اسی طرف متوجہ ہوئی۔ کہ اس مشن کو مالی حالت کے لحاظ سے کسی محکم
بنیاد پر لے آؤں۔ چنانچہ رسالہ کے نکالنے یا مختلف مقامات پر لیکچر اور سرمن دینے کے علاوہ
میرا زیادہ وقت اسی معاملہ میں گذرا۔ اور خدا کا احسان ہے۔ کہ میں اپنی کوشش میں ایک حد تک
کامیاب ہو گیا۔ اور اگر مجھے مشن کا کام بڑھانا منظور نہ ہو۔ اور اس کے موجودہ کام کو میں کافی
سمجھ لوں تو پھر اگر حالات موافق ہیں۔ تو یہ مشن اب دوسروں کی امداد سے کلیتًہ فارغ البال
ہو گیا ہے۔ لیکن یہ موجودہ کام کسی طرح کافی نہیں۔ مثلًا مسجد دوکنگ۔ اس کی صفائی اس
کی روشنی۔ اس کا باغ۔ وہاں ایک آدمی کا بحیثیت خادم و مؤذن مستقل طور پر ہونا۔ یہ ایک
مستقل خرچ چاہتا تھا۔ اور سچ پوچھو۔ تو مسجد کے سوا مسلم مشن ہی ایک بے معنی چیز ہے
ایسا ہی اس کی وقتًا فوقتًا مرمت۔ اس کی رونق کے دوسرے اسباب کا مہیا کرنا یہ باتیں
یہاں کے حالات کو سامنے رکھ کر مشن کی عزت کے لئے بھی ضروری ہیں۔ عدم ذرائع کے
باعث صرف حسب ضرورت ہی ہم بعض چیزیں آجتک مہیا کرتے رہے۔ لیکن آج مجھے سرکار
بھوپال نے جس کا یہ اسلامی مشن کئی طرح پہلا اور میں خود ذاتی طور پر بھی مرہون احسان ہوں
اس خرچ سے فارغ البال کر دیا۔ سرکار عالیہ نے ایسی واقعات کے لکھے جانے پر مبلغ پندرہ صد
روپیہ کی سالانہ رقم مسجد کے اخراجات کے لئے مستقل طور پر مقرر فرما دی۔ یہ رقم ٹرسٹیان[۵۱]
مسجد کی نگرانی میں میرے ذریعہ خرچ ہو گی۔ مسجد سے اگر کچھ بچ رہا۔ تو میموریل ہاؤس پر خرچ
ہو گا۔ جہاں اس مشن کا دفتر اور کارکنان مشن کی رہائش ہے۔ برادران اسلام اللہ تعالےٰ کا
شکر یہ ادا کریں۔ کہ اس ملک میں جہاں ایک آدمی کا کمرۂ خواب ایک سال کے واسطے بہت سے
پونڈوں کا خرچ چاہتا ہے۔ اور جہاں چپہ بھر زمین سونا بچھا کر ملتی ہے۔ وہاں خدا تعالےٰ
نے ہمیں ایک مسجد ایک مکان اور اس کے ملحقہ تین ایکڑ زمین عطا کر دی ہے۔ جہاں ایک
دن ایک عمدہ باغ اور ایک مسلم محلہ اپنے اندر بنا سکتی ہے۔ اور اس کے اخراجات کا
انتظام بھی ہو گیا۔ یہ امر بھی مسلم احباب کی دلچسپی کا موجب ہو گا۔ کہ یہ مسجد بھی سرکار عالیہ

---

[۵۱] موجودہ ٹرسٹیان حسب ذیل ہیں:۔
رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب۔ میر عباس علی بیگ صاحب۔ آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب۔

بھوپال کے روپیہ سے ۱۸۸۹ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ وُہ اپنی اس رپورٹ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"اس وقت اگر اس مُلک کی حالت مذہبی نقطۂ خیال سے دیکھی جائے۔ تو جس قدر اشاعت اسلام کا موقعہ بلاد غربیہ میں ہے۔ وُہ شاید ہی گذشتہ چند صدیوں میں کسی مُلک میں پیدا ہُوا ہو۔ لاکھ دو لاکھ آدمی جہاں ایک طرف عیسائیت سے بیزار ہو چکے ہیں وہاں دُوسری طرف حقیقی مذہب کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ ان کے دِل بہت حد تک تعصب سے خالی ہیں۔ اس جنگ نے رہا سہا عیسائیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جس قدر مذہبی تحریکیں اس مُلک میں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ وُہ در اصل اسلام کی ہمہ گیر تعلیم کا ایک ایک پہلو ہیں پولٹیکل۔ معدل۔ سوشل معاملات میں جن حقائق کیطرف مغربی دُنیا جا رہی ہے۔ ان سب کا رُخ اسلام کی طرف ہے"۔

پھر وُہ دوسرے کاموں کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ان تمام کاموں کے علاوہ ایک نیا کام اور پیدا ہو گیا ہے۔ جو بذات خود ایک عمل چاہتا ہے۔ دوکنگ مشن اور اسلامک ریویو کی اشاعت نے انگریزی آبادیوں کے مُسلمانوں کو اسلام کی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ جزائر غرب الہند اور برٹش گاٹنا۔ ٹرینیڈاڈ مغربی جنوبی مشرقی افریقہ کی بستیاں۔ مارشیس۔ سنگاپور۔ فلپائن۔ پی نانگ پلورٹ نیو۔ مالابار سب جگہ مادر زاد مُسلمان آباد ہیں۔ جو اسلام سے قطعاً ناواقف ہیں ان کے متواتر خطوط آتے ہیں۔ کہ وُہ اسلامی شعار سیکھنا چاہتے ہیں۔ انگریزی کسی قدر جانتے ہیں اسلامی لٹریچر مانگتے ہیں۔ مسائل پوچھتے ہیں۔ استفسار کرتے ہیں۔ اب مُسلم احباب خود ہی غور کریں۔ کہ ان مطالبات کو کون پُورا کرے۔ مغربی افریقہ میں جنگل کی آگ کی طرح اسلام پھیل رہا ہے۔ اور پھیل سکتا ہے۔ چنانچہ وہاں کے عیسائیوں کے متواتر خطوط آتے ہیں۔ جو اسلام چاہتے ہیں۔ تین چار سال ہوئے جب وہاں کے لوگوں نے مجھے لکھا کہ کوئی مشنری وہاں بھیجا جائے۔ نئے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا چھوڑ دو۔ کیا ان مادر زاد مُسلمانوں کو اسلام سکھانا ہمارا فرض نہیں۔ اس فرض کا پہلا بوجھ مسلمانانِ ہند

کو گو ہو بن پر تھیں۔ حیرت آتی ہے کہ ہمارے بھائی کس شغل میں پڑے ہوئے ہیں
دُنیا کدھر جا رہی ہے۔ اور یہ ابتک سو رہے ہیں۔ دُنیا اس قدر پیاسی ہے۔ اور
طلب اسلام کر رہی ہے۔ اور ہم ہیں کہ ہمیں اس وقت تک فرقہ بندی کے جھگڑے
نہیں چھوڑتے سخت اس وقت انگریزی زبان میں ہر قسم کے لٹریچر پیدا کرنے کی ہے۔
کتاب راہ نجات کی سی کتابیں مختلف مضامین پر کثرت سے لکھی جائیں اور ہزاروں
کی تعداد میں چھاپی جائیں۔ وہ تھوڑی مدت میں ختم ہو جائیں گی۔ مثلاً دو کتابیں میں
نے پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں ۱۹۱۴ء میں چھاپی تھیں۔ مجموعہ حدیث۔ اسلام
اور اسلامی نماز۔ پہلی کتاب کا خرچ بیگم صاحبہ نواب حاکم الدولہ بہادر حیدر آباد
نے دیا تھا۔ اور دوسری کتاب کے خرچ کے متحمل میرے محترم بابو محمد صاحب سکنہ
لودھیانہ تھے۔ آج یہ کتابیں چند صدرہ گئی ہیں۔ پچاس سے لیکر دو دو سو تک۔ الغرض
لوگوں نے منگوائیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس قدر پیاس اسلامی لٹریچر کی ہے۔
مجھے اگر فراغت ہو۔ تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔"

یہ رپورٹ اُن تمام مسلمانوں کے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں مطالعہ کے قابل ہے جن
کو تبلیغی تحریک سے دلچسپی ہے۔ اور جن کے نزدیک وہ ایک مذہبی ضروری فرض ہے۔

خواجہ صاحب نے جن چھوٹی چھوٹی کتابوں کے متعلق درخواست کی ہے اُن کے
مصارف ہماری قوم کی بہت سی بیگمات اور متمول خواتین صرف ایک جوڑے اور ایک عدد زیور
کی قیمت سے پورا کر سکتی ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے رسالہ کی ناظرین خصوصاً خواتین کرام تبلیغ اسلام کے کام میں
پوری مدد دینگی۔ اور ایک مرتبہ مسلم مشن کی رپورٹ کو غور کے ساتھ پڑھیں گی۔

بعض دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب جماعت قادیان سے تعلق رکھتے
ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہ قادیانی عقائد کی تبلیغ کرتے ہوں لیکن اس شبہ کے رفع کرنے کے لئے
صرف اسی قدر دیکھ دینا کافی ہے۔ کہ اس مشن کی امداد جہاں اُن کے ہم جماعت اصحاب کرتے
ہیں۔ وہاں خواتین ہند کی سرتاج علیا حضرت سرکار عالیہ والیہ بھوپال۔ اعلیحضرت

ملہ قیمت رپورٹ ۴ر از دفتر اشاعت اسلام لاہور۔

محی الملتہ والدین حضور نظام خلد اللہ ملکہم۔ پرنس حمید اللہ خان بہادر۔ آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب۔ رائٹ آنریبل سید امیر علی۔ آنریبل میر عباس علی بیگ۔ شیخ مشیر حسین صاحب تعلقہ دار گڑیہ جناب طیبہ بیگم صاحبہ (بیگم صاحبہ خدیو جنگ بہادر و بنت نواب عماد الملک بہادر) بھی انکے ڈگاروں میں ہیں شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ تو اس مشن کے نہایت ہی معترف ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ معاونین کرام کے یہ نام ہی ازالہ شبہات کے لئے کافی ہیں۔

خواجہ صاحب نے وقتاً فوقتاً جو لیکچر دیئے ہیں۔ ان میں سے بعض بعض لیکچروں کے ترجمے مجموعہ کی صورت میں شائع کرادیئے ہیں۔ جو نہایت عمدہ پاکٹ سائز پر چھپے ہوئے ہیں۔ اور اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور سے بہت تھوڑی تھوڑی قیمت پر ملتے ہیں۔

ان لیکچروں میں ایک لیکچر حقوق نسوان پر ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عورت نے یہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے۔ یہ وہ معرکتہ الآرا لیکچر ہے جو لندن کے ایک مشہور کلب میں اعلیٰ طبقہ کی خواتین کی فرمائش پر ۱۹۱۳ء میں دیا گیا تھا۔ اور جس سے مغربی خواتین کو اسلام کی طرف خاص توجہ ہوئی۔ خواجہ صاحب کے اس بہترین کام کا اندازہ کرنے کے لئے ہم اس لیکچر کو آئندہ دو قسطوں میں مخلصاً شائع کریں گے۔

اڈیٹر

دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ

بہ تسلسل صفحہ ۱۷۶ جلد ۵ نمبر ۴

میلٹس نے سقراط کو قتل کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن اس وقت کے قانون کے مطابق ملزم کو اجازت دی جاتی تھی۔ کہ وہ کوئی مختلف سزا اپنے لئے تجویز کرے۔ اور یہ ممکن تھا کہ اگر سقراط ممبروں کی صلح کرنے کی غرض سے کوئی ہلکی لیکن جسمانی سزا تجویز کرتا تو اس پر تمام متفق ہو جاتے۔ مگر سقراط نے ایک اور زبردست تقریر کی۔ اس نے فتوئے قتل پر اپنی خوشی ظاہر کی اور میلٹس کو اس پر ملامت کی۔ اور اسے کہا کہ سینٹ کو تمہاری ان خدمات کے عوض میں جو تم نے کی ہیں تمہیں بجائے قتل کرنے کے اپنے پاس رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور تمہارا حق بھی ہے

سقراط نے اس قسم کی التجا کرنے سے انکار کیا کہ موت کے بدلے جو کہ ممکن ہے کہ آرام دہ ثابت ہو اُسے قید یا جلاوطنی کا حکم دیا جائے جسے وہ یقیناً زبون سمجھتا ہے۔ وہ جرمانہ ادا کرنے پر بھی تیار نہ تھا لیکن وہ ایک منا (ایک سکہ) دے سکتا ہے اس سے زیادہ بوجہ اپنی ناداری کے دے نہیں سکتا تھا۔ جب افلاطون اور کریٹو جیسے اسکے شاگردوں اور دوستوں نے اُسے زیادہ جرمانہ دینے کے لئے التجا کی تو اس نے تیس منا دینا پسند کیا۔ اور کہا کہ اس کیلئے میرے دوست ضامن ہیں۔ سقراط نے ان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر جنہوں نے فتوی قتل کے لئے رائے دی تھی کہا کہ:۔

میرے برخلاف حکم کا باعث یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اسناد دلائل کافی طور پر نہیں کر سکا بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں ایسی دلیری یا بے غیرتی یا خواہش نہیں کہ میں روتا پیٹتا اور چلاتا ہوا تم سے ایسی التجائیں کروں جس کے سننے کے تم عادی ہو۔ اور میں زور سے کہتا ہوں کہ یہ بات میری شان کے شایان نہیں [illegible] تمہارے طریق پر گفتگو کرنے اور زندگی بسر کرنے [illegible] کہ میرے دوستو موت سے بچنا اتنا مشکل نہیں [illegible] بدکاری [illegible] کی رفتار موت کی رفتار سے زیادہ تیز ہے۔ میں اب ان لوگوں [illegible] کا حکم دیا ہے پیشگوئی کرتا

ہوں۔ کیونکہ میں اب مرنے ہی والا ہوں۔ اور یہ وہ وقت ہے جبکہ انسانوں کو پیشگوئی کی طاقت عطا کیجاتی ہے۔ پس اے میرے قاتلو! میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ میری موت کے بعد ہی تمہیں ایسی سزا ملیگی جو اس سزا سے بہت ہی سنگین ہوگی جو تم نے مجھے دی ہے۔ مجھے تم نے اسلئے سزا دی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ الزام دہندہ سے تمہیں چھٹکارا حاصل ہو۔ تاکہ اپنی کرتوت کو تم چھپائے رکھو۔ لیکن تمہاری خواہش پوری نہ ہوگی۔ بلکہ بالکل اس کے برعکس ظہور ہوگا۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ بہت سے مدعی اور الزام دہندگان پیدا ہونگے جنہیں آج تک میں نے روک رکھا ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ مجھے قتل کر کے تم کسی کو اس بات سے روک سکتے ہو کہ وہ تمہاری گندی زندگی پر تم کو لعنت ملامت کرے۔ تو تم غلطی پر ہو۔ یہ طریق نہ تو معقولانہ ہے اور نہ ممکنات میں سے ہے۔ آسان ترین اور شریف ترین طریقہ دوسروں کو ناقابل بنانا نہیں بلکہ اپنی اصلاح کرنا ہے۔

سقراط نے انہیں بھی مخاطب کیا جنہوں نے اسکی بریت کے لئے رائے دی تھی۔ اور کہا کہ اس بات سے انہیں خوشی ہوگی۔ کہ خدا کی آواز نے جو میرے اندر ہے۔ اور جس پر میرا ایمان ہے مجھے گھر سے آتے وقت یا عدالت میں داخل ہوتے وقت یا تقریر کرتے وقت نہیں روکا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موت بری چیز نہیں۔ پھر اس نے مرنے کے برا نہ ہونے کے متعلق بحث کی۔ اور کہا موت یا تو بالکل معدوم کر دیتی ہے اور یا وہ ایک عالم بیخودی یعنے آرام دہ نیند ہے۔ اور یا اس سے روح منتقل ہو کر ایک بہتر دنیا میں چلی جاتی ہے۔ جہاں ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے۔ اور وہاں کوئی جج نہیں ہوتے۔ اگر پہلی بات ہے تو اسکی خواہش ضرور ہونی چاہئے۔ اس قسم کی نیند جسمیں رویا اور خوابیں بھی بے آرام نہ کریں بادشاہ بھی چاہتے ہیں۔ اور اگر دوسری بات ہے تو یہ اس سے زیادہ خوشتر ہے۔ کیونکہ ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ اولوالعزم اور نیک لوگوں کی صحبت بھی میسر آئیگی۔ سقراط کا اعتقاد تھا کہ وہ بعد مرگ مینوس۔ رڈامنتھس۔ ایکین۔ ٹرپٹولیمس اور دیگر ابناء اللہ سے ملیگا جو اپنی حیات میں بہت راستباز تھے۔ چنانچہ وہ ججوں کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوا کہ موت کوئی ڈرانے والی چیز نہیں۔ یقیناً جانو کہ نیک شخص کو اس زندگی میں اور بعد موت بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس نے اپنے فتویٰ دہندگان اور الزام دہندگان کو معاف کیا۔ یہ کہہ کر کہ تم نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ گو تمہارا منشاء مجھے ضرر پہنچانے کا تھا۔ اخیر میں اس نے اپنی

قوم سے درخواست کی کہ وہ اپنے بچوں کو سزا دیں۔ اور اگر وہ دولت یا کسی اور بات کا نیکی فضائل کے مقابلہ میں زیادہ خیال رکھیں۔ سقراط نے اپنی تقریر ان پر معنی الفاظ پر ختم کی۔ کہ اب میری رخصت کا وقت آپہنچا ہے اور ہم اپنی اپنی راہ لیتے ہیں۔ میں تو موت کی طرف اور تم زندگی کیطرف۔ ان دونوں میں سے کونسی اچھی راہ ہے۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے +

دستور کے مطابق جس شخص پر فتویٰ موت صادر ہوتا تھا اُسے تحقیقات کے دوسرے دن زہر کا پیالہ پلایا جاتا تھا۔ اگر سقراط اپنی تقریر کے دوسرے دن مرتا تب بھی اسکی شہادت ایک عظیم الشان واقعہ ہوتی۔ لیکن اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ کہ عدالت میں اسکی دوبارہ پیشی ہو اسکے اس امر کا بھی ثبوت طلب کیا گیا۔ کہ وہ بڑا فلاسفر اور اخلاقی نکتہ خیال سے بہت نیک اور دلیر ہی نہیں بلکہ وہ ایک اچھا شہری بھی ہے۔ اور یہ کہ اس کا راستی سے محبت کرنا اسکے ملکی فرائض کے منافی نہیں۔ اب اتفاقاً سقراط کی موت میں تیس یوم کا غیر معمولی التوا کیا گیا۔ کیونکہ اندریں قواعد اس متبرک جہاز کی عدم موجودگی میں جو ہر سال ڈیلوس کی طرف روانہ کیا جاتا تھا۔ کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دن علی الصباح جبکہ سونیم سے اس جہاز کو واپس آتے ہوئے دیکھنے کی رپورٹ پہنچی۔ تو سقراط کا قدیمی دوست کریٹو جیلخانہ میں اس کے پاس آیا۔ سقراط اس وقت گہری نیند سو رہا تھا لیکن جب کریٹو اندر آیا۔ تو وہ بیدار ہو گیا۔ کریٹو نے کہا۔ کہ اس جہاز کی آمد کی وجہ سے میں آج بہت سویرے آیا ہوں۔ اس کے بعد ان میں ذیل کی گفتگو ہوئی۔ جو افلاطون نے اپنی کتاب موسومہ بہ کریٹو میں درج کی ہے +

سقراط لیکن میرے خیال میں جہاز کل تک بھی یہاں نہیں پہنچیگا۔ میں اپنی رویا کی بناء پر کہتا ہوں

کریٹو۔ اس رویا کی کیفیت کیا ہے +

سقراط۔ میرے پاس ایک عورت عالم رویا میں آئی۔ وہ خوش شکل و خوش وضع تھی۔ اور سفید لباس اس کے زیب تن تھا۔ اس نے مجھے کہا۔ کہ سقراط آج سے تیسرے دن تمہیں تھسیا جانا ہوگا۔

اس پر کریٹو نے سقراط کے سامنے ایک تجویز اسکی مخلصی کے لئے پیش کی۔ اور کہا کہ تمہاری موت سے میں اپنا ایک قیمتی دوست ہاتھ سے دیتا ہوں۔ اور میری اپنی شہرت کو بھی نقصان

پہنچتا ہے۔ کیونکہ لوگ بالعموم کہینگے کہ اگر کریٹو کو سقراط سے الفت زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اُسے بچا سکتا تھا۔ اس پر سقراط نے جواب دیا۔ کہ میرے پیارے کریٹو ہمیں عام لوگوں کی رائے کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ نیک لوگوں کی رائے قابل وقعت ہوتی ہے لیکن وہ خود ان واقعات کا جو پیش آتے ہیں صحیح اندازہ لگالیں گے۔

تب سقراط نے بھاگ جانے کی تجویز کے خلاف اپنی پرانی طرز پر یوں تقریر کی کہ بہت سے لوگ کریٹو کی تجویز کو درست خیال کرینگے۔ اور اسکی اس کوشش کی جو وہ اپنے دوست کے بچاؤ کے لئے کر رہا ہے قبول کرینگے لیکن معاشرے والے جو البتہ تعداد میں بہت قلیل ہیں بدی کا بدلہ بدی سے دینے کو پسند نہ کرینگے۔ یہ لوگوں کا قصور ہے کہ مجھے ایتھنز کے قوانین سے تکلیف پہنچ رہی ہے لیکن اسباب سے مجھے حق حاصل نہیں کہ قانون شکنی کروں۔ اس صورت میں قوانین ایتھنز مجھے اس طرح ملامت کر سکتے ہیں کہ:۔

تم ہماری زیر نگرانی پیدا ہوئے۔ اور پرورش پاکر تم نے خود اپنی مرضی سے ہماری اطاعت اختیار کی درحالیکہ تمہیں اختیار دیا گیا تھا کہ تم جہاں چاہو چلے جاؤ لیکن تم نے ایتھنز کے قوانین کو دوسرے قوانین پر یہاں تک ترجیح دی کہ عدالت کی پیشی کے وقت تم نے فتوی موت کو بمقابلہ جلا وطنی کے پسند کیا۔ اگر تم اب بھاگ جاؤ تم معاہدہ شکن ہو گے۔ اور اپنے دوستوں کو تباہ کرنے کے علاوہ کسی مہذب شہر میں تمہارا خیر مقدم نہ ہوگا۔ ممکن ہے تھسلی والے تمہیں خوش آمدید کہیں وہاں غیر ملکیوں کی خیرات پر تمہارا گذارہ ہوگا۔ اور یہ کوئی خوبی نہیں۔ تم اپنے بچوں کو وہاں نہ لیجا سکو گے اور انہیں ایتھنز میں تمہارے دوستوں کے پاس ہی رہنا ہوگا۔ یہ تمہارے بچوں سے خواہ تم ایتھنز سے باہر چلے جاؤ یا مر جاؤ محبت کرینگے۔ پس اے سقراط تم ہماری بات سنو۔ کیونکہ ہم نے تمہاری تربیت کی ہے۔ تم اپنی جان اور بچوں کے خیال کو انصاف پر ترجیح دو۔ لیکن انصاف کو مقدم سمجھو تا کہ دنیا کے شہزادوں کے سامنے تم سرخرو ہو۔ اب تو تم بیگناہ مصیبت زدہ جاتے ہو بغیر کسی قسم کی برائی کرنے کے۔ البتہ تم انسانوں کے شکار ہوئے ہو۔ قوانین کی نظر میں تم مجرم نہیں لیکن تم بدی اور دکھ کے مقابلہ میں بدی اور دکھ ہی پہنچاؤ گے۔ تو تم اس معاہدہ کو توڑنے والے ہو گے جو تم نے ہم سے کیا تھا۔ اور تم ان کو جنہیں تم سے بالکل ضرر نہ پہنچا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو۔ اپنے دوستوں

اور ملک کو اور ہم کو بھی نقصان پہنچاؤ گے - اور ہم تم سے جب تک کہ تم زندہ رہو گے ناراض رہیں گے
اور ہمارے بھائی یعنے دوسرے ممالک کے قوانین بھی تمہیں اپنا دشمن قرار دیں گے - کیونکہ انہیں
معلوم ہو جائیگا - کہ تم نے ہم سے دھوکہ کیا ہے - اسلئے ہماری بات سُنو - اور کرِٹیو کی تجویز کی طرف
التفات مت کرو - یہی آواز اندر سے میرے کان میں آرہی ہے پس جانے دو جہاں خدا مجھے لیجاتا ہے"

سقراط کی زندگی کے آخری دن اسکے دوستوں نے اس سے جیلخانہ میں ملاقات کی - اور
جبکہ موت کا وقت بہت نزدیک آگیا تو کرِٹیو نے اس کی بیوی اور بچوں کو وہاں سے رخصت
کر دیا - افلاطون آخری نظارہ کے وقت موجود نہ تھا - لیکن اس نے اپنی کتاب فیڈو میں
سقراط کی گفتگو در بارہ بقاءِ رُوح کا اسی طرح ذکر کیا ہے - جس طرح کہ فیڈو نے بیان کیا تھا -
یعنے سقراط نے کہا کہ موت صرف رُوح اور جسم کی علیحدگی ہے - اور یہی فلسفہ کا آخری نتیجہ ہے جسم خیالات
کی سدراہ ہوتا ہے لیکن روح سچائی کو پا جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ میں محو ہو جائے - کہ جسمانی حس کے ذریعہ
وہ انصاف - خوبصورتی نیکی اور دوسرے خیالات کو نہیں دیکھ سکتا - فلاسفر تمام عمر جسمانی
خواہشات کے ساتھ لڑتا رہتا ہے - اور رُوح کی نجات پر اُسے خوش ہونا چاہئے - اسلئے وہی سچا دلیر
ہو سکتا ہے - اور پرہیزگاری اور دیگر نیک صفات اسی کے نزدیک حقیقت رکھتی ہیں جب کرِٹیو نے
سقراط سے پوچھا کہ اُسے کس طرح دفن کیا جائے - تو اُس نے جواب دیا کہ جس طرح تم پسند کرو -
البتہ مجھے تم پکڑے رکھو اور احتیاط رکھو کہ میں تم سے کہیں چلا نہ جاؤں +

فیڈو بیان کرتا ہے - کہ جب سقراط کو داروغہ جیل نے زہر کا پیالہ دیا تو اُس نے بڑے
آرام اور متانت سے کسی قسم کے خطرہ یا چہرہ پر کسی قسم کے تغیر کے بغیر اُسے لیلیا - اور زہر کا پیالہ
بڑی پھرتی اور خوشی سے مُنہ کے ساتھ لگا کر پی گیا بعد ازاں اس نے زہر کے اثر ہونے کے متعلق ہدایات کو
سُنا اور اُن کے مطابق عمل کیا - جبکہ اسکی کمر سرد ہو رہی تھی - اس نے اپنے چہرہ پر سے کپڑا اُٹھایا
اور کرِٹیو سے کہا کہ میں نے اسکلیپیس کا ایک مرغا دینا ہے - یاد رکھنا کہ اس کا قرض ادا کیا جائے
کرِٹیو نے جواب دیا - کہ قرض ضرور ادا کر دیا جائیگا - اور پھر پوچھا کہ کچھ اور تو نہیں کہنا - اس
سوال کا کچھ جواب نہیں ملا - کیونکہ سقراط کی رُوح پرواز کر چکی تھی - ان حالات کو بیان کرنے
کے بعد فیڈو آہ و بکا کرتا ہوا کہتا ہے کہ ہمارے دوست کا اس طرح انجام ہوا - وہ دوست جسے

میں ان سب سے زیادہ دانا منصف مزاج اور نیک سمجھتا ہوں جن سے میری واقفیت ہے *

فصل دوم

جناب یسوع

جناب یسوع کی زندگی کے حالات تاریخی نکتہ خیال سے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اگرچہ وہ دُنیا میں ایک عظیم الشان انسانوں میں سے ہیں۔ اور ایک بڑا حصہ مخلوق کا انہیں خدا یا جزو خدا مانتا ہے۔ آپ کی زندگی کے کچھ حصہ کے حالات انجیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی واقعات ایکدوسرے کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ مختلف مصنفوں نے جناب مسیح کا معجزہ نسب مختلف دیا ہے۔ ان کی پیدائش اور نشو و نما۔ اُن کی تعلیم اور خانگی حالات سب پر ایک قسم کا پردہ سا ہے۔ بلکہ ان کی صلیب کا واقعہ اور شہادت بھی عقدہ لاینحل سا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شہادت کی اصل کیفیت کے متعلق رائے زنی کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ انہیں نے جناب یسوع کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں فریسیوں کے درشت اور مغرور طرز زندگی کے خلاف انہوں نے گلیل کے گرد و نواح میں بڑی سرگرمی اور تحمل سے نیکی اور آخرت میں اسکے اجر کے متعلق وعظ کیا۔ انہوں نے آسمان کی بادشاہت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی اور اس دُنیوی جاہ و جلال کو حقیر بتلایا۔ وہ غریبوں کے ساتھ بھی ہمدردی اور مہربانی کرنے کی وجہ سے ہر دلعزیز ہو گئے تھے۔ بعض لوگ ایسے بھی موجود تھے۔ جو انہیں مسیح موعود سمجھتے تھے انہوں نے لوگوں کو اس بات سے بھی روکا کہ وہ اسے نیک اُستاد بھی نہ کہیں یہ کہکر کہ سواء خدا کے کوئی نیک نہیں۔ اور ان لوگوں کو جو انہیں خدا کا بیٹا کہتے تھے ملامت کی *

دوسرا حصہ جناب مسیح کی زندگی کا وہ ہے جبکہ انہوں نے یروشلم کیطرف سفر کیا۔ ایک اندھا فقیر یسوع سے یوں مخاطب ہوا کہ اے داؤد کے بیٹے مجھ پر رحم کر۔ اُسے مسیح نے تندرست کیا۔ اور ایک انبوہ کثیر انکے پیچھے یروشلم تک گیا۔ جہاں کہ انکے آنے پر لوگوں نے داؤد کے بیٹے کے نام کے نعرے بلند کئے۔ جب وہ ہیکل میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودیوں نے بجائے اسکے کہ وہ انہیں عبادت کرتے اُسے خرید و فروخت کی منڈی بنا رکھا ہے

اس پر جناب مسیح کو بہت غصہ آیا۔ اور انہوں نے صرافوں کی دکانیں الٹ دیں لیکن جناب مسیح کی اس قسم کی دلیرانہ کارروائیوں سے اور اس عزت کے باعث جو لوگ ان کی کرنے لگ گئے۔ یہودی فریسیوں کے دل میں بغض اور حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ انکی موت کے نئے تجاویز سوچنے لگے۔ داؤد کے بیٹے کے نام کے نعرے نے جگر کو پاش پاش کر دیا۔ ان فریسیوں کیلئے جو ایک مختلف قسم کا مسیح یا یہودی بادشاہ کی امید میں بیٹھے ہوئے تھے یہ نعرہ بہت ہی نامبارک تھا۔ ان کی آنکھیں کسی دوسرے موسیٰ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جو اُن کی گم شدہ سلطنت پر ان کے لئے قائم کردیگا +

لیکن مسیح کی تعلیم یہ تھی کہ تم نے یہ سنا ہوا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ جو تمہیں دائیں گال پر دھپڑ مارے اسکے سامنے بائیں گال کرو۔ اور اگر کوئی تمہیں عدالت میں لیجائے۔ اور تمہارا کوٹ لیلے۔ تو اُسے اپنا جبہ بھی دیدو۔ اور اگر کوئی تمہیں ایک میل لیجانے کیلئے مجبور کرے تو تم دو میل اس کے ساتھ جاؤ۔ فقیہی اور فریسی اپنی پرہیزگاری لوگوں پر بہت ظاہر کرتے تھے لیکن جناب مسیح نے انہیں بتلایا۔ کہ تم لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اپنی پرہیزگاری اور بزرگی کا اظہار مت کرو۔ ورنہ خدا سے جو آسمانوں پر ہے تمہیں کچھ اجر نہ ملیگا +

جناب مسیح یہودی فریسیوں کو ریاکار کرکے پکارتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم مذہبوں پر حکومت اور اقتدار پورا حاصل کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں بہت مفاد پہنچتا تھا۔ مگر جناب مسیح سے انہیں کسی قسم کی مدد نہ مل سکتی تھی۔ اس تعلیم کے مقابلہ میں جو وہ لوگ حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جناب مسیح کی تعلیم بہت ہی آزادانہ تھی۔ حضرت مسیح کے اصولوں کے شریفانہ اور بلند پایہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ تھا۔ وہ خود خدا کی محبت میں محو تھے۔ ان کو خدا کے ساتھ اسقدر محبت تھی جیسا کہ بچہ کو باپ سے ہوتی ہے۔ وہ خدا کو اپنا باپ اور دوسروں کا باپ بھی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو بتلایا۔ کہ اگر وے خدا کا بیٹا ہونے کا خطاب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وے ان کی یعنے حضرت مسیح کی طرح اللہ کے پورے تابعدار بن جاویں۔ ان کی خواہش تھی۔ کہ ہر ایک شخص خدا کا فرمانبردار ہو اور جو کچھ

۲۰ فروری ۱۹۲۰ء

ماہ رمضان المبارک کے اخیر تک یوم تک

رسالہ اشاعت اسلام کی سابقہ جلدوں میں رعایت

جلد ۱۹۱۴ء ۶ پرچے — قیمت ۹/

فہرست چیدہ مضامین

۱۔ خدا کا کام اطلاع
۶۔ اسلام اور مغرب
۷۔ اسلامی نماز
۸۔ مسجد ووکنگ میں ایک اسلامی خطبہ نکاح
۹۔ سول کریم صلعم کے اخلاق حسنہ
۱۰۔ میں نے اسلام کیوں قبول کیا
۱۱۔ سچی اور جھوٹی شہادت
۱۲۔ موجودہ جنگ اور پیغمبر اسلام صلعم
۱۳۔ اسلام اور جنگ
۱۴۔ آنحضرت سے پیشتر کے عیسوی علم دینیات کا نقشہ
۱۵۔ اسلام کیا ہے
۱۶۔ ہماری نماز جمعہ
۱۷۔ دعا
۱۸۔ کیا یسوع مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے تھے
۱۹۔ خطا کار گنہ گار
۲۰۔ اسلام میں عورت
۲۱۔ اسلام سے ... امن سے
۲۲۔ حضرت ... علیہ ...

جلد اول ۱۹۱۵ء ۱۱ پرچے — قیمت ۶/

فہرست چیدہ مضامین

۴۔ حضرت محمد صلعم بحیثیت فاتح
۵۔ قرآن کریم اور عقل
۶۔ دنیا میں امن پیدا کرنے کی راہ
۷۔ قرآن کریم کے تین قدیم نسخوں کے اوراق و ڈاکٹر منگانا کے اعتراضات کا جواب
۸۔ بیگم صاحبہ بھوپال مسلم انڈیا
۹۔ قرآن کریم کا بول بالا
۱۰۔ اسلام اور انسداد شراب نوشی
۱۱۔ عیسائیت اور توحید
۱۲۔ ہندوستانیوں کی وفاداری
۱۳۔ ایک بلند طبقہ گھرانہ کا قبول اسلام
۱۴۔ یسوع الیت اور انسانیت کا ایک نمونہ
۱۵۔ ام الالسنہ یا زبانوں کی ماں
۱۶۔ اسلام میں انصاف
۱۷۔ اسلام میں زر دوزی کا حکم
۱۸۔ اخلاقی معجزات
۱۹۔ بائیبل میں اسلام
۲۰۔ حضرت مسیح اور جناب مسیح

جلد دوم ۱۹۱۶ء ۱۱ پرچے — قیمت ۶/

فہرست ...

۴۔ توحید الٰہی کا کمال اسلام میں ہی ہے۔
۵۔ رحمۃ للعالمین
۶۔ عربوں کا احسان تہذیب پر
۷۔ ایک انگریز بادشاہ کا توحید الٰہی و رسالت نبی کریم صلعم کا اقرار
۸۔ مسئلہ زندگی
۹۔ حضرت مسیح کا کیا مذہب تھا؟
۱۰۔ سب نبیوں کا موعودہ رسول
۱۱۔ صفات باری تعالیٰ
۱۲۔ اسلام اور عیسائیت
۱۳۔ اسلام میں مرد اور عورت کی حیثیت کا مقابلہ
۱۴۔ سیرت نبوی
۱۵۔ اسمائے قرآن
۱۶۔ شیرازہ اسلام
۱۷۔ عربی علمی سوسائٹی
۱۸۔ اعشائے ربانی میں شراب
۱۹۔ ابراہیم کا مذہب
۲۰۔ تعدد ازدواج

جلد سوم ۱۹۱۷ء ۱۰ پرچے — قیمت ۶/

... چیدہ مضامین

۱۔ ... کامیاب نبی
۲۔ ... نبی
۳۔ اسلام بذریعہ تلوار نہیں پھیلا
۴۔ اسلام میں جہاد
۵۔ آنحضرت صلعم کا ایک سپاہی کی حیثیت میں
۶۔ آنحضرت صلعم ایک فاتح مدبر کی حیثیت میں
۷۔ ... اور علم اصول
۸۔ ... اشاعت میں جمہوریت
۹۔ سود اور شراب
۱۰۔ انسان کامل
۱۱۔ اسلام کا احسان عورت پر
۱۲۔ زکوٰۃ اور اسکا مصرف
۱۳۔ مذہبی بے چینی
۱۴۔ لارڈ ہیڈلے بالقابہم
۱۵۔ جمع قرآن
۱۶۔ اسلام میں عورت کی حیثیت
۱۷۔ خدا کی کامل تصویر
۱۸۔ کفارہ کی تردید
۱۹۔ دین فطرت
۲۰۔ ایک ہریرے کے مقابلہ کیلئے
۲۱۔ غلامی
۲۲۔ رمضان
۲۳۔ بعد الموت
۲۴۔ اسلام اور ترقی
۲۵۔ کلیسا کی گردن قرآن کے سامنے جھک گئی

جلد چہارم ۱۹۱۹ء ۱۱ پرچے — قیمت ۶/

فہرست چیدہ مضامین

۱۔ عورت اور عورت کے حقوق اسلام
۲۔ ایام حج میں مکہ معظمہ کا منظر
۳۔ اسلام اور موجودہ علمی تحقیقات
۴۔ نور از کوہ فاران
۵۔ آنحضرت صلعم کا اسوہ حسنہ
۶۔ ہندوستان کی روحانیت
۷۔ نبی کریم کا علم غیب
۸۔ قوموں کی حیات اور موت
۹۔ پہاڑی والا وعظ
۱۰۔ مسئلہ ارتقا انسانی
۱۱۔ جلسہ میلاد النبی صلعم
۱۲۔ اسلام کی خوبیاں
۱۳۔ اسلام کا علم اخلاق
۱۴۔ ذرات عالم کا مذہب
۱۵۔ اعجازی مچھلی
۱۶۔ تاریخی اسلام
۱۷۔ محمد صلعم آیت اللہ
۱۸۔ نعرہ توحید
۱۹۔ عیسائی عقائد کی نئی شکل
۲۰۔ ہستی باری تعالیٰ
۲۱۔ باطنیات اسلام
۲۲۔ سادگی ایمان
۲۳۔ مطالبہ اسلام
۲۴۔ خدا کی بادشاہت
۲۵۔ ارتقائے انسانی
۲۶۔ ممنوع خوراک
۲۷۔ پنج ارکان اسلام
۲۸۔ بشارت مسیح و امن
۲۹۔ ووکنگ مسلم مشن کی
۳۰۔ اجمالی کیفیت حساب مشن

المشتہر: خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور

... مطبع ... لاہور میں حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لندن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی — مسلم مشنری — مولوی صدر الدین بی اے بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ۱/۳ اخراجات کی ذمہ وار ہو سکتی ہے

جلد ۵ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

فہرست کتب اشاعت اسلام بک ڈپو لاہور

محصول ڈاک بذمہ خریدار

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
پرچے اشاعت اسلام سنہ ۱۹۱۴	۱۲ر	ادیب النسوان	۴ر
" سنہ ۱۹۱۵ء	عکا ۱۲ر	انشائے نسوان	۴ر
۱۱ پرچے سنہ ۱۹۱۷ء	عکا ۱۲ر	صبر کی دیوی	۳ر
براہین نیرہ	۱۲ر	خورشید جہاں	۴ر
اسوۂ حسنہ	۸ر	رفیق مرزا	۳ر
ام الالسنہ	۱۲ر	زنانہ خطوط	۵ر
لمعات انوار محمدیہ	۶ر	لیکچر اسلام - از مسز اینی بسنٹ	۳ر
خطبات غربیہ مکمل سٹ	عصہ	مسدس حالی	۸ر
مسلم مشنری کے ولائتی لیکچر حصہ اول	۱۰ر	زنانہ حساب کتاب	۱۰ر
" حصہ دوم	۱۰ر	تعلیم الصبیان	۳ر
" حصہ سوم	۱۰ر	مناجات بیوہ	۲ر
بنگال کی دلجوئی	۱ر	رباعیات حالی	۴ر
نکات القرآن حصہ اول	۸ر	جام کوثر	۴ر
" حصہ دوم	۸ر	راہ جنت	۳ر
" حصہ سوم	۸ر	امام حسین	۴ر
" حصہ چہارم	۱۰ر	۱۶ دلچسپ کہانیوں کا مزیدار سٹ	عہ
حدوث مادہ	۵ر	ناصح مشفق	۳ر
جمع قرآن	۱۲ر	لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم	۳ر
حقیقۃ المسیح	[illegible]	لیکچر اسلام	۱ر
تائید حق	۸ر	جام عرفان - نظم	۱ر
اسرار سلیمانی مجلد	۶ر	مختصر آموزی	۴ر
التوحید	۱ر	کھانا پکانا	۴ر
طریق فلاح	۱ر	اخلاقی کہانیاں	۴ر
مادہ فانی	۱ر	تعلیم النسوان کی پہلی کتاب	۳ر
کرشن اوتار	۱ر	" دوسری کتاب	۴ر
پیغام صلح	۱ر	" تیسری کتاب	۴ر

المشتہر خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۵) بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء نمبر (۷)

شذرات

ناظرین کرام کے لئے یہ امر موجب مسرت ہوگا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کے ہندوستان واپس تشریف لے آنے پر مسلم مشن ووکنگ کا کام بہ احسن وجہ چل رہا ہے۔ جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال صاحب موجودہ قائمقام امام مسجد ووکنگ اشاعت اسلام کے مُہتم بالشان کام کو ہر طرح سے کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کے نیک ارادوں میں برکت ڈالے اور اُنکی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

حضرت خواجہ صاحب آجکل شملہ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ کی تازہ ڈاک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی تک آپ کی صحت میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہُوئی۔ مرض کا دورہ گاہے گاہے عود کر آتا ہے۔ اُمید واثق ہے کہ ہمدردان و بہی خواہان مسلم مشن ووکنگ بانیٔ مشن کی صحت و درازیٔ عمر کے لئے دُعا فرما کر عنداللہ ماجور ہونگے۔ +

لندن مسلم نماز گاہ اور مسجد ووکنگ میں لیکچروں کا سلسلہ حسب معمول جاری ہے مسجد ووکنگ میں جناب ملک عبد القیوم صاحب بی اے اور جناب مسٹر شمس الدین شمس صاحب نومسلم ہر اتوار کو حسب دستور لیکچر دیتے رہیں ✦

ماہ صیام کی وجہ سے رسالہ اسلامک ریویو انگریزی بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۱۹ء ڈبل نمبر شائع ہوگا۔ جو جولائی ۱۹۱۹ء کے اختتام تک ہندوستان میں پہنچ جاویگا ✦

لندن مسلم نماز گاہ میں ماہ مئی ۱۹۱۹ء میں جناب مسٹر ایس۔ ایچ رضا صاحب و جناب مسٹر ڈڈلے رائیٹ شیخ محمد صادق صاحب نومسلم و جناب رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقاب شیخ رحمت اللہ صاحب الفاروق نے اپنے مواعیظ حسنہ سے اہالیان لندن کو تبلیغ حق کی۔ جناب ایس۔ ایچ رضا صاحب نے ۴ مئی ۱۹۱۹ء کو لیکچر فرمایا۔ اور جناب مسٹر ڈڈلے رائیٹ شیخ محمد صادق صاحب نومسلم نے اس مہینہ میں دو لیکچر فرمائے۔ پہلا لیکچر مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۱۹ء میں انہوں نے ایک خط کا جواب دیا۔ اور آپکے دوسرے لیکچر کا عنوان "قرآن کریم" تھا جو آپنے ۲۸ مئی ۱۹۱۹ء کو فرمایا۔ جناب رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے صاحب نے مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۱۹ء کو لیکچر فرمایا ✦

اسلامک ریویو کے تازہ نمبر میں اُن مخلص احباب کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ جو مختلف ممالک میں ووکنگ مسلم مشن کے لئے خود بخود چندے جمع کرتے اور مشن کی اعانت کیلئے لوگوں کو تحریک کرتے ہیں۔ ان معاونین کرام میں سے دو کے نام اسلامک ریویو نے لئے ہیں (۱) جناب مسٹر علی محب صاحب (۲) جناب مسٹر عبد القادر ابو قندیل صاحب۔ اور اس کے ساتھ ہی کسی شخص ایم ایس۔ این ..... سے متعلق متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ بغیر کسی اجازت کے قرآن کریم کے متعلق خود بخود ایجنٹ کا کام کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے سوائے اسکے کہ کوئی شخص ان سے ذاتی طور پر واقف ہو۔ اور ان پر اعتبار کر سکتا ہو۔ جتنے الوسع بچنا چاہیئے کیونکہ دفتر اسلامک ریویو

دو کنگ یا لاہور کی طرف سے کوئی ایسا ایجنٹ کسی جگہ مقرر نہیں۔ اور نہ کوئی اسکی ذمہ داری اس پر عائد ہو سکتی ہے +

کاغذ کی گرانی بدستور ہے۔ اسلئے ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ از راہ کرم رسالہ ہذا کی اپنے حلقۂ اثر میں توسیع اشاعت فرما کر داخل حسنات ہوں +

جُملہ خریداران رسالہ کی خدمت میں عرض ہے کہ از راہِ نوازش خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا ضرور حوالہ فرمایا کریں۔ اور عدم وصُولی رسالہ و دیگر شکایات سے فوراً مینیجر رسالہ ہذا کو مطلع فرما کر ممنون فرمایا کریں۔ تا کہ اُن کا فوری تدارک کیا جاوے +

حضرت محمد صلعم اور آپ کا مشن

(از جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء)

حضرت محمد صلعم جناب مسیح سے ۵۷۰ سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس برس کی عمر میں آپ کو وحی الٰہی ہوئی۔ اور خلق اللہ کے لئے جو چار اکنافِ عالم میں اصنام پرستی و اخلاقی پستی کے قعر ذلت میں گری ہوئی تھی بشیر، نذیر، معلم اور نبی مقرر ہوئے۔ تاریخ عالم میں یہ زمانہ نہایت ہی تاریک زمانہ تھا۔ اور حضرت محمد صلعم شمع ہدایت لائے۔ وہ شمع ہدایت مہر تاباں کی چمک سے بھی زیادہ روشن و چمکیلی ثابت ہوئی۔ اس نے انسانی قلب و رُوح کو منور کر دیا۔ ایسا کوئی بھی شخص دُنیا میں نہیں گذرا جس نے دُنیا کو مختلف پیرایہ میں زیر اثر کیا ہو جیسا کہ آنحضرت صلعم نے۔ حضرت محمد صلعم بنفسہٖ معجزہ تھے ہم انہیں بشر کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ہمیں یہی تلقین فرمائی ہے۔ کہ آپ کو بشر کہہ کر پکارا جائے۔ ورنہ جو عظیم بالشان کام آپ نے سرانجام فرمایا۔ وہ حقیقۃً ایک بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ آپ میں کوئی خاص جوہر تھا۔ جو زمین سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ اگر تو آپ انسانی جامہ پہنے تھے۔ تب تو ہم سب کو اس پر نازاں ہونا چاہیئے

کہ ایک بشر اپنے آپ کو اُس حالت تک پہنچا سکتا ہے جہاں ذات باری اور اسکے درمیان ایک قلیل فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن یہ قرب الٰہی فقط آنحضرت صلعم کی سوانحعمری کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ دیگر اولیاء و پارسا لوگوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں قرب الٰہی حاصل کیا ہے لیکن آنحضرت صلعم کے مقابل بہت ہی قلیل لوگ اللہ تعالےٰ کے ہو گئے اور اُن صفات کو جذب کرنے کے قابل ہو سکے۔ ان مقرب لوگوں میں کوئی بھی انسان نہیں ہے جو روح پھونکنے کے قابل ہو جو انسان کو ربانی اوصاف کے جذب کرنے کے قابل بناتی ہے +

حضرت محمد صلعم نے انسانیت میں انقلاب عظیم پیدا کیا آپ نے نسل انسانی کی مذہبی اخلاقی تمدنی اور یہانتک کہ سیاسی خیالات میں بھی تغیر پیدا کر دیا۔ آپ نے یہ اصول قائم کیا کہ تمام مذاہب ایک ہی ربانی سرچشمہ سے ہیں۔ اور کوئی بھی قوم روئے زمین پر ایسی نہیں جس میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیغامبر نذیر نازل نہ ہوا ہو۔ آپ نے ہر مومن کو ان پیغمبروں کے درمیان کوئی فرق نہ کرنا چاہئے۔ کہ بعضوں کو قبول کرے اور بعضوں کی تکفیر کرے۔ انسان کے مذہبی خیالات میں یہ ایک حیرت انگیز انقلاب عظیم تھا جس نے مذہب میں سے تنگدلی کو کافور کر دیا۔ ایک اور انقلاب جو آنحضرت صلعم نے مذہبی خیالات میں برپا کیا اور جس کو آپ نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا یہ ہے کہ مذہب یا پارسائی صرف اسی میں نہیں کہ نماز اس طرح یا اس طرح ادا کی جائے۔ یا بعض بعض رسم و رواج کو اختیار کیا جائے۔ بلکہ عبادت الٰہی کی اصل غرض و غایت یہ ہے۔ کہ دُنیا کے اسرار و خواص سے بہرہ ور ہو کر اور قوانین قدرت سے آگاہ ہو کر اُن علوم سے خلق اللہ کی بہتری اور بھلائی کیجائے۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کیجائے +

علم الاخلاق میں آنحضرت صلعم نے تعلیم فرمائی۔ کہ محض خیالات کوئی وقعت نہیں رکھتے افعال اور خیالات کی آپس میں مطابقت ہونی چاہئے۔ انسان کو صرف خیال اور سوچ بچار ہی نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ اسمیں عملی پہلو ہونا بھی لازم ہے۔ اسلئے انسان کو دنیا کا ایک مفید اور کارآمد شہری اور سوسائٹی کا دہنا بازو اور کائنات عالم کی بڑی مشین کا ایک کام کرنے والا جزو ہونا چاہئے۔ ذاتی جاہ و حشمت یا اپنی ہی عزت بڑھانا ہی انسان کا فرض نہیں

خالق اکبر کیطرف سے انسانوں کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی دوسری مخلوق خدا کو بھی اُٹھانا
و اُبھارنا و بلند کرنا انسانی فرائض میں گرہے حضرت محمد صلعم نے کبھی بھی کسی ایسی بات
کی تعلیم نہیں دی جس پر کہ عملی رنگ میں آپ نے کاربند ہو کر نہ دکھا دیا ہو آپ نے
اُسے ربانی قاعدہ قرار دیا۔ کہ کسی رُوح پر اسقدر بوجھ نہیں ڈالا جاتا جس کے اُٹھانے
کی وہ متحمل نہ ہو۔ اللہ تعالے انسانی قربانی کا خواہاں نہیں۔ ہاں اسے خود انکاری و
ایثار کی ضرورت ہے۔ خود بنی نوع انسان کے لئے وہ زندگی سب سے عمدہ تھی جس کی
تشریح جناب بدھ نے فرمائی۔ لیکن نسل انسانی و انسانی سوسائٹی کیلئے درحقیقت وہ
زندگی بجائے نفع کے مضرت رساں ثابت ہوئی۔ آنحضرت صلعم کی اخلاقی تعلیمات
محض اس لئے نہ تھیں کہ اُن سے بعض کتب کے صفحات مزین ہیں۔ بلکہ اُن کی اصل غرض و غایت
یہ تھی۔ کہ ان تعلیمات پر روزمرہ و لحظوں کی زندگی میں افعال کے ذریعہ سے عمل درآمد ہو
آنحضرت صلعم نے لوگوں کو نہ صرف زبانی تعلیم فرمائی بلکہ اپنے اسوہ حسنہ سے آپ نے اپنے
پیچھے ایک کھری و دیرپا تعلیم چھوڑی۔ اور اسمیں بنی نوع انسان کو سکھلایا۔ کہ کس طرح
صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر صبح تک انسانوں کو اوقات بسر کرنے چاہئیں۔ اور کسطرح
سے مخلوق خدا کو اپنے بیوی بچوں ہمسایہ مہمان۔ دوست و دشمن۔ امیر و غریب۔ نیکی و
بدی۔ امن و جنگ اور یہانتک کہ پرند چرند۔ وحوش اور بہائم سے سلوک کرنا چاہئے
بنی نوع انسان کو یہانتک ہدایت فرمائی۔ کہ سبز درختوں تک کو مت تراشا جائے
اور اپنی سواری کے جانوروں کو اتنا مت چلاؤ کہ وہ تھک جائیں +

تمدنی معاملات میں حضرت محمد صلعم سب سے اول عملی متمدن ہیں جنہوں نے تمام فرقہ بندی
کی تفریق۔ تمام قومی اختلافات اور تمام خاص حقوق کے امتیازات کا قلع قمع فرمایا معلمان
مذاہب میں سے آپ سب سے اول حقوق کی متحدہ اشاعت کرنیوالے معلم ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں
صنف لطیف کی حیثیت قائم کی۔ اور اسکی عزت و توقیر کی تعلیم دی۔ آپ نے سوسائٹی
کے تمام کمزور اور مصیبت زدہ حصہ کی امداد کی تعلیم فرمائی۔ اور بچوں۔ طبقہ نسوان۔ یتیموں خصوصاً
ابن السبیل۔ خانہ بدوشوں۔ مزدوروں اور محنت و مشقت کرنے والے پیشہ وروں کے ساتھ

نیکی اور بھلائی کرنے کی تعلیم دی۔ خود احدیت مآب نے حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین (یعنی تمام جہان کیلئے رحمت) کا موزوں خطاب عطا فرمایا صرف تمدنی اصلاحات ہی آپ کو نسلِ انسانی کا سب سے بڑا محسن و مربی قرار دینے کیلئے کافی ہیں۔ لیکن آپ کی اصلاحات کو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں تک وسعت دیگئی ہے +

آپ کی سیاسی اصلاحات بھی دوسری اصلاحات سے کم حیرت انگیز نہیں۔ آجکل جبکہ دُنیا کے بڑے بڑے مدبرانِ سلطنت دُنیا کے سیاسی معاملات کو طے کرنے کے لئے میز کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں تو انکی ہدایت و رہبری کیلئے اِس جگہ اُس عظیم الشان مُدبرِ اعظم یعنی حضرت محمد صلعم کے بعض سیاسی اصولونکو بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا +

ہماری سرکار حضرت محمد صلعم نے سب سے پہلا اصول جو قائم فرمایا وہ یہ تھا۔ کہ محض مقامی حبُ الوطنی یعنی اس ملک کی محبت کرنی جہاں کوئی شخص رہتا ہے انسانی ضمیر و دل و دماغ کے شایان حال نہیں۔ انسان کی حبُ الوطنی عالمگیر و وسیع ہونی چاہیئے۔ اسے اپنے آپکو تمام روئے زمین کا باشندہ خیال کرنا چاہیئے۔ "مَیں مُلک کی خاطر ہوں۔ خواہ یہ غلط ہو یا صحیح"۔ کیا یہ عظیم الشان اصول نہ تھا۔ ایک انسان کو اپنے بھائی انسان کا احساس ہونا چاہیئے، خواہ دونوں ہمجنس انسانوں کے درمیان بُعد المشرقین ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایک مُلک کے باشندہ سے کوئی بُرا سلوک ہو تو دوسرے ملک کے باشندہ کا فرض ہو کر اپنے بھائی ہمجنس انسانوں کے معاملہ کی اصلاح میں اسکی امداد کرے جہانتک اِس قوم کا تعلق ہے جس کو حضرت محمد صلعم نے نمونہ قوم بنایا۔ ان میں مقامی حُبُ الوطنی کی بجائے عالمگیر حبُ الوطنی کی رُوح پھونکی گئی ہے کلمۂ طیبہ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کا پڑھنے والا اگر شمال سے جنوب کی طرف اور مشرق سے مغرب کی طرف جائے۔ تو ہر ایک جگہ اور ہر مُلک میں اسکے مسلمان بھائی اس کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک روا رکھیں گے۔ اور اسجگہ اسکو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو کہ وہاں کے مقامی مسلم باشندگان کو حاصل ہیں۔ یہانتک کہ آجکل کی اسلامی سلطنت کا شہنشاہ اور خلیفہ بھی ایک غریب سے غریب مسلمان کے ساتھ بھی جو دور دراز سے سفر کی مصائب اُٹھاکر اسکی خدمت میں پہنچیگا۔ تو وہ اسلامی ہمدردی۔ اخوت و مساوات کا

ملحوظ نظر رکھ کر اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کریگا۔ دوسرا اصول آپ نے تمام نسل انسانی کی ایک قوم اور برادری کا قائم کیا۔ اگر آج ہمارے سرکار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے۔ تو اتحاد اقوام کو قائم کرنے کی بجائے اتحاد بنی نوع انسان قائم فرماتے ❖

نبیوں میں سے سب سے آخری نبی

حضرت محمد صلعم آخری نبی کیوں تھے ؟ اس کا مفصل جواب اس وقت نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے لئے بہت سا وقت اور بہت سی جگہ درکار ہے جس کی گنجائش اس وقت میرے پاس نہیں۔ لیکن میں مندرجہ بالا مسئلہ کے ایک ہی پہلو پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آؤ ہم اصلی مدعا پر غور و خوض کریں۔ جس کے لئے کہ نبوت کی چادر ایک منتخب شخص کے کندھوں پر دھری گئی۔ حضرت محمد صلعم نہ تو اپنی ذاتی وجاہت بڑھانے کے لئے تشریف لائے۔ اور نہ ہی اسلئے مبعوث ہوئے۔ کہ خدائے بزرگتر کی جگہ ہوکر اپنی پرستش کرائیں اور لوگوں کے معبود بنیں۔ آپ خدائے تعالے کی طرف سے انسان کی رہبری کے لئے پیغام لائے۔ جس کی آپ نے اپنے افعال سے تشریح فرمائی۔ آپ پر خدائے تعالے کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی جس کی تعمیل آپ اپنے افعال سے فرما کر نمونہ قائم کرتے تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے خدا تعالے کے نازل شدہ احکام کی پوری پوری پیروی کی۔ اور اوروں کو اپنے اعمال سے ان ربانی قوانین پر چلنے کی ہدایت کی۔ اس طرح خدائے عزوجل کے احکام اور حضرت نبی کریم صلعم کے افعال نے ایک اسوہ حسنہ کی طرح لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔ اور اگر وہ ربانی قوانین اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ اور ہم تک اسی اصلی حالت میں پہنچے ہیں۔ تو پھر نہ تو کسی الہام جدید کی اور نہ کسی نئے نبی کی ضرورت باقی ہے۔ لیکن حقیقت میں حضرت محمد صلعم رسول خدا کے مبعوث ہونے سے پیشتر جو کچھ بھی اللہ تعالے کی طرف سے نازل ہوا۔ وہ انسانی تحریف و ملونی و

دستبرد زمانہ سے نہ بچ سکا۔ اسلام سے پیشتر کے معلمان مذہب کی زندگی کے حالات ایک راز سربستہ ہیں۔ وہ ہماری نگاہوں میں محض ایک افسانہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور تاریخ کہلانے کے مستحق نہیں۔ اسلئے ہمیں انکی سوانحعمری کا بہت قلیل علم ہے لہذا قرآن کریم اور حضرت پیغمبر خدا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور اگر قرآن کریم ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت محمد صلعم کے زمانہ مبارک میں تھا۔ اور حضرت محمد صلعم کے افعال واقوال کا مجموعہ مکمل مستند اور صحیح ہے تو کیا پھر بھی ہمیں کسی اور پیغمبر یا کسی اور جدید ربانی الہام کی ضرورت ہے۔ اسلئے قرآن کریم خداوند تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب ہے اور حضرت محمد صلعم سب سے آخری نبی۔ حضرت محمد صلعم آخری نبی صرف اپنی وجاہت کے باعث نہ تھے۔ بلکہ زیادہ تر اسلئے تھے کہ آپ خدا کی طرف سے آخری قانون اور ہدایت نامہ و پیغام لائے۔ جبکہ قرآن کریم خالق اکبر کے ارادہ کو پورے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اسمیں اخلاقی و روحانی ضروریات کے پورا کرنے کے واسطے ہدایات موجود ہیں تو الہام جدید ایک فضول و بے سود اور لایعنی تکرار ہوگی۔

عیسائیت میں علم الہیات کے مشاق کی قابل توجہ

" بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائیگا"۔

" کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" (متی باب ۱۲ آیت ۳۹ و ۴۰)۔

یہ کلمات حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائے۔ اگر آپ صلیب پر جاں بحق ہوئے۔ تو یہ کلمات پورے ہونے کے بغیر رہ گئے۔ حضرت یونس کو جب مچھلی نے نگلا تو آپ اسکے پیٹ میں تین دن اور تین رات رہے اور خدا تعالےٰ کی درگاہ میں دست بدعا رہے۔ اور اس کے اندر سے زندہ صحیح و سلامت باہر نکلے

اِس طرح اگر جناب مسیح سچے نبی تھے۔ تو آپ پر موت کیسے وارد ہو سکتی تھی پیشتر اس کے کہ آپ زمین کے اندر داخل ہوں۔ آپ حضرت یونس کی طرح بیہوش ہو جاتے لیکن آپ کو صلیب پر مرنا نہیں چاہئے تھا۔ ورنہ حضرت یونس کی نشانی پوری نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے ہے اسیطرح ابن آدم بھی تین دن اور تین رات زمین کے اندر زندہ رہا۔ اگر آپ کے کلمات سچے تھے تو آپ کی موت صلیب سے وارد نہیں ہو سکتی جس طرح کہ اہل کشتی اور ناخدا نے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور ان کے زعم میں حضرت یونس موت کا شکار ہو گئے۔ اسی طرح دشمنان حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ پر یقینی موت وارد کرنے کے لئے آپ کو صلیب پر چڑھایا۔ لیکن خداوند تعالے کے زبردست ہاتھ نے اسی طرح آپ کو بچا لیا جس طرح کہ یونس کو جناب مسیح حالتِ غشی میں صلیب سے زندہ اترے اور آپ زندہ ہی قبر کے اندر داخل ہوئے۔ اور جب تک زندہ رہے وہیں رہے۔ دوبارہ جی اٹھنے کے مسئلہ کو قبول کرنے سے جناب مسیح کے اقوال پورے نہیں ہوتے۔ پہلے چار حواری اس معاملے کے متعلق بجائے اس کے کہ جو اصلی واقعہ ہو اس کو بیان کریں۔ وہ اپنے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ حواریوں کی موقعہ پر سے عدم موجودگی۔ انکی سادہ لوح فطرت اور مسلمہ سادہ دلی اور وہ قلیل وقت جب تک کہ جناب مسیح صلیب پر آویزاں رہے۔ اور جبکہ آپ کے جسم کو چھیدا گیا۔ تو آپ کا خون منجمد حالت میں تھا اور آپ کی ہڈیاں بھی توڑی نہ گئیں۔ مندرجہ بالا مسلمہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ محولہ بالا جناب مسیح کے اقوال لفظاً بہ لفظاً پورے ہوئے۔ اور آپ صلیب پر نہیں مرے۔ بشیر

اسلامک ریویو:- اگر حضرت یونس کی روایت کو کلیسیا کے بہت سے عہدہ داران محض ایک ڈھکوسلہ اور قصہ کہانی سے تعبیر کرتے ہیں تو محولہ بالا انجیل کے فقرات کو بیان کر ہوئے کے متعلق بیان ہی کیا ہے ہونی چاہئے کیا وہ خدا تھے۔ ان فقرات تو نبوت کے عہدے سے بھی گر جاتے

ہیں لیکن ہم مسلمان جناب مسیح کو خداوند تعالےٰ کے صادق پیغمبر مانتے ہیں۔ لیکن ان اناجیل کے بیانات کو ہم جناب مسیح کی زندگی کا مستند و صادق مجموعہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے بلا شک و شبہ "ما قتلوہ وما صلبوہ (ترجمہ۔ نہ تو انہوں نے انکو قتل کیا اور نہ انکو سولی چڑھایا۔) کہکر صداقت و اصلیت کو آشکارا فرما دیا +

خُطبات لندن مسلم نماز گاہ

نمبر ۳

عبادت

(از جناب مارمیڈیوک پکتھال)

(۱) اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوات والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ہ

ترجمہ۔ اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ (کارخانہ عالم کا) سنبھالنے والا نہ اسکو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اسکی جناب میں (کسی کی) سفارش کرے جو کچھ لوگوں کو پیش (آرہا) ہے (وہ) اور جو کچھ انکے بعد (ہونیوالا) ہے (وہ) اسکو (سب) معلوم ہے۔ اور لوگ اسکی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے۔ مگر جتنی وہ چاہے اسکی کرسی (سلطنت) آسمان و زمین (سب) پر حاوی ہے۔ اور آسمان و زمین کی حفاظت اس پر (مطلق) گراں نہیں۔ اور وہ (بڑا) عالیشان (اور) عظمت والا ہے +

(۲) لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و

یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم (ترجمہ) دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں۔ گمراہی کو ہدایت (الگ) ظاہر ہو چکی ہے۔ تو جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ (ہی) پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے۔ جو ٹوٹنے والی نہیں (اور اس کا بیڑا پار ہے) اور اللہ (سب کا) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے +

(۳) اللہ ولی الذین امنو یخرجھم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون ۰ (ترجمہ) اللہ ایمان والوں کا حامی (و مددگار) ہے۔ کہ انکو (کفر کی) تاریکیوں سے نکالکر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں۔ ان کے حمایتی شیطان ہیں۔ کہ ان کو (ایمان کی) روشنی سے نکالکر (کفر کی) تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں۔ اور وہ ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ ہی میں رہینگے +

مندرجہ بالا تین آیات میں اللہ تعالیٰ کا مومن کے ساتھ تعلق اور مومن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی آیت آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ یہانتک کہ غیر مسلم بھی اسے دنیا کے تمام لٹریچر سے اعلیٰ اور پاکیزہ خیال کرتے ہیں جسمیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اور جاہ و جلال کا اظہار ہے آیۃ الکرسی کو تمام دنیا کے مسلمان خانگی اور عام عبادت میں پڑھنے کے لئے ازبر یاد کرتے ہیں۔ یہ کسی بھی رنگ میں دعا نہیں ہے۔ بلکہ حیرت و استعجاب کی ندا و پکار ہے۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ جبکہ میں نے چند نیک لوگوں کو لندن میں "صوفیانہ دعا" کے طور پر اپنے اجلاس میں ان سامعین کے سامنے جو کہ عربی سے قطعی ناآشنا تھے اور جو اسے دعا خیال کرتے تھے پڑھتے ہوئے سنا۔ یہ آیت الکرسی ہے۔ جو کہ قرآن کریم کی آیات میں سے نہایت ہی مشہور و معروف ہے۔ اور جسے مسلمان عادتاً اپنی عبادات میں دعا کی بجائے مذہبی خیالات کو ابھارنے اور تحریص دینے کے لئے پڑھتے ہیں۔ آیۃ الکرسی اللہ تعالےٰ کی حجبوت

طاقت۔ جاہ و جلال و حشم و ال میں ابھارتی ہے۔ اس سے انسان کو اپنی پوری پوری کمزوری عاجزی و بے بسی کا احساس ہوتا ہے کہ ضعیف البنیان انسان اتنی تک کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تفضل شامل حال نہ ہوں۔ اور اگر میں سے اپنے آپ کو فن کرنے کا کہوں تو بیجا نہ ہو گا +

دوسری آیت کریمہ میں بے رو داری کا فرض بیان کیا گیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (ترجمہ) دین میں زبردستی (کا) کچھ کام نہیں۔ کیونکہ ہدایت آشکارا ہو چکی ہے +

من رحیہ بالاحکم عیسوی تعلیم تو انہیں مذہب میں داخل ہونے کے لئے مجبور کرنے سے کسقدر مختلف ہے۔ اور سا تھ ہی اس مسئلہ پر نی نوعی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ایک مومن کو سنگ صداقت کے اوپر حاصل ہے۔ کہ آیت کریمہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا میں مضمر ہے +

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا جو تعلق مومن سے ہے اس کا بیان ہے اوران لوگوں کی مصائب و تکالیف کا بیان ہے جنہوں نے حق و صداقت سے روگردانی کی اور اپنے دقیانوسی جھوٹے اعتقادات کی پیروی کرتے ہے۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیٰھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون

(ترجمہ) اللہ ایمان والوں کا حامی (و مددگار) ہے۔ کہ انکو (کفر کی) تاریکیوں نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں۔ ان کے حامی شیطان ہیں۔ کہ ان کو (ایمان کی) روشنی سے نکال کر (کفر کی) تاریکیوں میں (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں۔ ان کے

. . . .

. . . .

اگر پہلی آیت کریمہ آیۃ الکرسی کو اکیلا لیا جائے۔ تو مسلمان بعض یورپین اہدینا

کی طرح خیال کرینگے۔ اس لامحدود ہستی کو جس نے ارض و سموات پیدا کئے انسانی خوشی و غم
سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کی ذات پاک اس سے بہت بالاتر ہے۔ اگرچہ قوم بحیثیت مجموعی
اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اور اسکی حکمت میں اس کے لئے شاندار مستقبل محفوظ ہے
لیکن اس ذات باری کو انسانوں کے ساتھ سوا ان قوانین قدرت کے جو کہ اس نے اپنی
مخلوق کے ذمہ ڈالے ہیں۔ کوئی واسطہ اور تعلق نہیں لیکن ساتھ ہی دوسری آیت
فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام
لہا (ترجمہ) تو جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ (ہی) پر ایمان لائے تو اس نے
مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں) اسکو واضح کر دیتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت صریحاً
انسان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اسی طرح مندرجہ ذیل آیت جسمیں کہ اللہ تعالے کو مومنین
کا دوست و مددگار بتلایا گیا ہے۔ اور وہ ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی)
روشنی میں لاتا ہے +

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمت الی النور۔ اللہ تعالے کا انسانوں کے
ساتھ واسطہ ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسکا بین و شاندار ثبوت ہے
اور قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جو یہ امر بالکل ناممکن ٹھیراتا ہے کہ ایک
شخص مسلم ہوتے ہوئے کچھ بھی اس امر میں شک کرے۔ کہ اللہ تعالے اور اس کے پرستار کا آپس میں
کوئی تعلق نہیں۔ اس زمرہ میں مجھے قرآن کریم کے اقسام کی دو سورتیں ملی ہیں۔ ان میں
بلا واسطہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا تذکرہ مذکور ہے۔ اور یہ دونوں ایسے وقت میں نازل
ہوئی ہیں۔ جبکہ آپ بہت ہی تکلیف میں تھے +

پہلی سورۃ / والضحیٰ ۵ واللیل اذا سجی ۵ ما ودعک ربک وما قلی ۵
وللاخرۃ خیر لک من الاولی ۵ ولسوف یعطیک ربک فترضی ۵ الم
یجدک یتیما فاوی ۵ ووجدک ضالا فہدی ۵ ووجدک عائلا فاغنی ۵
فاما الیتیم فلا تقہر ۵ واما السائل فلا تنہر ۵ واما بنعمۃ ربک فحدث
(سورۃ الضحیٰ پارہ ۳۰) (ترجمہ) اے پیغمبر ہمکو [illegible] چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم)

جب (سب چیزوں کو) ڈھانک لے۔ کہ تمہارا پروردگار نہ تو تم سے دست بردار ہوا۔ اور نہ کسی طرح ناخوش ہوا۔ اور البتہ آخرت تمہارے لئے (اس) دُنیا سے کہیں بہتر ہے۔ اور تمہارا پروردگار آگے چلکر تم کو اتنا کچھ دیگا۔ کہ تم (بھی) خوش ہو جاؤ گے۔ کیا تم کو اُس نے یتیم نہیں پایا (یعنی پایا) پھر جگہ دی۔ اور تم کو دیکھا کہ (راہ حق کی تلاش میں بھٹکے) بھٹکے (پھر رہے ہو۔ تو (تم کو دین اسلام کا) سیدھا رستہ دکھا دیا۔ اور تم کو مفلس پایا تو اس نے غنی کر دیا۔ تو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر (کسی طرح کا) ظلم نہ کرنا اور نہ سائل کو جھڑکنا (اور لوگوں سے) اپنے پروردگار کے احسانات کا تذکرہ کرتے رہنا (کہ یہ شکر گذاری کا ایک طریقہ ہے)

(دوسری سورۃ) الم نشرح لك صدرك ۝ ووضعنا عنك وزرك ۝ الذی انقض ظهرك ۝ ورفعنا لك ذكرك ۝ فان مع العسر يسرا ۝ ان مع العسر يسرا ۝ فاذا فرغت فانصب ۝ والى ربك فارغب (سورۃ الم نشرح پارہ ۳۰) ترجمہ (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہارا حوصلہ فراخ نہیں کیا (یعنی کیا) اور (اس کے علاوہ) بوجھ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی تم پر سے اُتار دیا۔ اور تمہارے ذکر (خیر) کا آواز بلند کیا۔ سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے تو اب کہ تم (ان تردوات سے کسی قدر) فارغ ہوئے۔ تو (عبادت کی) ریاضت کرو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف (پورے پورے) متوجہ ہو جاؤ۔

آیا آپ سے ممکن خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان قرآن کریم کو ربانی کلام تسلیم کر کے پھر بھی اللہ تعالیٰ کا انسانی کے ساتھ فوقی تعلق پر ایمان لانے سے انکار کر سکتے ہیں۔ میں فقط اس مسئلہ پر روشنی ڈالونگا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ کچھ متشککین اور آزاد خیالات کے لوگ ایک جھوٹے خیال و اثر کے ماتحت مذہب اسلام کی طرف مائل ہیں۔ اور اس معاملہ میں اسلام اور عیسائیت میں کوئی تفاوت نہیں۔ فرق صرف اسقدر ہے۔ کہ عیسائیت نے خدا اور انسان کے درمیان وسائط و سفارشی تراش رکھے ہیں جس سے مذہب اسلام مستغنی ہے ✤

اب میں دوست مہربان تین آیات کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ان آیات میں ان الذین امنوا سے قرآن کریم میں ہمیشہ وہ شخص مراد ہیں۔ کہ اسلام پر عملی طور پر کاربند ہیں۔ اور

[illegible]

اسلامی شعار و فرائض کو کما حقہٗ ادا کرتے ہیں بعض احباب نماز باجماعت قومی انتفاع اور غربا کی امداد کی اہمیت پر شک کرینگے۔ اور ساتھ ہی اسلام سے بہرا آجکل اور بہت سے لوگ خانہ کعبہ کے حج اور ماہ رمضان کے روزوں پر معترض ہونگے لیکن حقیقت میں یہ ایسے شعار اسلام ہیں جن سے کہ مسلم دنیا کا شیرازہ قائم ہے۔ اور آپس کے اتحاد و اتفاق کا موجب ہیں۔ یہ امورات گو ظاہرداری کا رنگ رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں ایمان کی کلید ہیں۔ اور مذہبی نقطۂ خیال سے ان شعار کی عدیم النظیر قدر و قیمت اور انکی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی ذات لغیر نہیج۔ بے سُود و لایعنی ہے۔

وہ لوگ جو فقط ظاہرداری کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک نیک مسلمان ہونا آسان امر ہے اور ایسا ایسا کرنے اور ایسی ایسی باتوں کے پرہیز کرنے سے ایک شخص مسلمان ہو سکتا ہے لیکن اس مخفی راستہ کے متعلق کیا کیا جاویگا۔ جسے ہر ایک مسلم و مسلمہ نے عبور کرنا ہے۔ اور جو کہ اللہ تعالےٰ کے نُور کی طرف رہبری کرتا۔ اور حیات جاودانی بخشتا ہے۔ آہ وہ راستہ کٹھن و دشوار ہے۔ کوئی آسان راستہ نہیں۔

حضرت محمد صلعم ہم سے پیشتر اس مبارک راستہ پر گامزن ہوئے۔ اور ایسے ہی جناب مسیح نے بھی وہی راستہ طے کیا۔ اور اسی طرح ہر ایک شخص جو ربانی نور سے متمتع ہوا۔ اس نے اس مُبارک راستہ پر قدم مارا۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

ترجمہ۔ اللہ (ہی کے نور سے) آسمان کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے (اور) قندیل (اسقدر شفاف ہے کہ) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رُخ واقع ہے

اور نہ پچھم کے رخ اس کا تیل (اس قدر صاف ہے کہ) اگر اسکو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ جل اٹھیگا۔ غرض کہ ایک نور نہیں بلکہ) نور علے نور (یعنے نور پر نور) اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے (سمجھنے کے) لیئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے

مندرجہ بالا آیات بلا شبہ ناقابل تشریح ہیں۔ لیکن جس شخص نے کہ خلوت و علیحدگی و فکر میں سماوی نور کی تلاش کی ہے۔ اسکی صداقت کو محسوس کریگا۔ یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور +

(ترجمہ) (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے۔ اور نہ پچھم کے رخ اس کا تیل (اس قدر صاف ہے کہ) اگر اسکو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اٹھیگا (غرض کہ ایک نور نہیں بلکہ) نور علے نور (یعنی نور پر نور) +

یہی وہ چراغ ہے جو مخفی رستہ کو منور کرتا ہے۔ آنحضرت کا ایسا ہی [illegible] محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ تمام تاریکی اور [illegible] ظہور وابستہ ہوتے ہیں جو کہ تشریع میں بہت ہی نمایاں اور دلفریب [illegible] نامرئی کام کرتے ہیں۔ ربانی نور اس دنیا میں [illegible] تعالی [illegible] کبھی نہیں [illegible] اسکی درخشانی و چمک [illegible] ہے۔ [illegible] اللہ نور طاق سے نکلتا ہے۔ طاق کا ذکر کیسی حیرت کے ساتھ ہوا [illegible] کی طرف توجہ کو [illegible] کرتا ہے۔ پھر یہ طاق یا محراب اندر ہی منور [illegible] وہ نور دکھائی نہیں دیتا۔ اور پھر وہ چراغ کہ جس کا تیل ایک شجر مبارک سے ہے۔ اور وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے۔ اور قندیل [illegible] گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے جس کا نور [illegible] نور ہے۔ پھر چراغ۔ طاق اور قرب وجوار کا سایہ کافور ہو جاتا ہے۔ وہ پرستش [illegible] اپنے آپ کو اللہ [illegible] گمشدہ [illegible] میں گھرا پاتا ہے

جہانتک کبھی بھی رنج غم واندوہ یا خوف وحزن اس کے پاس تک نہیں پھٹک سکتے +

یھدی اللہ النور من یشا (ترجمہ) اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے +

یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اسلام کا خلاصہ صلوٰۃ وغور وفکر ہی ہے۔ اور اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت کر دینا ہے۔ جس کو ہر ذکر وانث انفرادی طور پر کر سکتے ہیں +

موتوا قبل انت موتو (ترجمہ) مرنے سے پہلے مرجاؤ + یہ حکم ہمارے سردار عالم سرور کائنات حضرت محمد صلعم کا ہی جس اعلیٰ وجلیل القدر شخصیت کی خود احدیت آپ نے سماوی نور کے مرکز ومنبع کی طرف رہبری کی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جب تک عملی رنگ نہ دیا جاوے۔ انکی کوئی بھی روحانی قدر وقیمت نہیں۔ ایثار اور قربانی کے چھوٹے چھوٹے افعال اور بعض اشیاء سے پرہیز کرنا جس کو اسلامی شریعت نے ہمارے ذمہ ڈالا ہے محض اسلئے ہیں کہ ان سے ہمارے ضمیر کی حفاظت ہو۔ اور ہمارا دماغ صاف وروشن ہو۔ اور روح کو اس اصلی حالت میں لائیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل ہو۔ قابل افسوس امر ہے کہ لوگ ربانی نور کی غیر متوقع دل ومدہوش دماغ کے ساتھ جستجو کرتے ہیں۔ لوگوں کی خدمت میں اسکی متقاضی ہیں۔ کہ تمام اقوام والسنہ کے مومنین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم ہو۔ اور مذہب کے رو سے یہی ایک ایسا رشتہ ہے۔ جسمیں کسی پروہتی اور بپتسمہ کی ضرورت نہیں لیکن جبکہ رضا بقضا کا فعل تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اس حالت میں عوام کی خدمت بجائے فرض کے انبساط وسرور پہنچاتی ہے ہمسایہ کی درماندگی وپشیمانی میں امداد کرنا ایک فرض ہی۔ انسانوں کو اسکی ضرورت ہے۔ کہ ہر روز ان کو اس فرض کی یاددہانی کرائی جائے لیکن اسی صورت میں یاددہانی کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ جبکہ وہی غریب ونادار ہمسایہ انکا اپنا ہی محبت وعزیز بھائی ہو۔ اور اسکی امداد کرنے سے ان کو سرور ومسرت ہوتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر وہ کچھ نہیں کرسکتے

اور یہی وہ انقلاب ہے جو اللہ تعالےٰ تمام صادق مسلمین کے قلوب میں پیدا کرتا ہے +

اس انقلاب سے یہ مراد ہے کہ نفس انسان میں کوئی خیر و خوبی نہیں ۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء (ترجمہ) لیکن اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے ۔ اور یہی انقلاب بقول نصاریٰ کسی شخص کے منجی ہونے کا وثوق دلاتا ہے ۔ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت کر دینا ہی تمام انسانی تکبر و غرور کو فنا کر دینا ہے جو کہ روحانی تکبر و نخوت پیدا کرنے سے بہت دور ہے ۔ اس کا مقابلہ اس قومی شناور کی اس راحت و آرام سے کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ دریا کی موج مخالف سے سعی و مقابلہ کر کے اپنے رخ کو تبدیل کر لیتا ہے ۔ اور پھر اسے اسی جگہ راحت میسر آتی ہے جہاں سابقہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہ انقلاب انسان کو ان سزاؤں اور انعامات سے بے پرواہ کر دیتا ہے ۔ جسے کہ کفار حقیر سمجھتے ہیں ۔ ان کے نزدیک سزائیں و انعام ہی مذہب کی غرض و غایت ہے ۔ انکے نزدیک مسلمان اللہ کی عبادت بہشت کی امید یا جہنم کے خوف سے کرتے ہیں ۔ اور ہر ایک شخص جس نے اللہ تعالےٰ کے نور کو اس دنیا میں خواہ دھندلا ہی دیکھا ہو بہشت کے نعما کے لئے سعی کرتا اور عذاب جہنم کے خیال سے ہراساں ہوتا ہے تو یہ بالکل علے لغو ہے ۔ اللہ تعالےٰ ہمیں عزت بخشے یا ذلیل فرمائے ۔ وہ ہمیں نیست و نابود کر دے یا قائم و دائم کر لے ہم تمام اچھی طرح مطمئن ہیں ۔ جو کچھ بھی وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے وہ ہماری ہی فلاح و بہبودی کے لئے ہے ۔ اس کے ارادے ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہیں اس کے مقابل ہم ذرہ بیمقدار ہیں ۔ یہ اسکی مرضی ہے کہ ہمیں قبول فرمائے یا راند دے ۔ جو کچھ بھی اس نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے ہمیں رضا و رغبت اسے قبول کرنا چاہئے ۔ اور یہی رضا بالقضا ہی ہمیں تمام خوف و حزن سے مخلصی دلاتی ہے لیکن کیا ہم جیسا کہ بعض نصاریٰ کا بیان ہے منجی ہو گئے نہیں بلکہ اب اس باخبر و باہوش زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس سے ہمیں نجات مل سکتی ہے +

اس دن ایک رتی بھر بھی کسی جان یا نفس کے ساتھ برائی نہ کیجاویگی ۔ اور تم کو سوائے اسکے جو تم نے یا تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے یا کیا ہے اسکا اجر یا سزا یقینی امر ملیگی +

یہ یقینی امر ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ رائیگان صرف کیا ۔ اور کوئی بھی نیکی

نہیں کی ہے جس کو کہ میں احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر سکوں لیکن پھر بھی اس ذات باری کے حضور حاضر ہونے سے مجھے کوئی بھی خوف و حزن نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنی مرضی کو اسکی مرضی کے ماتحت کر دیا ہوا ہے۔ اور اپنی تدبیر و ارادہ و ادراک کو اس کے ماتحت کیا ہوا ہے۔ مجھے احکم الحاکمین کے فیصلہ کا منتظر رہنا چاہئے۔ اور اسی کے فضل و کرم سے ہی میں بہشت میں داخل ہو سکتا ہوں۔ جس سے کہ میں زندگی بعد الموت میں پارسا ہونے کی حالت کو سمجھ سکوں۔ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ و لا نوم لہ ما فی السموات و ما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم و لا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السموات و الارض و لا یودہ حفظھما وھو العلی العظیم +

"اللہ" اور یہی "اللہ" جس کا ذکر مندرجہ بالا آیات کریمہ آیۃ الکرسی میں ہے مومنین کا حامی و مددگار ہے +

اعتقاد، مذہب، تعلیم اور رواج کا اثر روح کے فعل پر

از قلم جناب سید اقبال علی شاہ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

روح پر جسم کا اثر مستقل نہیں ہوتا بلکہ وہ تغیر پذیر ہے۔ اثرات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک غیر معمولی اور دوسری معمولی کاموں کے +

غیر معمولی امور میں روح کے تمام نیک اور مذہبی تعلقات شامل ہیں جیسا کہ اعتقاد دعا اور بہت سے ایسے ہی کام۔ یہ امور ایسے نہیں جو روز مرہ ظہور میں آئیں۔ کیونکہ جب روح پر ان کا اثر ہوتا ہے۔ تو وہ جسمانی حواس کے دائرہ سے باہر قدم دھرتا ہے۔ اور ایسے مقام تک پہنچتا ہے جہاں زمینی چیزیں نہیں پہنچ سکتیں جس بات پر ایمان کہنا بلکہ محسوس کرنا کہ نیک اور پارسایانہ کوششوں سے وہ موعود مقام و درجہ ملتا ہے جس کی خوشی و آرام

سے انسان واقف نہیں۔ یہ بات کا مترادف ہے کہ ہم اپنے ظاہری حواس اور جسم سے نکلیں۔
ہم جانتے ہیں کہ تمام بڑے بڑے مذاہب کبھی اپنے رُوحانی تجلی کی تشریح دنیاوی علم
کے بحث ومباحثہ کے ذریعہ نہیں کرتے۔ بلکہ انکا اثر پاک طور پر دل پر ڈالتے ہیں
اور وہ لوگونکو اپنی طرف کسی دنیاوی تحریص وترغیب سے نہیں کھینچتے بلکہ روحانی اور
آسمانی ندا سے۔ یہ ایک صداقت ہے جو خداداد عقل سے ایسی ہی بالاتر ہے۔ جیسے کہ
رُوحانی خوبی انسانی مرضی سے +

اس دنیا میں انسان کو عجیب طرز پر دو چیزوں کے درمیان رکھا گیا ہے ایک
طرف تو اسکی طبعی خواہشات۔ اور دوسری طرف رُوحانی تجلی۔ اور دونوں کا اثر
اُس پر مختلف ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اوّل الذکر کی ضروریات تو انسان کے اندر موجود ہیں! اور
رُوح ان سے مانوس ہے۔ لیکن غیر معمولی (رُوحانی) باتوں کی حالت دگرگوں ہے۔ ان کا
الحاق دل پر ہوتا ہے۔ جس کے بغیر دانا سے دانا آدمی پر بھی یہ کھُل نہیں سکتیں۔ اور
کسی قسم کا مناظرہ یا تحقیق انہیں دریافت نہیں کر سکتی۔ تمام مذاہب کبیرہ اپنے
اصلی معنوں میں فوق العادت ہیں۔ اور یہی مکمل سائنس ہیں۔ انکے اصول تمام دنیاوی
عقل و استدلال کی پہنچ سے ضرور باہر ہونے چاہئیں۔ جب تک کہ خدا کی عنایت و مہربانی
سے عقل انسانی کو عروج نہ ملے۔ اسلئے عقل ہمیں بطور ایک آلہ کے دیگئی ہے تاکہ ہم فن
کے ان اصولوں سے ہم فائدہ اُٹھائیں۔ اور اس پوشیدہ علم میں ہم کمال حاصل کریں۔
غرضکہ جسمانی بندشوں سے رُوح کی آزادی اسکے لئے اس قسم کے انبساط اور راحت کا
موجب ہوتی ہے۔ کہ وہ رُوحانی پروں کے ساتھ اُڑتی ہے اور اس امر کا ادراک عالم توجہ ہی نہیں
ہو سکتا ہے۔ تعلیم۔ رسم اور موقعہ یہ سب طبعی اسباب ہیں جن کا اثر رُوح پر ہوتا ہے۔ بعض
کہتے ہیں کہ طبعی میلان رسم ورواج کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ مسئلہ گو ایک خیال سے درست
ہے لیکن عوام الناس کی غلطی کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے بعض کو یہ مغالطہ لگتا ہے
کہ ظاہراً بدطینت لوگ نیک مشورہ حاصل کرنے کے قابل ہی نہیں۔ اور نہ وہ اپنے ضمیر
یا وجدان کی آواز کبھی سُن سکتے ہیں۔ اور یہی دو مفید باتیں ہیں جیسے تعلیم اور مہذب سوسائٹی

بتلا سکتی ہیں۔ باوجود موجودہ سائنس کے اصولوں کے انسان کہہ سکتا ہے کہ رُوحانی علوم اور خدا کے ساتھ رُوحانی تعلقات کے متعلق تمام تشریحات صحیح ہیں جس طرح ایک بنجر زمین ہل جوتنے سے پیداوار دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی تعلیم اور نیک مجلس سے پاکیزگی کے ساتھ چمک سکتا ہے +

مجالس بھی دو قسم کی ہوتی ہیں نیک اور بد۔ اور انہیں سے نکوکار اور بدکار میں فرق ہو جاتا ہے یہ مقولہ کہ سچ ہمیشہ غالب آتا ہے۔ نہایت مناسب و درست ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان آخرکار نیکی کے سامنے مغلوب ہو جاتا ہے انسان کو ناز مانی کے گڑھے سے نکالنے کے لئے کیسے مفید واسطہ کی ضرورت ہے۔ اس طرح خواہ کیسا ہی گمراہ انسان ہو وہ اس قسم کے رُوحانی مدارج حاصل کر سکتا جو اُسے ممتیز کر دیں۔ یہ درست ہے کہ طبعاً پارسا لوگ بھی اگر اتفاق سے کسی ناموزوں مجلس میں ہیں تو ان کے دل پر بھی دوسرے اشخاص کی طرح زنگ آجاتا ہے لیکن اس کا اثر فوراً حالت کے تغیر ہونے سے دور ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی روش کو خود بُرا محسوس کر کے چھوڑ دیگا +

اتفاقات بھی انسان کے میلان طبع میں تغیر پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمنے اکثر ایسے واقعات دیکھے ہیں جن کے اچانک ظہور میں آنے سے صورت حالات بدل گئی ہے مثلاً سب جانتے ہیں کہ ایک دستہ فوج نے جبکہ اس کے لئے کوئی راہ فرار نہ تھی۔ اور کسی قسم کی کمک بھی اس تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ نہایت بیباکی اور دلیری سے حملہ کیا۔ اور اپنے سے چارگنا زیادہ فوج پر فتح حاصل کی! اور یہ بھی اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دھمکی اور اٹل خطرہ نے انسانوں کی حالت کو بدل دیا ہے۔ اور اسکی اپنی خواہشات کے خلاف ان میں صاف اور دیانتدارانہ روش پیدا ہو گئی ہے۔ یہ آخر الذکر امر عادات کے اثر کے ماتحت آتا ہے لیکن تاہم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رُوح پر اسکی قدرت اور طاقت ہے +

رواداری

از قلم جناب ایم۔ ڈبلیو پکتھال صاحب ؎

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا مذہب کچھ نہیں۔ حالانکہ وہ (دونوں فریق) کتاب (الٰہی) کے پڑھنے والے ہیں۔ اسی طرح اُنہیں کی سی باتیں وہ (مشرکین عرب) بھی کیا کرتے ہیں۔ جو (خدا کے حکم احکام کچھ بھی) نہیں جانتے تو جس بات میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں قیامت کے دن اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دیگا۔

میں ایسے مضمون پر بحث کرنے لگا ہوں جو میرے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ یعنے مذہبی رواداری کبھی وہ وقت تھا کہ رواداری پر تقریر کرنے والے کو یا تو دار پر کھینچا جاتا یا اُسے زندہ جلایا جاتا اور یا اُسے سنگسار کیا جاتا تھا (اور یا کم از کم حضرت محمد صلعم کی طرح اُسے اپنی جان بچانے کے لئے سخت کوشش کرنی پڑتی تھی لیکن اب ہر ایک شخص علانیہ کہہ سکتا ہے کہ اسکی ضرورت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں کسقدر ترقی ہوئی ہے خواہ گذشتہ واقعات سے کیا ہی نتیجہ نکالیں۔ اس سے ہم اہل اسلام کو جو کتاب پاک اور پیغمبر کی تعلیم کا مطالعہ کرتے ہیں ایک موقعہ ملتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اور اس تعلیم میں بشارت ہے۔ اور مذہبی رواداری کا اصول ہے عیسائیوں کے نزدیک یہ ایک دنیاوی امر ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مذہب کا ایک جزو ہے۔ اور خدائی قانون کا حصہ ہے جو قرآن کے ذریعہ ہم پر ظاہر کیا گیا ہے۔ اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہمیں روئے زمین پر کوئی اس قسم کا اصول نظر نہ آئیگا۔ اور نہ اُن لوگوں میں جو مذہبی جوش اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس قسم کا خیال ہی موجود ہے ہر ایک مذہب کا

پَیرو دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بشرطِ موقع غلام بنانے یا نیست و نابود کرنے کو اپنا حق خیال کرتا ہے۔ لوگوں نے ان اشخاص کو جو انکے ہم اعتقاد نہ تھے نہایت بیدردی اور بیرحمی سے قتل کیا ہے بدیں خیال کہ وہ اس طرح اپنے دیوتاؤں کو خوش کرلیں گے۔ اور دُنیا کو شریروں کی ہستی سے جو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے ۔۔ پاک کردیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نسبت انہیں صحیح علم اور خیال نہیں۔ خدا کی وحدانیت کا مسئلہ جو عبرانی زبان میں محفوظ تھا اب ایسے قومی دیوتا کی شکل میں تنزل کرگیا ہے۔ جو متلون مزاج منتقم اور پارٹی باز ہے۔ اور جس کا علم حاصل ہونے سے دیگر تمام قوموں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے*

میرے خیال میں مذہبی جوش و تعصب ایک بہت بڑی بری و شرارت ہے جو کسی انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی کی بدولت یقیناً نہایت ہی بیرحمانہ جرائم سرزد ہوئے ہیں۔ خدا نے بڑے بڑے بزرگ انبیاء وقتاً فوقتاً اس غرض کے لئے بھیجے ہیں۔ کہ لوگ اس صداقت کو نہ بھول جائیں۔ کہ خدا ایک ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ اور یکساں سب کا پرورش کنندہ ہے۔ اور جو اتنا اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کا خیال و کام انسانوں کے خیال و کام کی طرح نہیں۔ تمام انبیاء نے اس صداقت کا اعلان خدا کی طرف سے کیا۔ لیکن اناجیل میں جو وہ اپنے بعد چھوڑ گئے مذہبی رواداری کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں۔ البتہ اس قسم کا حکم قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مذہبی رواداری اسلام کی روح ہے۔ قرآن اس کا حکم دیتا ہے۔ اور حضرت محمدؐ نے بحیثیت رسول اور حاکم کے دکھلا دیا کہ کس طرح جنگ اور امن کی حالت میں اُسے عمل میں لانا چاہئے۔ آپ نے ہی صریح اور صاف الفاظ میں بتلایا کہ خدا ہر ایک ملت اور قوم کی نیکی کا معاوضہ دیتا ہے۔ اور یہ معاوضہ جیسا کہ عیسائی اور یہودیوں کا خیال ہے صرف اعتقاد کے مطابق نہیں ملتا بلکہ ان کے اعمال اور انکی کوششوں کے مطابق جو وہ خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں نے ہی (خدا ہماری خطا معاف کرے) تاریخی دنیا میں اکثر رواداری کے اصول سے انحراف کیا ہے باوجودیکہ رحم اور رواداری کے متبرک احکام ہر وقت ہمارے سامنے تھے لیکن کسی شخص کا حق نہیں کہ وہ اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ اس معاملہ میں ہم حضرت محمد صلعم کے قدم بقدم چلتے ہیں یا اپنے اعتقادات کے مطابق کرتے ہیں۔ یہ ہرگز

ہرگز نہیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم اپنے آقا صلعم کے نمونہ کو رد کرتے ہیں۔ اور اپنے اعتقادات کے بالکل عکس چلتے ہیں +

اسمیں کوئی کلام نہیں کہ رسُول کریم صلعم نے لڑائیں کیں اور بزور شمشیر اپنے دشمنوں پر غالب آئے انسانی تاریخ میں یہ ایک عجیب بات نظر آتی ہے کہ مخلوق پر سب سے زیادہ عنایات کرنیوالوں کے اپنے عقائد کیلئے یا تو جنگ کی اور یا جان دیدی۔ کیونکہ کثیر التعداد لوگوں نے اس نعمت کو جو بڑے غصہ سے رد کر دیا۔ جو نیک لوگ اس کے لئے لائے۔ تاریخ میں یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ کہ مذہبی رواداری سکھلانے والے انبیا اور انکے پیروؤں کو اکثر اپنے بچاؤ کے لئے مجبور کرنا پڑا +

قرآن کریم کا اسبارے میں حسب ذیل حکم ہے :۔

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورہ بقرہ رکوع ۸) ترجمہ۔ بیشک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابی ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور اچھے کام کرتے رہے تو ان کو ان کے لئے اجر ان کے پروردگار کے ہاں ملیگا۔ اور ان پر نہ (کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح) آزردہ خاطر ہونگے +

وللہ المشرق والمغرب۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم۔ ترجمہ۔ اور اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم تو جہاں کہیں (فیصلے کی طرف) منہ کرلو اُدھر ہی اللہ کا سامنا ہے۔ بیشک اللہ (بڑی) گنجائش والا (اور سب کچھ) جانتا ہے +

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین ج واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب ج واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ ج والموفون بعھدھم اذا عاھدوا

والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون **ترجمہ** (مسلمانو) نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور مال (عزیز) اللہ کی محبت پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا۔ اور (غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی) گردنوں کے چھڑانے میں دیا۔ اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ اور جب (کسی بات کا) اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے اور تنگی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت میں ثابت قدم رہے یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام میں) سچے نکلے اور یہی ہیں (جن کو) پرہیزگار (کہنا چاہئے)۔

وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان ھودا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون **ترجمہ**۔ اور (یہود) کہتے ہیں کہ یہود (کے سوا) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جانے پائیگا۔ یہ ان کے اپنے خیالی پلاؤ ہیں۔ اے پیغمبر (ان لوگوں سے) کہو اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے پروردگار کے ہاں (موجود) ہے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں پر نہ کسی **قسم** کا خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح) آزردہ خاطر ہونگے۔

اس قسم کے اچھے پیغام جو تاریخ کا نہایت پیارے رسول صلعم کے نزدیک اعلیٰ درجے کا تھا بھی ایک بیہودہ امر تھا۔ آپ نے اپنے سفیر روئے زمین کے تمام بادشاہوں کی طرف بھیجے۔ اور انکی توجہ ایک ایسے اعتقاد کی طرف مبذول فرمائی جس پر تمام دانا متفق و متحد ہیں۔ آپ کے بعض سفیر تو مار ڈالے گئے بعض کو بے عزت کیا گیا اور بعض کی بات نہایت لاپروائی سے سنی گئی انہیں سفیروں میں سے ایک کو جب اپنی ملکہ کا قتل نہایت ناراضی اور بیرحمی سے قتل کیا تو مسلمانوں کو سلطنت

بیزنطین کے ساتھ عرصۂ دراز تک لڑنا پڑا۔ جس کی وجہ سے عیسائی ممالک میں انکے نام ہی سے خطرہ پیدا ہوتا اور انہیں مذہبی مجنون کرکے پکارا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہبی جنون ان میں نہ تھا کیا اس سے زیادہ بے رحمی اور سختی کبھی کسی نے کی ہوگی جو ابتدائے اسلام میں ان مسلمانوں پر ہوئی جو چاہتے تھے کہ تمام لوگ امن و آشتی سے رہیں لیکن انہیں ایک انبوہ کثیر کے ساتھ لڑنا پڑا جس نے بڑی سختی اور [illegible] ان کا مقابلہ کیا۔ یہ سب باتیں اس وقت تھیں جب کہ رسول کریم صلعم نے اپنے گھر کے دشمنوں پر غلبہ پا لیا تھا۔ اور وہ بت پرست قریش اور اس کے ساتھی بھی مغلوب ہو چکے تھے۔ جن کی کوشش تھی کہ اس نئے مذہب کو نیست و نابود کر دیا جائے کیونکہ وہ ان کے نزدیک ان کے قدیمی روایات اور قدیم تعصبات کے خلاف ہونے کی وجہ سے بہت ناپاک تھا۔ پس اگر آپ میں سے کسی کے دل میں اس مضمون کے متعلق کسی اور جگہ پڑھ کر یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ حضرت محمد صلعم کو مذہبی جنون تھا یا آپ جنگ میں سختی کے ساتھ کام لیتے ہیں یا کبھی آپ نے اپنی زندگی میں [illegible] کیا ہو۔ تو اس ناپاک خیال کو دل سے نکال دینا چاہئے۔ آپ نے بڑی بردباری اور صبر سے بارہ سال تک ظلم اور تکالیف برداشت کیں۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو ہر وقت تیار رہتے کہ ایک جتھا اپنی حفاظت کے لئے تیار کر لیتے۔ آپ نے امن کی خاطر اپنے تابعین کو مکہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور آخر کار خود ایسی جگہ تشریف لے گئے جہاں کہ لوگ ان کے زیادہ طرفدار تھے لیکن جب آپ کے دشمن ایک بڑی جرار فوج لیکر آپ کو گوشہ تنہائی میں ڈھونڈھ نکالنے اور آپ کی جماعت کا خاتمہ کرنے کے لئے آئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو لڑائی کا حکم دیا۔ یہ بات کو تو ہر ایک صحیح دماغ والا جانتا ہے۔ کہ جس چیز کے لئے انسان کو زندہ رہنا چاہئے اس کیلئے بشرط ضرورت لڑنا بھی جائز ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز اس قابل نہیں جس کی حمایت کیجائے بمقابلہ انسانی ترقی کی اس امید کے جو حضرت محمد صلعم نے دلائی اور اس مذہب کے جسمیں اس قسم کی تعلیم ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا۔ اور جو دنیا کے لئے ایک نئی روشنی کا کام دیتی ہے ۔

موجودہ تہذیب جس قسم کی بردباری کا آجکل نمونہ پیش کرتی ہے اس کا سراغ براہ راست

کرسچن ریفارمیشن وغیرہ تک پہنچتا ہے۔ اور گبن صاحب نے ریفارمیشن (اصلاح) کا سُراغ بذریعہ پولوسی فرقہ کے اسلام تک چلایا ہے۔ قدیم زبانوں کا علم کبھی دوبارہ زندہ نہ ہوتا اگر اسلام عیسائیت پر بار دیگر زور نہ دیتا۔ اور قدیم علوم کی کتابیں بچا کر سے نہ رکھتا جنہیں عیسائیوں نے ناپاک سمجھ کر جلا دیا تھا۔ اگر رسول کریم اور ان کے ساتھی مار ڈالے جاتے۔ اور یہ ممکن بھی تھا۔ اگر وہ اپنے حسد آوروں کا مقابلہ نہ کرتے تو روئے زمین پر مذہبی آزادی اور دانست کا خیال تک موجود نہ ہوتا۔ اور نہ یہ خیال ہی پیدا ہوتا جو آجکل انسانی ترقی کا موجب ہے۔ کم از کم میرا یہی اعتقاد ہے +

قرآن شریف کی آیات ذیل کے بعد ہی جن کو میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یعنی لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ الخ ان آیات کے بعد ہے قانون اندفاع یا حفاظت خود اختیاری کا تذکرہ بے معنی نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حفاظت خود اختیاری ایک بُرا کام ہے تو انہیں ایسے زمانہ میں قانون کے بغیر قائم رہنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جیسے کہ حضرت محمد صلعم تھے یا جیسا کہ آجکل بعض ممالک میں بھی ہے۔ اور جسے کہ ایک وحشیانہ طاقت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کے روک تھام مشکل تھے۔ آجکل حفاظت خود اختیاری کے مخالف جو اس چیز کے لئے بھی فساد کرنا نہیں چاہتے تھے وہ غیر رکشت ہیں۔ ان حقوق پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں جو قدیم زمانہ کے لوگوں نے لڑ کر ان اشخاص سے حاصل کئے جنہوں نے حق کی حفاظت کرنا جائز سمجھا تھے کہ ان کا فعل تہذیب کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔ معاوضہ لینا ہماری ہستی کا ایک فطرتی قانون ہے۔ اور تمام فطرتی قانون۔ خدائی قانون ہیں یہ ہرگز خیال نہ کیا جائے کہ جب حضرت محمد صلعم نے اپنے پیروؤں کو قانون فطرت کے مطابق اپنی حفاظت ضعیفوں اور بچوں کے بچاؤ اور ظلم کے انسداد کے لئے لڑائی کا حکم دیا تو آپ جنگ کے وقت بیرحمی اور بے دردی سے کام لیتے تھے +

معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے یہ خیال جما لیا ہے کہ رسول اکرم نے تمام بت پرستوں کے خلاف بغیر کسی امتیاز کے جنگ شروع کر دی تھی۔ اور جہاں کہیں بھی کوئی بت پرست

[illegible] پر ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بات ہے۔ آپ تو کبھی کسی بُت پرست کو
[illegible] لیتے تھے جب تک کہ حق ان کے کان تک نہ پہنچ جائے۔ اور وہ اس سے انکار
نہ کرے۔ [illegible] وقت اس قسم کے انکار کے معنے اسلام پر حملہ کرنا اور اس کے خلاف
تلوار اٹھانا تھا۔ آپ نے کبھی کسی بُت پرست پر حملہ نہیں کیا جب تک کہ اس نے خود
[illegible] آپ [illegible] ہاتھ [illegible] کے ساتھ اتحاد پیدا
[illegible] آہستہ آہستہ مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ جن لوگوں کو
[illegible] قبول کر لیے
[illegible] مسلمانوں [illegible] میں نظر آتے تھے۔ اور جن کی
[illegible] پاکیزگی اور استقامت واضح تھی +

[illegible] بُت پرستوں [illegible] گیا ہے کیونکہ ٹیڑھی
راہ پر چلتے تھے [illegible] محروم [illegible] لیکن جب ان تک حق کی آواز
پہنچی اور انہوں نے اس کا [illegible] تلوار [illegible] مخصوصوں سے لیا تو انہیں قہر
[illegible] اللہ ولی المومنین
[illegible] کرتے تھے حضرت
ابراہیم کے والدین بُت پرست تھے۔ اور [illegible] حضرت علی حضرت
[illegible] ہزار مسلمانوں کے والدین بُت پرست تھے۔ تاہم ان کے لئے ایک سطح
[illegible] مسلمان [illegible] حساب کے دن
انہیں [illegible] بہت سی ایسی مثالیں بتا سکتا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے
[illegible] کبھی خدا کی رحمت سے محروم خیال نہیں کیا۔ البتہ جنہوں نے اسلام
[illegible] رسانی اور زور تلوار
[illegible] کی تو سختی کی۔ اور کسی قسم کی [illegible] نہ دکھلائی۔ ان کے ساتھ
[illegible] اور وہ اس سلوک کے مستحق تھے +

[illegible] انہیں کفار کو جنہوں نے اسلام کو ہر طریق سے مٹانے کی کوشش

کی تھی مسلمانوں نے مغلوب کیا پھر وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن تلوار کے زور سے نہیں
جیسا کہ بعض کہتے ہیں۔ جب ان کی طاقت مغلوب ہو گئی۔ اور اسلام نے غلبہ پالیا۔ تو وہ
اسلام لے آئے۔ اور وہ شادمان ہو کے داخل اسلام ہوئے ۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلعم نے عرب کے بت پرستوں کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہیں کی
کیونکہ فتح مکہ کے بعد آپ نے حکم دیا کہ فلاں تاریخ کے بعد کوئی بت پرست حج نہیں کر سکیگا
لیکن بت پرستوں نے باوجود بت پوجنے اور نہایت ذلیل ترین توہمات رکھنے کے بھی
صدیوں تک حج کیا۔ جب حضرت محمد صلعم اور آپ کے صحابیوں نے بت پرستوں سے کہا کہ آؤ ہم
تمہارے ساتھ مل کر کعبہ کے سامنے حج کریں تو انہوں نے بڑی گستاخی اور حقارت سے انکار
کر دیا۔ انہوں نے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں کہ مسلمان حج نہ کر سکیں لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اسقدر اقتدار حاصل کیا کہ یہی بات لوٹا دیا جا سکتا تھا تو آپ نے کفار کو ایک موقعہ پر
مجبور کر لیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ حج کے بارے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں۔ اور
انہیں پھر بڑی ذلت کے ساتھ ان حرم کے لئے مدت بعد جانا پڑا جب تک کہ مسلمان اپنے رسومات
حج کو پورا نہ کر لیں۔ تمام تاریخ دنیا میں ایسا عجیب اور موثر نظارہ نہیں آتا جو اس وقت
بت پرستوں نے پیش کیا۔ جب وہ دور کی پہاڑیوں پر سے بڑے تعجب اور حسد کے ساتھ
خدائے واحد کے پرستاروں کو بت خانہ میں وجد سے دیکھتے تھے۔ درحالیکہ وہ ان بتوں کی جو
کفار کے نزدیک اس قدر اعلیٰ تھے کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ تین برس کے بعد وہ سب کے سب
مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے جنگ کشت و خون، تلوار اور دغا بازی سے اسلام کو تباہ کرنیکی
کوشش کی تھی۔ مگر جب حضرت محمد صلعم نے مکہ فتح کیا۔ تو آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ دنیا
میں اس قسم کے رحم کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے تمام بتوں کو جن سے خانہ خدا پلید ہوا تھا توڑ دیا یہ
فرما کر کہ جاء الحق وزهق الباطل یعنے صداقت آگئی ہے اور جھوٹ بھاگ گیا ہے۔ اور
سب کے لئے معافی کا اعلان کر دیا۔ اور پھر فتح کی خوشی میں محتاجوں کو امداد دی اور گرفتار شدہ
غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اہل مکہ ایک ایک کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن بعض اسمیں شک
نہیں اپنی پہلی حالت کے اشتغال یعنے شراب خوری قمار بازی بدکاری اور ناجائز

مفاد کے دلدادہ ہے ۔

بُت پرستوں کو ہر سال گروہ در گروہ مکہ میں آنے کی اجازت دینا گویا بدی کی امداد کرنا اور ملک میں تاریکی کو دوبارہ پھیلانا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ترجمہ۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کو (کرسی حکومت پر سے) نہ ہٹاتا ہے۔ تو ملک کا انتظام درہم برہم ہو جائے ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگر حضرت محمد صلعم اپنی رواداری میں کمزوری ظاہر کرتے تو اس ملک میں جسے آپ نے بچالیا پھر خرابی پیدا ہو جاتی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت صدق دل سے کرنا بتوں کا علم رکھنے سے بہتر ہے۔ اور پاکیزگی بے لگام عیاشی سے اچھی ہے اور فرمایا کہ بدی نیکی کے مقابلہ پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اور جہاں کہیں برائی نظر آئے اسے بڑی سختی کے ساتھ دبا دینا چاہیئے۔ رسول کریم نے کبھی کسی شخص کو دکھ نہیں دیا بلکہ بحالت حکومت بھی کبھی بے انصافی کا سلوک کسی سے نہیں کیا۔ اور نہ ہی بردباری کا اصول باندھ دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ایک سال کے بعد کسی بُت پرست کو حدود مکہ کے اندر آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ چند ہی سال کے عرصہ میں تمام عرب بُت پرستوں سے خالی نظر آنے لگا یہ حالت تو اُن بُت پرستوں کی ہوئی جنہوں نے بڑے زور سے اسلام کا مقابلہ کیا۔ مگر یہودی عیسائی اور تمام دیگر ایسے اشخاص جو خدائے واحد کی عبادت کرتے اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس قسم کے مسلمان ہیں جو گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے کاہنوں اور راہبوں نے راستی کو اپنے بیہودہ خیالات سے دھندلا کر دیا ہے ان میں سے نیک کام کرنے والے اور دکھ نہ دینے والے مسلمانوں کی طرح خیال کئے جاتے ہیں۔ رسول کریم صلعم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ اعلےٰ درجہ کی بردباری سے سلوک کیا۔ اور اسلامی ممالک میں تو یہ مذاہب ہمیشہ رہے ہیں۔ جن یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ پر حملہ کیا یا آپ سے دھوکہ کیا اُن کا آپ نے مقابلہ کیا یا اُن کو حسب ضرورت سزا دی۔ لیکن اس سے ان مذاہب کے ساتھ بردباری سے سلوک کرنے میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوئی

اور جب عیسائی طاقتوں نے آپ کو دُنیا میں بُرائی و بدی کے خلاف جنگ کرنے میں امداد دینے سے اِنکار کر دیا تو بھی آپ نے اپنا طرزِ عمل نہ بدلا۔ آپ کو ان طاقتوں سے اُمید تھی کہ وہ تعصبات اور توہمات کے نیست و نابود کرنے میں مدد دیں گے۔ اور چاہتے تھے کہ ان سے باہمی سمجھوتا ہو جائے لیکن انہوں نے اِنکار کر دیا۔ انہوں نے آپ کو (نعوذ باللہ) کافر خیال کیا۔ اور آپ کے قاصد کو مار ڈالا اور آپ کو تباہ کر دینے کی دھمکی بھی دی۔ ان کے اِس قسم کے اِنکار سے اسلام اور عیسائیت کے درمیان ہمیشہ کی لڑائی اور باہمی عداوت آج تک قائم ہے لیکن حضرت محمد صلعم اور قرآن کے ماننے والے مسلمانوں نے باوجودیکہ ان پر ہر طرف سے حملے ہوئے اور انہیں تباہ کرنے کی دھمکی بھی دی گئی۔ مذہبی رواداری کو ہاتھ سے نہ دیا عیسائیت کے خلاف جنگوں میں انہوں نے گرجوں خانقاہوں اور مذہبی لوگوں کی ہمیشہ عزت کی۔ اور مفتوح قوم کو تبدیل مذہب کے لئے مجبور نہیں کیا اور صدیوں اسلام کا دستور العمل یہی رہا ہے۔ گو کبھی کبھی مسلمان اس پر کاربند نہیں رہے لیکن یہ انسانی فطرت ہے جبکہ پہلے پہل مسلمانوں پر حملے کئے۔ اور بعد میں مذہبی مجنونوں نے ان کو اپنے مذہب کی خاطر تنگ کیا۔ تو وہ بھی صدیوں کے بعد مذہبی مجنون بن گئے اور قرآن کی تعلیم کے خلاف دشمنوں کے مذہب پر حملہ شروع کر دیا۔ اور کبھی کبھی اپنے حملہ آوروں کی تقلید میں وحشیانہ حرکات بھی کر دیں۔ یہ گو ایک طبعی امر ہے لیکن غلطی سے مبرا نہیں +

قرآن کا حکم بدلا یا معاوضہ لینا ہے جہاں تک کہ انصاف جائز ہے لیکن کسی قسم کی زیادتی یا افراط جائز نہیں۔ بہت پرست عربوں نے حضرت محمد صلعم کا مقابلہ کرنے میں طرح طرح کی وحشیانہ حرکات کیں لیکن رسول اکرم نے کبھی انکی اس بارے میں تقلید نہیں فرمائی جن مسلمانوں نے وقتاً فوقتاً اس وقت تک اپنے مخالفوں کی بیرحمانہ کارروائیوں کی تقلید کی ہے انہوں نے اپنے مذہب کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کو ایسے مذہب کی تلاش ہے جس میں مذہبی رواداری اور خیالات کی آزادی ہو۔ یعنے ایسا مذہب ہو۔ جو آجکل کی روشنی سے جدید خیالات سے مطابق ہو۔ لیکن یہ لوگ اسلام سے

یہ سُن کر بھاگتے ہیں کہ مسلمان مذہبی جنون رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہی ایک مذہب ہے جو انہیں تسکین دے سکتا ہے افسوس ہے کہ انہیں علم نہیں کہ مسلمان مذہبی جنون کیوں بن گئے۔ یہ لوگ اس سوال کے دوسرے پہلو پر نظر نہیں ڈالتے۔ جاہل مسلمانوں نے اپنی مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کی وجہ سے کبھی کبھی مذہبی رواداری سے تجاوز کیا ہے۔ اور اگر ان کا امتحان اس معیار پر لیا جائے جس کے باعث رسول کریم اور دیگر بزرگان دین نے مسلمان بنائے تھے تو وہ ناکام دکھائی دینگے۔ اس قسم کے فعل سے وہ اپنے مخالفوں ہی کی طرح بُرے تھے +

کیا مسلمانوں کے لئے یہ بات قابل شرم نہیں اور خصوصاً ان کے لئے جن کو خدا نے صحت بخشی ہے کہ ان کے بھائی اپنے مذہب سے ناواقف ہیں۔ اور کیا انہیں ایسے بھی شرم نہیں آتی کہ وہ عیسائیوں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ مذہبی ملنہ خیال سے نہیں۔ اور یہ بھی ہو بھی نہیں سکتا۔ بلکہ تعلیم میں اور مذہبی رواداری میں بھی کیونکہ قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ تمام مذہب و ملت کے ساتھ یکساں انصاف کرتے رہو۔ [illegible] اسلامی لحاظ [illegible] بلحاظ اپنی طرز کے مسلمانوں کے عمل کے۔ یہ [illegible] بڑی بات ہے اسی میں اسلام کی فتح ہے۔ گو ہم آجکل کے مسلمان بعض [illegible] نہیں رکھتے [illegible] رسول اکرم صلعم کا پیغام ہی اس کی بنیاد ہے +

میری اس تحریر سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں [illegible] تمام مذاہب کو یکساں سمجھتا ہوں یا ان مذاہب میں [illegible] کو مجبور کیا جائے کہ مسلمان اپنے مذہبی فرائض [illegible] ترک کرے اور [illegible] کے ساتھ [illegible] جان لگائے [illegible] ہے۔ ہم اپنے مذہبی فرائض میں بہت سرگرم [illegible] اسلامی طریق پر آزادانہ ترقی کرنے کا ہمیں حق حاصل ہو [illegible] حقوق کی عزت کریں۔ تمام دیگر اشخاص کے ساتھ انصاف سے برتاؤ کریں [illegible] اگر ہم ترقی کریں اور دیگر برادران کو بھی اسلامی تعلیم کے مطابق [illegible] جہاں مذہبی رواداری پیدا ہو جائیگی حاصل کرلینگے وہ [illegible] بلکہ کسی ہم کی

کی فتوحات سے، بلکہ یہ کہ انسان اس سیدھی راہ کو جو ایک زمین و آسمان کا مالک ہے اور محمد صلعم اس کا رسول ہے قبول کرلے +

دُنیا کے مشہور شہداءِ ثلاثہ

تسلسل صفحہ ۲۴۰ جلد ۵ نمبر ۳

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔ جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ۔ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہیگا"۔

برخلاف اس کے حضرت مسیح کے مخالفوں کے بہت ذلیل خیال تھے۔ وے دنیا کی دولت اور حکومت کے خواہشمند تھے مگر حضرت مسیح انہیں سکھلاتے تھے۔ کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو اُسے بیچ کر غربا کو دیدو (متی باب ۱۹ آیت ۲۱) لیکن وے لوگ ریاکار تھے۔ ان کا زہد صرف دکھانے کے لئے تھا۔ انکی نظر موسوی قانون کے الفاظ پر تھی۔ انکی دینداری چند ایک رسومات تک ہی محدود تھی۔ وے حضرت مسیح کی اصولوں کی پاکیزگی کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ ان کا پہاڑی کا وعظ۔ ان کے نزدیک بے حقیقت تھا۔ اعلیٰ علم آلہیات کی کیفیت جو حضرت مسیح سکھاتے تھے ان لوگوں پر کچھ اثر نہ کرتی تھی۔ وہ اگر سرتا پا مادیات میں غرق تھے لیکن حضرت مسیح سراپا روحانیت تھے۔ ان لوگوں کا مسیح سے اتنا اختلاف تھا جیسا دن کا رات سے۔ انہوں نے دیدہ ودانستہ خدا کے بیٹے کے معنوں میں غلط فہمی پیدا کردی۔ انہوں نے حضرت مسیح پر الزام لگایا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا جسمانی بیٹا کہتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک کفر تھا۔

اگر حضرت مسیح واقعی وہی کہتے ہے۔ جو انکی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ تو البتہ فریسی ٹھیک راستی پر تھے۔ کیونکہ جو اللہ تعالےٰ کے اس عالیشان محل کو گرانے کا ارادہ رکھتا جو حضرت موسیٰ نے تیار کیا تھا۔ تو وہ ہر طرح لعنت کا مستحق ہے لیکن حضرت مسیح اپنے آپ کو خدا کا جسمانی بیٹا کہہ کر جیسا کہ ان کے زمانہ کے فریسیوں نے ان پر الزام لگایا۔ اور ان کے اپنے کے برائے نام پیروؤں نے ان کی طرف منسوب کیا۔ الوہیت کی بےعزتی و بےحرمتی نہیں کرسکتے تھے۔ حضرت مسیح نے خود فرمایا ہے۔ جو کوئی ابنِ آدم کے برخلاف کوئی بات کہیگا"۔۔۔

معاف کیجائیگی۔ مگر جو کوئی رُوح القدس کے برخلاف کوئی بات کہیگا وہ اسے معاف نہ کیجائیگی
نہ اس عالم میں نہ آنیوالے میں (متی باب ۱۲ آیت ۳۲)

جناب مسیح نے اِس بات کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ بیٹے کا لفظ سے مُراد وہ شخص ہے
جو خدا کا نہایت فرمانبردار اور مطیع ہے۔ انہوں نے نیچی طرح طور پر بتلا دیا کہ خدا سب کا باپ ہے
اور جو اس پر زیادہ فدا ہے وہ اس کا اچھا بچہ یا بیٹا ہے جن لوگوں نے حضرت مسیح کی طرف
کفر منسوب کیا ہے انہوں نے بالکل جھوٹ بکا ہے۔ انھوں نے اس قسم کا جھوٹ اسلئے
بولا تھا کہ حضرت مسیح بدنام ہو جائیں لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ جو
حضرت مسیح کو جانتے تھے اور جنہوں نے دیکھا تھا کہ وہ کسقدر منکسر المزاج تھے اور کس قدر
خدا کی محبت اور عزت ان کے دل میں تھی انہوں نے اس بات پر یقین نہ کیا کہ حضرت مسیح کبھی بھی اپنے قول و
فعل سے خدا کی عظمت و تقدس کو گرائیں گے۔ جب فریسیوں کو اسمیں ناکامیابی ہوئی۔ تو انہوں
نے حضرت مسیح کو کسی ملکی معاملات میں پھنسانا چاہا۔ انہوں نے ان پر یہ الزام لگایا کہ
وہ اپنے آپ کو یہودیوں کا بادشاہ کہتے ہیں لیکن یہودیوں کی اپنی سلطنت تو تھی نہیں وہ رومن
بادشاہ کے ماتحت تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ وہ سیاسی غدار ہے۔

اسمیں بھی فریسیوں نے دھوکا کھایا تھا۔ کیونکہ حضرت مسیح نے کبھی بھی زمینی بادشاہت
کا خیال تک نہ کیا تھا۔ ان کا تمام خیال آسمانی سلطنت کی طرف تھا۔ مین حضرت مسیح
کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے ان کا ذکر بعد میں کرونگا۔ مگر وہ غداری کا الزام لگا کر
ان کو مصلوب کرنے میں کامیاب ہوئے۔

متی نے جو حضرت مسیح کا شاگرد اور غالباً چشمدید گواہ ہے ان کی شہادت کا واقعہ یوں
لکھا ہے کہ حضرت مسیح کو ان منصوبوں کا جو ان کے دشمن ان کے برخلاف باندھ رہے تھے کچھ
علم تھا۔ یہودیوں کی عید فسح سے چھ دن پہلے انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا:۔

عید فسح کو ابن آدم مصلوب ہونے کو پکڑوایا جائیگا۔ اس وقت سردار کاہن اور
قوم کے بزرگ کائفا نام سردار کاہن کے دیوانخانہ میں جمع ہوگئے۔ اور صلاح کی کہ یسوع کو
فریب سے پکڑ کر قتل کریں۔ مگر کہتے تھے کہ عید کو نہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں بلوہ ہو جائے۔ انکے

نے اپنے شاگردوں میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوطی تھا تیس روپے لیکر حسب پیشگوئی مسیح انہیں پکڑوا دیا +

پھر لکھا ہے کہ اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا۔ کہ یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جاکر دُعا مانگوں۔ اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیکر غمگین اور بیقرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا۔ میری جان نہایت غمگین ہے یہانتک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھیرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر تھوڑا آگے بڑھا اور مُنہ کے بل گرکر یہ دُعا مانگی۔ اے میرے پیارے باپ اگر ہوسکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاہم جیسا کہ میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا تُو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے پایا اور پطرس سے کہا۔ کیوں۔ تم میرے لئے ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے؟ جاگو اور دُعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو۔ رُوح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔ پھر دوبارہ اُس نے جاکر یہ دُعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر یہ میرے پئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔ اور آکر انہیں پھر سوتے پایا۔ کیونکہ انکی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں۔ اور انہیں چھوڑکر پھر چلا گیا۔ اور وہی بات پھر کہکر تیسری بار دعا مانگی تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا۔ اب سوتے رہو اور آرام کرو۔ دیکھو وقت آپہنچا ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالے کیا جاتا ہے۔ اُٹھو چلیں۔ دیکھو میرا پکڑوانیوالا نزدیک آپہنچا ہے + (متی باب ۲۶ - آیت ۳۶ تا ۴۶) +

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو اُن بارہ میں سے ایک تھا آیا۔ اور اس کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آپہنچی اور اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔ اُسے پکڑ لینا۔ اور فوراً یسوع کے پاس آکر کہا۔ اے ربی سلام۔ اور اس کے بوسے لئے۔ یسوع نے اس سے کہا۔ میاں جس کام کو آیا ہے وہ کرلے۔ اس پر انہوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اسے پکڑ لیا۔ اور دیکھو یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی۔ اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا کان اُڑا دیا۔ یسوع نے اس سے کہا اپنی

تلوار کو میان میں کر لے۔ کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کیے جائینگے۔ کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دیگا۔ مگر وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہونگے۔ اسی گھڑی یسوع نے بھیڑ سے کہا۔ کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لیکر مجھے ڈاکوؤں کی طرح پکڑنے نکلے ہو۔ میں ہر روز ہیکل میں بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا۔ اور تم نے مجھے نہیں پکڑا۔ مگر یہ سب کچھ اسلئے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سارے شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے (متی باب ۲۶ آیت ۵۲ تا ۵۶)۔

اور یسوع کے پکڑنے والے اسکو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لیگئے۔ جہاں فقیہہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے۔ اور پطرس فاصلے پر اسکے پیچھے پیچھے سردار کاہن کے دیوانخانے تک گیا۔ اور اندر جا کر پیادوں کے ساتھ نتیجہ دیکھنے کو بیٹھ گیا۔ اور سردار کاہن اور سارے صدر عدالت والے یسوع کو مار ڈالنے کے واسطے اسکے خلاف جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے۔ مگر نہ پائی۔ گو کہ بہت سے جھوٹے گواہ آئے لیکن آخر کار دو گواہوں نے آ کر کہا کہ۔ اس نے کہا ہے۔ میں خدا کے مقدس کو ڈھا سکتا اور تین دن میں اُسے بنا سکتا ہوں۔ اور سردار کاہن نے کھڑے ہو کر اس سے کہا۔ تو جواب نہیں دیتا۔ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں مگر یسوع چپکا ہی رہا۔ سردار کاہن نے اس سے کہا۔ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہدے یسوع نے اس سے کہا۔ تو نے خود کہہ دیا۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسکے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے اس پر سردار کاہن نے یہ کہکر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا۔ اور اس کے مکے مارے۔ اور بعض نے طمانچے مار کے کہا۔ اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا۔

پطرس نے جیسا کہ یسوع نے پیشگوئی کی تھی اس کا انکار کیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔ پھر کاہن اسے پیلاطس گورنر کے پاس لے گیا۔

یسوع حاکم کے سامنے کھڑا تھا۔ اور حاکم نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے
یسوع نے اس سے کہا تو خود کہتا ہے۔ اور جب سردار کاہن اور بزرگ اس پر الزام لگاتے
تھے۔ تو اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر پیلاطوس نے اس سے کہا کیا تو نہیں سنتا
کہ یہ تیرے خلاف کتنی گواہیاں دیتے ہیں۔ اس نے ایک بات کا بھی اس کو جواب نہ دیا
یہانتک کہ حاکم نے بہت تعجب کیا (متی باب ۲۷ آیت ۱۱ تا ۱۴)

پیلاطوس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا کہ اسکو
صلیب دیجائے۔ اس نے کہا کیوں۔ اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر
بولے کہ اسکو صلیب دیجائے۔ جب پیلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا
بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا۔ میں اس راستباز
کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب دے کر کہا کہ اس کا خون ہمارے اور ہماری
اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا۔ اور یسوع کو کوڑے
لگوا کر حوالے کیا تاکہ صلیب دی جائے ◆

اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لیجا کر ساری پلٹن اس کے گرد
جمع کی۔ اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا۔ اور کانٹوں کا
تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا۔ اور ایک سرکنڈا اس کے دہنے ہاتھ میں دیا۔ اور اسکے
آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے۔ کہ اے یہودیوں کے بادشاہ
آداب! اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے۔ اور
جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغے کو اس پر سے اتار کر پھر اسی کے کپڑے اسے پہنائے
اور صلیب دینے کو لے گئے ◆ (متی باب ۲۷ آیت ۲۲ تا ۳۱) ◆

اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے
مقدس کے ڈھانیوالے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا
بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ
مل کے ٹھٹھے سے کہتے تھے۔ اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔

یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اُتر آئے۔ تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا پر بھروسہ رکھا ہے۔ اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے۔ کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ اس پر لعن طعن کرتے تھے +

اور دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی ایلی لما سبقتنی ہے یعنے اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سنکر کہا۔ یہ ایلیا کو پکارتا ہے، اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسفنج لے کر سرکے میں ڈبویا۔ اور سرکنڈے پر رکھ کر اُسے چسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھیر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اُسے بچانے آتا ہے یا نہیں یسوع پھر بڑی آواز سے چلایا اور جان دیدی + (متی باب ۲۷ آیت ۳۹ سے ۵۱ تک)

حضرت مسیح کی شہادت کے متعلق صحیح رائے زنی کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا جو الزامات ان پر یہودیوں نے لگائے صحیح تھے یا غلط میں نے ان کا ذکر پہلے کیا ہے لیکن سقراط اور حضرت امام حسینؑ کے برخلاف جو الزامات تھے اُن کا ہمیں پختہ علم ہے۔ لیکن جناب مسیح کے تاریخی حالات اسقدر غیر یقینی ہیں کہ ان الزامات کو دریافت کرنے کے لئے ہمیں اناجیل کے بہت سی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے پھر نہ تو حضرت مسیحؑ نے اور نہ انجیلوں کے مصنفوں نے الزامات کی کوئی تردید صاف طور پر پیش کی۔ اور ہمیں اس طرح حضرت مسیح کی حالت پر غور کرنا پڑتا ہے ہمارے خیال میں ان پر تین الزام تھے :۔

(۱) کہ مسیحؑ نے خدا کا جسمانی بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔

(۲) کہ اُنہوں نے یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ کیا۔

(۳) کہ انہوں نے پیشگوئی کی کہ وہ ہیکل کو گرا کر اُسے اپنے معجزہ سے پھر تعمیر کر سکتے ہیں

امر اول تو صریح غلط ہے۔ جو دعویٰ جناب مسیحؑ نے کیا وہ بعینہٖ ویسا تھا جو حضرت محمد صلعم کو ماننے ہوئے موحد تھے بعد میں کیا جس طرح کہ اسلام میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہے اسیطرح جناب مسیح نے بھی کلمہ ان الفاظ میں سکھلایا یعنے ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا باب ۱۷ آیت ۳)

اور پھر اسی انجیل میں جناب مسیح فرماتے ہیں کہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ جو میری باتیں سنتا ہے اور خدا پر جس نے مجھے بھیجا ہے یقین رکھتا ہے وہ ہمیشہ کی زندگی پاتا ہے +

مسیح نے خدا کی وحدانیت پر زور دیا اور لوگوں سے کہا کہ خداوند کو سچے دل سے محبت کرو اور کہا کہ ہمارا آقا جو خدا ہے ایک ہے۔ اور تمہیں چاہیئے کہ تم اپنے خدا کو دل و جان اور تمام اپنی طاقت سے محبت کرو۔ حضرت مسیح نے خدا کے ساتھ مساوات یا اسکے ساتھ شرکت کا کبھی دعوٰے نہیں کیا۔ انہوں نے بار بار کہا۔ کہ خدا کے حکم اور رضا کے آگے سر جھکانا چاہیئے اور فرمایا۔ کہ نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا مگر وہ جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ (متی باب ۷ آیت ۲۱) +

خدائے واحد کی عبادت کے متعلق جو حکم مسیح کا تھا وہی ان سے پہلے حضرت موسٰے کا اور ان کے بعد حضرت محمد صلعم کا تھا +

توریت میں لکھا ہے کہ تم میرے ہوتے کسی خدا کی پرستش نہ کرو۔ انجیل میں آتا ہے کہ تم خداوند کی جو تمہارا خدا ہے عبادت کرو اور اسی کی خدمت کرو۔ اور خدا کی آخری کتاب یعنے قرآن شریف کے شروع ہی میں یعنے سورہ فاتحہ میں لکھا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن یعنے تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور پھر حکم ہے کہ کہو اللہ ایک ہے اور اسی کے سب محتاج ہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اس کے مانند کوئی نہیں +

عیسائی خود ہر روز یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا جو آسمانوں پر ہے آج کی روٹی ہمیں دے۔ اگر جناب مسیح کے دشمنوں کی طرح جو انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ حضرت مسیح نے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہا۔ یا انہیں خدا کا اکلوتا بیٹا کر کے پکارا جاتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا نہیں کہا۔

دوسرے الزام کے متعلق حضرت مسیح کا دعویٰ سلطنت تو کجا وہ خود کہتے ہیں کہ لومڑیوں کے لئے بل ہیں اور ہوا کے پرندوں کے واسطے بسیرے ہیں پر ابن آدم کیلئے جگہ نہیں جہاں اپنا سر دھرے (متی باب ۸ آیت ۲۰) +

جناب مسیح کی غرض یہ تھی کہ یہودی کاہنوں یا کاہنی اسپکاری کی کل کھول دیجئے۔ اور اسرائیل کو نیا پاک زندگی بسر کرنا سکھلائیں جو انہیں خدائی سلطنت کے قابل بنایا جائے۔ اگر انہیں روحانی معنوں میں بادشاہ تسلیم کیا گیا تو وہ بیشک ان کو خدائی سلطنت تک لیجائیں گے +

تیسرے الزام کی تردید حضرت مسیح کے ان الفاظ سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ نہیں کر سکتا (یوحنا باب ۵ آیت ۵-۱۹-۳۰- اور باب ۸ آیت ۲۸) +

یہ امر قابل افسوس ہے کہ مغربی دُنیا نے حضرت مسیح کی نسبت ان کے زمانہ کے یہودی کاہنوں کی طرح (گو بالکل مختلف طریق پر) ایک غلط خیال قائم کیا ہے +

مسلمانوں اور دیگر مشرقی لوگوں کیلئے جناب مسیح کی تعلیم بالکل صاف ہے۔ بدھ نے بھی ان سے پہلے یہی تعلیم دی بدھ نے اپنا راج پاٹ۔ اپنی بیوی اور رشتہ داروں کو خیرباد کہا۔ اور اپنے باطن کی صفائی اور روحانی عروج میں مشغول ہو گیا۔ حضرت مسیح اور بدھ میں بہت کچھ مشابہت تھی لیکن عملی طور پر بدھ نے اپنی ذات کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ حضرت مسیح نے خدا کی محبت اکتسابی طور پر حاصل نہیں کی تھی یہ انکی سرشت ہی میں تھی اور انہوں نے خدا کی محبت میں اپنی ذات کو بھلا دیا تھا۔ مشرق میں آپ جیسے بیسیوں پیدا ہوئے ہیں لیکن جناب (مسیح) ان سب سے افضل تھے۔ اس زمانہ میں بھی ہم نے مشرق میں . . . . . . بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو کہ حضرت مسیح کی طرح اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ یعنی خدا کی محبت میں محو اپنی ذات کی طرف سے لاپرواہ بیخبر اور دنیا سے بالکل قطع تعلق کئے ہوئے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے پارسایانہ اخلاق رکھنے اور امیر و غریب مرد و زن گناہگار اور پارسا سب پر مہربان تھے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح میں مصروف رہتے تا کہ خلقت کو فائدہ پہنچے اپنی پاک روحانی زندگی کی مثال سے مادہ پرستی کے خلاف جنگ کرتے اور سب لوگوں کو سکھاتے کہ خوشی اور عروج دنیاوی ترقی اور ایجادات سے حاصل نہیں ہے اور تہذیب دنیاوی لذات اور نعمتوں کے حاصل کرنے پر منحصر نہیں۔ اور عوام کو بتلاتے کہ انسان اگر بالکل خدا کی محبت میں محو ہو جائے تو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے حضرت مسیح کی طرح کرامات دکھلائی ہیں کسی دکھلاوے یا نمائش کی وجہ سے نہیں بلکہ نادانستہ طور پر محض اپنی قوت روحانی کے باعث۔ جو خدا نے ان کو دے رکھی ہے روحانی قرب کے باعث انہیں کرنے پڑے۔ انکی اس قسم کی طاقت کا ظہور کسی کے ساتھ رحم اور ہمدردی کی وجہ سے ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنی روحانی طاقت کو اسی طرح بڑھایا ہے جس طرح لوگ اپنی قوت حافظہ اپنی فصاحت اور قوت متخیلہ کو بڑھاتے ہیں۔ روحانی صفائی اور ترقی سے انہوں نے خدا کا قرب حاصل کیا تھا۔ اور جو کچھ بھی انہوں نے کیا وہ خدائی کام تھا۔ ایک فارسی شاعر کا قول ہے کہ ؎ گر از حلقِ عبداللہ باشد۔ گفتہ او گفتۂ اللہ بود

میں نے اسلام کیوں قبول کیا

(ایک انگریز نزاد امینہ نومسلمہ کی قلم سے)

میں نے انگلستان کے کلیسا کے مذہب کی آغوش میں پرورش پائی۔ اور مجھے مشکل سے کوئی ایسا وقت یاد ہے۔ جبکہ اتوار مجھ پر گراں نہ گذری ہو۔ مجھے رسمی ولایتی اتوار کو جو اس ملک میں مروج ہو چکی ہے منانے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا۔ و نیز یہ ایک ایسا دن ہے جبکہ بعض بعض افعال و اشغال سے محترز رہنے کے لئے بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اتوار کے روز شرارت کرنے کے لئے سخت سرزنش ہوتی ہے اور ہفتہ کے باقی ایام کی نسبت اتوار کو شرارت کرنی بہت ہی وبال کا موجب خیال کیجاتی ہے۔ اتوار کو صبح اٹھتے ہی اس دن کا پہلا کام گرجا کی تیاری ہوتی ہے لیکن جب میں نے عیسوی مسائل کے بعض پہلوؤں پر اعتراض کرنے اور انکی صحت پر سوال کرنے شروع کئے۔ تو بجائے اسکے کہ کوئی شخص میرے استفسارات کے معقول جواب دیکر میری تسلی کرتا مجھے جواب میں کہا گیا۔ کہ مذہب میں تحقیق کرنی سراسر غلطی ہے۔ اور مجھے یہ بھی بتلایا گیا۔ کہ انجیل کو خداوند تعالےٰ نے لکھا ہے لیکن جب میں نے دریافت کیا۔ کہ اگر انجیل کو واقعی خداوند تعالےٰ نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ تو اس کا اصل مسودہ کہاں ہے۔ اور کیا کسی نے خداوند خدا کو خود انجیل لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس قسم کے استفسارات واعتراضات نے میرے قلب سلیم میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ اس صورت میں ایسے مذہب کی کہ جس کے اساسی اعتقادات ہی بالکل غیر منطقیانہ مجہول و ناممکن العمل ہوں اتباع کرنا نہ صرف حماقت ہی تھی۔ بلکہ میرے لئے نہایت ہی ناخوشگوار کریہہ و ناپسند تھا۔ میں نہ صرف اپنے معبود حقیقی کی محبت کی ہی متمنی تھی۔ بلکہ اس ذات اقدس سے مجھے از حد دلچسپی و دلبستگی تھی۔ اور موجود علم ذات باری کا

رکھنے کے باوجود میں اور زیادہ اس کی معرفت حاصل کرنے کی مشتاق و متمنی تھی۔ اس عقیدہ کو میں کبھی بھی تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ ایک زبردست و رحیم خدا اپنے اکلوتے بیٹے پر رسوائی بغیرتی و شرمندگی کی موت وارد کر کے اسے دنیا کی نجات کا موجب ٹھہرائے کیونکہ خود صلیب کا واقعہ ہی ثابت کرتا ہے کہ اس قسم کا خدا جس سے ایسے لایعنی افعال سرزد ہوں۔ ایک طاقتور رحیم خدا کبھی نہیں کہلا سکتا۔ ایک زبردست خدا کو کسی انسانی یا ربانی امداد کی ضرورت نہیں۔ ایک رحیم خدا اپنی مرضی سے ایک بالکل بیگناہ انسان کو دوسرے مجرم لوگوں کے گناہوں کی سزا بھگتنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ اور ایک بیگناہ انسان کی موت مخلوق خدا کو فسق و فجور عصیان و غلط کاریوں سے کبھی بچا نہیں سکتی۔ اس مسئلہ پر لوگوں سے بحث کرنے سے مجھے معلوم ہوا کہ نصف کے قریب جو عیسائیت کا دم بھرتے ہیں۔ اس لایعنی مسئلہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ جس پر کہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہاں اس پر قائم ضرور ہیں۔ کیونکہ اپنے اعتقاد کو نہ بدلنا یا اپنے متعلق خیال کرنے کی زحمت نہ برداشت کرنا نہایت ہی آسان امر ہے۔ اتوار کی دوپہر بھجن اور سوال و جواب کو مجبوراً زبانی یاد کرنے میں گذرتی۔ اس کے برعکس اگر مجھے خالق اکبر کی حقیقت صداقت و معرفت کے متعلق کچھ بتلایا جاتا۔ تو وہ میرے لئے بدرجہا مفید ہوتا بجائے اس کے کہ میں طوطے کی طرح ایک ایسے عقیدہ کے قواعد کو رٹتی رہی کہ جس پر میرا دلی ایمان نہ تھا۔ مجھے مسیح کے خون و جسم کے کلمات سے نفرت تھی۔ اگرچہ پراٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک یہ فقرات تمثیل و قیاسی رنگ رکھتے ہیں۔ جس کو کہ فرقہ کیتھولک "مسیح کا اصل جسم و خون" قرار دیتے ہیں۔ عشائے ربانی کا مسئلہ میرے لئے اور بھی تکلیف دہ تھا۔ اور میں نے مخفی طور پر مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ہرگز اس پر ایمان نہ رکھونگی۔ اتوار کی شب خدا خدا کر کے ہم نے بھجن گانے سے ختم کی لیکن میں نے وہاں جانے اور داخل ہونے اور بھجن گانے سے انکار کر دیا جس کیلئے میں نہایت ہی نافرمانبردار ٹھہری۔ اور مجھے حکم ہوا۔ کہ اگر میں ان رسمیات میں

دوسروں کی طرح شامل نہ ہوں تو مجھے سو جانا چاہئے۔ بہر حال اتوار کا دن میرے لئے ایک طویل اور اُکتا دینے والا ہوتا تھا۔ اور یہ دن اپنی اُکتا دینے والی مصروفیتوں کی وجہ سے مجھ پر ہفتہ کے باقی ایام کی نسبت بہت ہی گراں گذرتا۔ انجیل سے مجھے ہمیشہ دل سے نفرت تھی۔ کیونکہ اس سے مجھے نہ تو کبھی راحت و تسکین ہوئی اور نہ ہی کبھی قلیل تک امداد اس سے مجھے ملی۔ جب میں سن بلوغت کو پہنچی۔ تو میں نے اُسے ایک ایسا تضاد و عجیب و غریب کہانیوں اور ناممکنات کا مجموعہ پایا۔ کہ جس سے کوئی طمانیت و تسکین پہنچنے کی بجائے افسوس و تنفر پیدا ہو۔ مثال کے طور پر پوادر صاحبان جو اس کے مُفسر اور منادخیال کئے جاتے ہیں۔ جب میں نے ان سے اس کے مُتعلق سوالات کئے تو وہ میری تسلی کرنے سے بالکُل عاجز رہے۔ اسی صُورت میں وہ کتاب جو قصّہ جات اور قیاسات تک ہی محدُود ہو۔ اور جس کی کوئی بھی تفسیر سمجھا نہ سکے۔ اس سے خلق خُدا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ انجیل کئی درجن مختلف مُصنّفین کے مجمُوعہ کا نتیجہ ہے۔ علم طبعیات و علم الارض ثابت کرتے ہیں کہ ابتدا جیسا کہ باب پیدائش میں مرقُوم ہے بالکُل ناممکنات میں سے ہے۔ ہمارے پاس نیز اس کے بھی ثبوت ہیں کہ بادشاہ داؤد نے کبھی بھی گیت نہیں لکھے۔ اور اسی طرح انجیل کے دوسرے بہت سے حصص جو کہ مختلف احباب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان کو کبھی نہیں لکھا۔ جس صورت میں کہ انجیل بہت سے لوگوں کی اختراع کا کام ہے۔ تو اس پر کون ایمان لائیگا۔ لیکن اس کے برعکس اسلام کی مطہر کتاب قرآن کریم ہم تک صرف ایک ہی انسان حضرت نبی کریم صلعم کے ذریعہ پہنچی ہے۔ قرآن کریم میں کبھی بھی انجیل کی طرح تحریف تغیر ملاوٹ یا مروڑ توڑ نہیں کی گئی۔ اور یہ اپنے اصلی مسودہ کی طرح بجنسہٖ ویسی ہی اصلی و سچی ہے۔ قرآن کریم اور اسلام مجھے اپیل کرتے ہیں۔ اور یہ بعض وجوہات ہیں جس کے لئے میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اور جو مذہب کہ طمانیت بخش۔ اُبھارنے والا اور سہارا دینے والا ہے۔ اور کیوں میں نے اس مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ جس کی پہلی ہی تعلیم حاصل کرنے سے

مجھے کوئی رُوحانی فائدہ نہیں پہنچا۔ نہ مجھے کسی قسم کا حوصلہ ملا۔ اور نہ ہی مجھے باطنی عروج طمانیت حاصل ہُوا +

اِسلام اور عیسائیت میں قولِ فیصل

ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے آرام کے اوقات میں اس مذہب کی شریعت پر غور و تدبر کرتے ہیں جس کے وہ پیرو ہیں۔ ہمارے اعتقادات کا تجزیہ مطالعہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان فیصلہ کر دیگا۔ اُلوہیت مسیح اور اس کا کفارہ ہی کلیسائی الٰہیات کے اساسی اصُول نہیں ہیں۔ یہ مسائل تو محض اُس منطقی ضرورت کو پورا کرتے ہیں جس کی تہ میں ابدی گناہ کا مسئلہ ہے۔ انسان کا قوانین الٰہیہ کی پیروی نہ کر سکنا ہی کلیسائی مذہب کا اساسی پتھر ہے۔ یعنی یہ کہ انسان گنہگار ہُوا اور اس پر سزا وارد ہُوئی۔ جس کے لئے کفارہ کی ضرورت لاحق ہُوئی۔ کیونکہ ایک گنہگار انسان دوسرے کے گناہ کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے خود خداوند خدا کو کفارہ ہونا پڑا۔ اسلام اسکا قائل ہے کہ انسان قانون کی پیروی کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک قانون و ضابطہ موجود ہے۔ لیکن عیسوی کلیسیا کا مذہب جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان میں قوانین کی پیروی کرنے کی استعداد نہیں ہے۔ اسلئے وہ شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں۔ اسلام انسان کو فطرتاً پاک قرار دیتا ہے۔ اور گناہ کو بعد میں گرد و پیش کے تعلقات کا ایک نتیجہ بتلاتا ہے۔ لیکن عیسائیت ظاہر کرتی ہے کہ گناہ انسان کی فطرت میں بطور وراثت پہنچا ہے۔ اسلئے اُسے ایک مجرم گنہگار قرار دیتی ہے۔ پھر اسلام انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیتوں کا قائل ہے جو اُسے اعلیٰ درجہ تک پہنچا سکتی ہیں۔ اور اس طرح اسکے لئے بے انتہا ترقی کی راہ کھول دیتا ہے۔ لیکن عیسائیت ہماری قسمت میں ہمیشہ کے لئے تباہی موزوں خیال کرتی

ہے جس سے نجات کسی دوسرے عوض کو بطور کفارہ دیکر ہو سکتی ہے۔ اس امر کا فیصلہ کہ ان ہر دو مذاہب میں سے سچا کون ہے کوئی مشکل امر نہیں۔ سیارے میں ہماری اپنی فطرت ہی ایک اعلیٰ درجہ کی منصف ہے۔ ہر ایک چیز جو ہمارے اندر ہے قانون کی محتاج ہے جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا اور بغیر ارادے کے قانون کی پابندی کرتی ہے۔ قانون شکنی کا نام بیماری ہے۔ اور قدرت کے قوانین کو درست طور پر عمل میں لانا علاج ہے۔ علم طب کی غرض و نہایت یہی ہے کہ وہ اس قابل بناوے کہ ان قوانین پر عمل کیا جائے۔ جو جسم کے متعلق ہیں کبھی کسی طبیب نے کسی مریض کے دردسر کا علاج اپنا سر پھوڑ کر نہیں کیا۔ ایسے اس قسم کے قوی ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں جن سے قدرت انسان کے طبعی قوانین کے مطابق ہو جائے۔ گناہ ایک اخلاقی بیماری ہے۔ جو کسی اخلاقی قانون کے توڑنے سے پیدا ہوئی ہے۔ تمام انبیاء جن میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ہیں اسلئے مبعوث ہوئے کہ وہ ہمیں اخلاقی اور روحانی قوانین بتلائیں اور ان پر عمل کرائیں۔ اگر کوئی لائق اور ہوشیار ڈاکٹر اپنا بازو کاٹنے سے اپنے مریض کے بازو کی کوئی بھی بیماری دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی ڈاکٹر خودکشی کر کے کسی ایسے مریض کو جو مہلک بیماری میں مبتلا ہو بچا نہیں سکتا تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ صلیب پر کسی شخص کی موت ہم سب کو روحانی موت کے نتائج سے نجات دے سکتی ہے۔ کیا غلطی رائے کا نتیجہ بہر حال گناہ نہیں۔ کیا عقل کا صائب طور پر کرنا ممکن نہیں۔ اس سے انکار کرنا گویا اپنی طرز زندگی کے خلاف کہنا اور کرنا ہے ہمیں تو صرف عقل و تمیز کی تربیت اور اس کے لئے قواعد کی ضرورت ہے۔ اس مرحلہ تک پہنچنے کے لئے ہم مکتب اور دارالعلوم میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں تاریخ اور سوانحعمریاں پڑھتے ہیں۔ اور دانا لوگوں کی نصائح اور نکوکاروں کی صحبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اگر انسان کی عقل تربیت کے قابل نہیں تو سب کچھ فضول اور بے سود ہے۔ خدا نے ہمیں مختلف قسم کی قابلیتیں عطا کی ہیں اور اس نے قانون بھی وضع کیا تاکہ ان سے درست کام لیں۔ خدا نے انسان کے اندر قوانین کی تابعداری کا ملکہ بھی رکھ دیا۔ کیا یہ ظاہر نہیں کہ عقل و تمیز بھی ایک طاقت ہے۔ تو پھر کیوں خیال کیا جاتا ہے

کہ اس میں قانون پر چلنے کی قابلیت نہیں۔ پس اگر یہ قانون بخوبی عملدرآمد کر سکتی ہے۔ تو ہم اپنی نجات خود حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں کسی کفارہ کی ضرورت نہیں رہتی +

لیکن اب ہم ان احکام پر غور کرتے ہیں جن پر عمل کرنا عیسائیت کے نزدیک ناممکن ہے۔ ان کا بیان عہد عتیق کی دوسری کتب باب ۲۰ میں ہے ذیل میں انہیں مختصراً لکھا جاتا ہے :-

(۱) ایک خدا کی پرستش کیجائے (۲) کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ گردانا جائے (۳) خدا کا نام بے سود نہ لیا جائے (۴) سبت کا احترام کیا جائے (۵) والدین کی عزت کی جائے (۶) قتل نہ کیا جائے (۷) زنا نہ کیا جائے (۸) چوری نہ کیجائے (۹) جھوٹی گواہی نہ دیجائے (۱۰) ہمسایہ کے مال پر نظر طمع نہ رکھی جائے +

اب دیکھیں کہ کیا اسلام نے کم از کم ایک چوتھائی حصہ دنیا سے زیادہ کو ایک خدا کی پرستش کرنے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کے قابل نہیں بنا دیا۔ اور کیا عیسائیت کی وجہ سے کروڑہا لوگ سبت کے احترام کی خاطر بیکار نہیں رہتے۔ کیا دنیا میں لکھوکھا ایسے مسلمان دکھائی نہیں دیتے۔ جو قرآن شریف کے حکم کے مطابق اپنے والدین کو خدا سے اتر کر سمجھتے ہیں۔ پانچ احکام تو اس طرح پورے ہوئے۔ باقی ہر ایک مہذب سوسائٹی کے ملکی اور جنگی قوانین میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان پر درست طریق سے عمل ہوتا ہے۔ اگر ہم فطرتاً مجرم ہیں۔ جیسا کہ عیسائی مذہب ہمیں قرار دیتا ہے۔ تو پھر ہمارے وضع کردہ قوانین کی عزت اور پابندی کیسے ہوتی ہے۔ کیا ہم حقیقت میں قاتل۔ زانی۔ چور۔ کاذب اور لالچی ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے اور ہمارا خیال اپنی نسبت کیسا ہی ہولناک ہے۔ اور انسانیت کو کیسا ہی ادنےٰ درجہ دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے ممبروں پر کھڑے ہو کر ہمیں بتلایا جاتا ہے۔ کہ انسان کی

ہر ایک خوبی اور نیکی کو ظہور میں لانے کے لئے عیسائیت نے بہت مدد دی ہے۔ لیکن جو شخص فطرتاً گنہگار رہے وہ اپنے اندر شرافت اور نیکی کیسے رکھ سکتا ہے۔ مگر ہم میں یہ صفات درحقیقت موجود ہیں۔ اور اس سے اس تعلیم کے بہت سے حصے کا بطلان ہوتا ہے جو مذہبی رنگ میں دی جاتی ہے ؂

نظم در مدح حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

در دلم جوشد ثنائے سرورے — آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے
آنکہ جانش عاشق یارِ ازل — آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے
آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است — ہمچو طفلے پروریدہ دربرے
آنکہ در بر و کرم بحرِ عظیم — آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے
آنکہ در جود و سخا ابرِ بہار — آنکہ در فیض و عطا یک خاورے
آں رحیم و رحمِ حق را آیتے — آں کریم و جودِ حق را مظہرے
آں رخِ فرخ کہ یک دیدارِ او — زشت رُو را میکند خوش منظرے
آں دلِ روشن کہ روشن کردہ است — صد درونِ تیرہ را چوں اخترے
آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ او — رحمتے زاں ذاتِ عالم پرورے
احمدِ آخر زماں کز نورِ او — شد دلِ مردم ز خورِ تاباں ترے
زبنی آدم فزوں تر در جمال — وز لآلی پاک تر در گوہرے
بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ — در دلش پُر از معارف کوثرے
بہرِ حق داماں ز غیرش برفشاند — ثانی او نیست در بحر و برے
آں چراغش داد حق کش تا ابد — نے خطرِ نے غم ز بادِ صرصرے
پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل — بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے
تیرِ او تیزی بہر میداں نمود — تیغِ او ہر جا نمودہ جوہرے

کرد ثابت برجہاں عجزِ بتاں | وانمودہ زورِ آں یک قادرے
تا نماند نے خبر از زورِ حق | بُت ستا و بُت پرست و بُت گرے
عاشقِ صدق و سداد و راستی | دُشمنِ کذب و فساد و ہر شرے
خواجہ و مر عاجزاں را بندۂ | بادشاہ و بیکساں را چاکرے
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید | کس ندیدہ در جہاں از مادرے
از شرابِ شوقِ جاناں بیخودی | در سرش بر خاک بنہادہ سرے
روشنی از وے بہر قومے رسید | نُورِ او رخشید بر ہر کشورے
آیتِ رحمٰن برائے ہر بصیر | حُجتِ حق بہرِ ہر دیں ورے
ناتواناں را برحمت دستگیر | خستہ جاناں را بشفقت غمخورے
حُسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب | خاکِ کویش بہ ز مُشک و عنبرے
یک نظر بہتر ز عمرِ جاوداں | گر فتد کس را براں خوش پیکرے
منکہ از حُسنش ہمیدارم خبر | جانفشانم گر دہد دل دیگرے
یادِ آں صُورت مرا از خودِ بُرد | ہر زماں مستم کُند از ساغرے
می پریدم سُوئے کُوئے او مدام | من اگر میداشتم بال و پرے
لالہ و ریحاں چہ کار آید مرا | من سرے دارم بآں رُوئے و سرے
خوئی او دامنِ دل مے کشد | مُو کشانم می برد زور آورے
دیدہ ام کو ہست نُورِ دیدہ ہا | در اثر مہرش چو مہرِ انورے
تافت آں رُوئے کزاں رُو سر بتافت | یافت آں درماں کہ بگزیداں درے
ہر کہ بے او زد قدم در بحرِ دیں | کرد در اوّل قدم گم معبرے
اُمّی و در علم و حکمت نے نظیر | زیں چہ باشد حُجتے روشن ترے
آں شرابِ معرفت دادش خُدا | کز شعاعش خیرہ شُد ہر اخترے
شد عیاں از وے علے الوجہ الاتم | جوہرِ انساں کہ بُود آں مضمرے
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال | لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل نمبر [illegible]

[illegible] اسلامک ریویو ووکنگ انگلستان

قیمت سالانہ سات روپے

اس کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام

قیمت سالانہ تین روپے

ایڈیٹر خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل بی مولوی صدرالدین صاحب
بی اے بی ٹی [illegible] اسلامک ریویو کسی معرف کرانے کا محتاج نہیں صرف ہم
برادران اسلام [illegible] چاہتے ہیں کہ اسوقت آپ کے [illegible] انگلستان میں اسلامی مشن
[illegible] ہے اس کا یہ ایک [illegible] اب گویا بلاد حرب میں اشاعت اسلام کا
[illegible] انگریزی رسالہ کو پانچ ہزار اور اردو کی دس ہزار
[illegible] اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے ہم چاہتے
ہیں کہ انگریزی [illegible] میں مفت تقسیم ہو [illegible] تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں
پانچ روپے [illegible] ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کر دینگے۔ کیا
[illegible] ہندوستان میں ایسے نہیں؟

دوستو! [illegible] اسلامک ریویو ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام
کا ثابت ہوا [illegible] اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے
اسکو [illegible] اور اللہ تعالیٰ سے اجر جزیل پاؤ۔ **والسلام**

نوٹ [illegible] پر مفت ایک سال خدمت کیا جائیگا کل درخواستیں [illegible]

المشتہر خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور

[illegible]

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

۱۵

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اِسلامک ریویو اینڈ مُسلم اِنڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔اے۔ایل ایل بی

مسلم مشنری

مولوی صدر الدین بی۔اے۔بی۔ٹی

قیمت سالانہ تین روپے

یہ کارِ ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے ۱/۳ اخراجات کی ذمہ دار ہوسکتی ہے۔

نمبر ۸	بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۹ء	جلد ۵

فہرست مصامین

اسلامیہ سٹیم پریس بیرون بھاٹی دروازہ لاہور میں حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

فہرست کتب اشاعت اسلام بک ڈپو لاہور

محصول ڈاک بذمہ خریدار

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
۶ پرچے اشاعت اسلام سنہ ۱۹۱۴ء	۱۲ر	ادیب لنسوان	۴ر
۱۱ پرچے ،، سنہ ۱۹۱۵ء	عہ ۱۲ر	انشائے لنسوان	۴ر
۱۱ پرچے سنہ ۱۹۱۶ء	عہ ۱۲ر	صبر کی دیوی	۳ر
براہین نیرہ	۱۲ر	خورشید جہاں	۴ر
اُسوہ حسنہ	۸ر	رفیق مرزا	۳ر
ام الالسنہ	۱۲ر	زنانہ خطوط	۵ر
لمعات انوار محمدیہ	۶ر	لیکچر اسلام از مسز انی بسنٹ	۳ر
خطبات غربیہ مکمل سٹ	عمر	مسدس حالی	۸ر
مسلم مشنری کے ولائتی لیکچر حصہ اول	۱۰ر	زنانہ حساب کتاب	۱۰ر
،، حصہ دوم	۱۰ر	تعلیم الصبیان	۳ر
،، حصہ سوم	۱۰ر	مناجات بیوہ	۲ر
بنگال کی دلجوئی	ار	رباعیات حالی	۴ر
نکات القرآن حصہ اول	۸ر	جام کوثر	۴ر
،، حصہ دوم	۸ر	راہ جنت	۳ر
،، حصہ سوم	۱۰ر	امام حسین	۴ر
،، [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۳ر	[illegible]	ار
تائید حق	۸ر	جام عرفان ۔ نظم	ار
اسرار سلیمانی مجلد	۶ر	ہنر آموزی	۴ر
التوحید	ار	کھانا پکانا	۴ر
طریق فلاح	ار	اخلاقی کہانیاں	۴ر
مادہ فانی	ار	تعلیم لنسواں کی پہلی کتاب	۲ر
کرشن اوتار	ار	،، دوسری کتاب	۳ر
پیغام صلح	ار	،، تیسری کتاب	۴ر

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر رسالہ اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اُردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن
جلد (۵) بابت ماہ اگست ۱۹۱۹ء نمبر (۸)

شذرات

بہ سفر رفتنت مبارکباد
بسلامت روی و باز آئی

یہ خبر ناظرین کرام کے لئے مسرت آمیز ہوگی۔ کہ حضرت مولوی صدرالدین صاحب بی۔ ٹی مسلم مشنری معہ دو رفقاء (جناب مولوی دوست محمدؐ صاحب ایڈیٹر پیغام صلح و جناب مولوی عبداللہ جان صاحب پشاوری) مشن کی خدمت کو سرانجام دینے کیلئے ووکنگ تشریف لیگئے ہیں۔ مجاہدین فی سبیل اللہ کا قافلہ حضرت مولوی صاحب موصوف کی قافلہ سالاری میں مورخہ ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء کو بمبئی سے جہاز پر سوار ہوا ہے +

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس مجاہد قافلہ کے لئے جو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے وطن اور بال بچوں کو چھوڑ کر گیا ہے خاص اوقات میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اُن کو انکے مقاصد عالیہ میں مظفر و منصور فرمائے۔ اور انہیں اپنے وطن میں بخیریت تمام واپس لائے۔ آمین ثم آمین +

حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب ایمن مسلم مشن ووکنگ بھی انگلستان تشریف لیگئے ہیں۔ اور آپ بھی حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب کے ہمسفر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی بخیر تمام واپس لائے۔ آمین ثم آمین

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب آجکل شملہ میں ہیں اگرچہ آپ کی طبیعت پہلے سے اچھی ہے مگر پوری صحت نہیں۔ احباب اس نافع الناس وجود کی صحت کامل و عاجل کے لئے خصوصیت سے دعا کریں +

شکریۂ احباب

کثرت سے دوستوں نے خطوط میرے ولایت سے آنے پر مجھے بھیجے ہیں میں اُن سب کی یاد آوری کا مشکور ہوں میری صحت بحمد اللہ پہلے سے اچھی ہے لیکن اس امر کی متقاضی نہیں کہ میں فرداً فرداً احباب کو جواب دے سکوں میں سب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جس کسی کو کوئی خاص وقت نصیب ہو میرے لئے دعا کرے۔ والسلام

(مسلم مشنری) خواجہ کمال الدین (پتہ اہری کاٹیج۔ چھوٹا شملہ

اسلام کا جذب مقناطیسی

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی (مترجم انگریزی ترجمہ قرآن) کنجد منتبس ایک نومسلم انگریز کا خط ان دنوں موصول ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں وہ مقناطیسی قوت ہے کہ یہ معقول طبائع کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اور جو لوگ کچھ بھی مذہبی حس رکھتے ہیں وہ اسلام کی معنوی خوبیوں کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے صاحب مراسلت لکھتے ہیں :-

مجھے اس وقت آپ کے ترجمۃ القرآن کی ایک جلد ملی ہے۔ اور میں اس خوشنما اور دیدہ زیب تصنیف پر آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ کیونکہ آپنے اس کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے۔ اگر آپکی اس تصنیف

جس کا ذکر آپ نے دیباچہ میں کیا ہے ختم ہو چکی ہے۔ تو میں اس کی تکمیل کی خبر نہایت خوشی سے سنونگا تا کہ میں اس کو بھی منگوالوں +

میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آپ کو اپنے حالات سے کسی قدر مطلع کرتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ براہِ مہربانی ان میں دلچسپی لیں گے +

میں ایک برطانوی افسر ہوں اور میرا اصل وطن آئرلینڈ ہے۔ میں ابھی ابھی عراق عرب سے ہندوستان میں آیا ہوں۔ اگرچہ میں آئرش ہوں۔ مگر میں انگلینڈ میں رہتا ہوں۔ مجھے مذہب سے ہمیشہ ایک خاص دلچسپی رہی ہے۔ اور فوجی ملازمت میں منسلک ہونے سے پیشتر میں کئی سال تک عیسائیت کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ عراق عرب میں جا کر جس کو آج تقریباً سال ہوا ہے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ مجھے اسلام کے مفصلہ ذیل اوصاف نے خصوصیت سے اپنی طرف کھینچا ہے +

(۱) مسلمانوں میں رنگ و ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں۔ حالانکہ صبیح اللون عیسائیوں میں وحشی قوم کے متعلق ذات پات کا امتیاز ہے۔ یہ امتیاز جو اسلام کو حاصل ہے اسی کا حصہ خاص ہے

(۲) ان مسلمانوں کی سیدھی سادہ زندگی جن کو مجھے ملنے کا اتفاق ہوا ہے +

(۳) اسلام کی صاف سیدھی تعلیم جس میں سوائے خدا تعالے کے کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں اور عملی طور پر نیک اعمال کرنا اور تمام کائنات سے انصاف سے پیش آنے کی ہدایت موجود ہے خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان یا فرشتے +

حقیقت میں اسلام میں یہ خوبیاں ایسی ہیں کہ انہوں نے اسلام کو مذاہب عالم میں ایک اعلیٰ اور مستقل سبق دیدیا ہے۔ اور روحانی اور اخلاقی اوصاف میں کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا +

ووکنگ مشن کی قبولیت

ووکنگ مشن نے جو قبولیت حاصل کی ہے وہ کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں اب اس خدمت اسلام کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ مدراس سے

ایک صاحب جن کا نام نامی بی داؤد شاہ ہے۔ اور جو ایک قابل گریجوایٹ ہیں حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں ایک خط میں ووکنگ مشن کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ووکنگ مشن نے نہ صرف اعلےٰ درجہ کی قابلیت کے انگریزوں کو ہی حلقہ بگوش اسلام نہیں بنایا۔ بلکہ مسلمانوں کو بھی حقیقتِ اسلام سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس کا اعتراف اس خط میں بھی موجود ہے غیر تو غیر مسلمان خود اب اسلام سے ناآشنا ہیں۔ اور مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے برادران اسلام کو اسلام کی حقیقی اور اصل خوبیوں سے آگاہ کر کے اُنہیں سچے مسلمان بنائیں +

محولہ بالا خط کا ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین کرام ہے:-

مسلم مشن ووکنگ نے خدمت اسلام کا جو کام سر انجام دیا ہے وہ اب شہرۂ آفاق ہو چکا ہے۔ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں اِس مشن نے مشرق و مغرب میں نہایت حیرت انگیز کارنامے کئے ہیں۔ اسلامک ریویو نے مذہبی اور سائنٹیفک دماغ کیلئے ایک نیا نظارہ پیش کیا ہے۔ اور ابھی اُمید ہے کہ زمانہ مستقبل میں وہ بہت کچھ کر کے دکھائے گا۔ اُس نے ابھی سے مغربی دماغ سے اس پردہ کو اُٹھانا شروع کر دیا ہے جو اسلام کی صداقت کے متعلق پڑا ہوا تھا۔ اور ان ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان و ایقان کو بھی مستحکم کیا ہے جنکی تعلیم انگریزی طرز پر ہوئی ہے۔ میں اپنی نسبت

The Islamic work done by the Muslim Mission at Woking, England is not unknown througout the world. during the past few years the Mission had turned out wonderful work in the west as well as in the east. The "Islamic Review" has opened a new Vista to the deentific as well as the religious mind and has got much in store for the future. It has already begun to disillusion

یہ کہ سکتا ہوں کہ میں "اسلامک ریویو" کے مطالعہ کے بعد پہلے سے ہزار درجہ بہتر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اسلئے میں اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کو تیار ہوں +

the western mind regarding the truth of Islam and has also made firm the belief of English educated Indian Muslims. For my part I have after reading the "Islamic Review" a thousand times a better Muslim than what I was before. I am therefore ready to sacrifice my whole life for the cause of Islam.

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلامک ریویو نے مسلمانوں میں کیسا عظیم الشان کام کیا ہے۔ وہ لوگ جو انگریزی تعلیم کے اثر سے اسلام پر تمسخر اڑایا کرتے تھے جو اسلام کو ایک نیشنلٹی کا ایک شیرازہ سمجھتے تھے جو مذہب سے نہ صرف ناآشنا بلکہ بیزار تھے آج اس کے حسن معنوی پر شیدا ہیں۔ اور اس کے لئے اپنی زندگی قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ کیا اب بھی مسلمان من حیث القوم ووکنگ مشن کی اہمیت کو تسلیم کر کے اسے امداد نہ دیں گے +

تاریخ میں ایک درخشاں شخصیت

(از قلم جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا)

حضرت محمد صلعم تاریخ میں ان نامور لوگوں میں سے ہیں جن کی شخصیت نے زمانہ کے مٹ جانے والے تاثرات کا مقابلہ کیا۔ لیکن پھر بھی آپ کی ذات بابرکات کو کبھی بھی فوق الانسانی کا رتبہ نہیں دیا گیا جیسا کہ گذشتہ ازمنہ کے بعض سادہ لوح مریدین نے اپنے معلمان مذہب کے سر تھوپا +

مکہ معظمہ کے بازاروں میں ہم ایک تندرست و توانا۔ درمیانہ قد کشادہ شانے ترچھی نگاہیں خوبصورت و دلفریب خط و خال والے انسان کامل کو تنہا بھی نیازمندانہ

خاکسارانہ گشت لگاتے ہوئے مشاہدہ کرتے ہیں جس سے کہ معصوم ننھے ننھے بچّوں کو فطرتاً اشد الفت و محبت ہے۔ اور جس کی ہموطن عزت و توقیر کرتے ہیں۔ اور جسے ان لوگوں نے "الامین" کے معزز و ممتاز لقب سے ملقب کیا ہے +

پھر اسی انسان کامل کو عین عنفوان جوانی میں اپنے ہموطنوں کی اخلاقی و مذہبی پستی و انحطاط سے بیزار ہو کر حرا کی چوٹی پر تلقین تبلیغ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور کہ جس کا قلب مضطر اس پاک ہستی کے عشق و محبت میں محو ہو کر اس ارفع و اعلےٰ ہستی کی طرف بلند پروازی کرتا ہے۔ جو کہ مُدت مدید تک مصفیٰ قلوب سے مخفی نہیں رہتی +

اس عابد حقیقی نے غار حرا ایسی ہی الرحمن الرحیم کی ہستی اور اپنے ہموطنوں کی ناگفتہ بہ حالت زار سے آگاہی حاصل کر لی۔ اور وحدانیت کے ارفع و اشرف خیالات سے کہ جس سے ہر ایک متنفس لازماً متاثر ہوتا ہے علے الاعلان بہانگ دہل توحید کی تبلیغ کا اعلان شروع کر دیا۔ اور مسئلہ نجات کی لوگوں کو تعلیم دی۔ اور اپنے شہریوں کی تادیب و تہذیب کیلئے سر توڑ کوشش شروع فرما دی۔ تاکہ انہیں عصیان و غلطیوں کی قعر مذلت سے نکالکر اُنہیں مخلصی دلائی +

لیکن اسی انسان کامل کو کہ جس کو تکالیف و اذیت کا تختہ مشق بنایا گیا جس کے ساتھ ہر ایک قسم کی سب و شتم روا رکھی گئی۔ جسے جلاوطن کیا گیا۔ اور یہانتک کہ موت کے گھاٹ تک اُتارنے کی دھمکی دی گئی۔ اب اسی انسان کامل۔ اسی رہبر حقیقی۔ اسی مُزکّی و مُعلم کو دفعتاً وہی جفا کش۔ ظالم لوگ سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اور دل و جان سے اسکی عزت و احترام کرتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کے قلب منیر نے اس وقت کی مروجہ فحش بداخلاقیوں اور عصیاں کے خلاف رُوحانی جنگ ٹھان لی تھی۔ اور اُن سے اپنے آپ کو آزاد رکھنے کا تہیّہ کر لیا ہوا تھا۔ اور کہ اپنے عقیدہ و ایمان کو مشتہر کرنے کی قوی جبلت تھی۔ اور کہ آپ کے قلب تپاں میں اپنے ہموطنوں کو صراط مستقیم پر چلانے کی تڑپ تھی کیونکہ آپ کو اس بات کا قوی علم ہو چکا تھا۔ کہ آپ کے تقرر کی اصل غرض و غایت نسل انسانی کو واحد۔ اَحد۔ علیم بصیر۔ غفور رحیم قادر مطلق ذات اقدس کی طرف دعوت دینے کی ہے +

چونکہ آپ اصنام پرستی کے استیصال کے درپے تھے۔ اسلئے وہ بُت پرست جو اعلائے کلمۃ اللہ سے پیشتر آپ سے شدید اُلفت و محبت رکھتے تھے۔ اب آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور آپ کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ لیکن آپ کی حیرت انگیز صبر و استقامت نے سب مشکلات پر قابو پالیا۔ آخر الامر کچھ عرصہ کے بعد ایک اور انقلاب ہُوا جسمیں کہ حق نے باطل پر اور تقویٰ و پارسائی نے عصیاں و جرم پر فتح و نصرت حاصل کی۔ اور اس وقت اُس عظیم الشان مستقل مزاجی استقامت و استقلال کے پیکر مجسم کو عالم پیری میں ہم اپنے حصُول مطلب و کارمنصبی میں مُظفر و منصُور ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور وہی غار حرا کا عابد غریب گلہ بان ایک انقلاب عظیم کا موجد و فاتح و حکمران عرب ہو گیا۔ بے یار و مددگار۔ یتیم عبد اللہ۔ جگر گوشۂ آمنہ۔ شاہ حرم اللہ تعالیٰ کی نصرت و فضل و مہربانی سے جزیرہ نما عرب کی اُمیدوں کا ماویٰ و ملجا بن گیا۔ آپ کے ہموطن اِس قدر اخلاص سے آپ سے محبّت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی عزّت ملحوظ رکھتے تھے۔ اور اس قدر عزّت و احترام قیصر و کسریٰ جیسے بڑے بڑے نامدار شہنشاہوں کی رعایا بھی اپنے فرمانروایاں کی بھی نہ کرتی ہوگی۔ آپ کے پیرو اپنے بچوں و والدین سے بھی بڑھ کر آپ سے اُلفت رکھتے تھے۔ آپ نے تمام جزیرہ نما عرب پر بڑی تزک و احتشام سے مادی و رُوحانی حکُومت فرمائی۔ اور عوام الناس کی راستبازی۔ فتح و ظفر و تہذیب کی طرف رہنمُونی کی ✦

اسلامک ریویو:۔ مندرجہ بالا مسلمہ واقعات کی موجودگی میں کیا ہم یہ دعوےٰ نہیں کر سکتے۔ کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلعم انسان کامل تھے۔ اور آپ کی ذات اقدس انسانی ہدایت کا مکمل نمونہ تھی۔ کیونکہ آپ کو وہ تمام مراحل زندگی طے کرنے پڑے۔ جن مراحل کو طے کرنے ہی انسانیت تمام تکمیل کو پہنچتی ہے۔ آپ نے ارفع و اشرف اصولہائے تمدن و معاشرت منضبط فرماکر اپنے پیچھے چھوڑے۔ جو کہ الفاظ و نصائح تک ہی محدُود نہیں۔ بلکہ ان سب پر آپ نے

موقعہ و محل کے ماتحت عمل پیرا ہو کر دکھا دیا۔ اس خطیب اکبر کا کوئی بھی ایسا خطبہ نہیں
جو ناقابل عمل ہو۔ اس مجسمہ اخلاق کی کوئی بھی ایسی اخلاقی تعلیم نہیں۔ جو خیالی و قیاسی ہو
بلکہ حقیقی ہے جس پر کہ انسان روزمرہ عملی طور پر چل سکتا ہے۔ وہ دلفریب عملی تعلیمات
ہمارے سب سے اعلےٰ نمونہ ہیں۔ اگر بفرض محال ہم استدلال کی خاطر ہی ایک معلم کی
نصائح کو اس کے عوامل کیلئے قبول بھی کریں۔ جیسا کہ جناب مسیح کے معاملہ میں ہے۔ تو
کیا جناب مسیح کا قلیل عہد نبوت (اور وہ بھی بہت حد تک ان لوگوں کے درمیان جو نفیۃً
کم عقل اور ارذل تمدنی حیثیت کے تھے) اخلاق فاضلہ کی حیرت افزا شان نیکو کے
اظہار کے موقعہ کو حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ اخلاق فاضلہ آپ میں جبلی تھے لیکن ان کے
اظہار کے لئے موقع و محل و مختلف حالات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لیکن اس مُفضّامل
اخلاق کے پیکر مجسم کہ جس کا ہر ایک فعل ہمارے سامنے خود ہمہ تن آئینہ عمل ہے۔ وہ سیزر
و سکندر اعظم سے زیادہ تاریخی انسان ہے۔ اور بہت سی حالتوں میں تو آپ کی سوانحعمری
ہمارے آبا و اجداد کی سوانحعمریوں سے زیادہ صاف و شفاف نظر آتی ہے۔ لیکن
بانی عیسائیت ایک قصہ کہانی اور راز سربستہ سے بڑھ کر ہماری نگاہ میں وقعت
نہیں رکھتا۔ چونکہ سادہ لوح دنیا کا بہت حد تک دارومدار اخفائے راز پر ہی ہوتا ہے،
اور مذہبی معاملات میں طبعی تحلیل و تجزیہ و چھان بین سے سادہ لوح دنیا گریزاں ہے
اسلئے ایک شخصیت تو معموں و رازوں میں مخفی ہے۔ اور کہ اس کے بالمقابل دوسری
شخصیت جس کی کہ عدیم النظیر عزت و توقیر کی جاتی ہے تابندہ درخشاں ہے۔ اور
کہ جو برزخ کامل ہستی جامع ہے۔ اور عالم کون کی آخری معراج ہے۔ اَلْيَوْمَ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ +

عملی فرائض اسلام

(از جناب ڈاکٹر محمد صادق صاحب نومسلم)

یہ لیکچر لندن مسلم ہوس میں مورخہ ۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو بروز اتوار دیا گیا

عوام الناس کی بہتری کے لئے جو تجویز یا تدبیر پیش کی جائے اُسکے مُتعلق آج کل خصوصاً پُوچھا جاتا ہے کہ آیا وہ مفید ثابت ہو گی۔ اور اس سے کچھ عملی نتیجہ برآمد ہو گا۔ رسُومات واجا اور پُرانے اعتقادات ہی کو نہیں بلکہ تمام مذہبی مُعتقدات اور عبادات کو بھی عملی طور پر مفید ہونے کے لئے پرکھا جاتا ہے۔ اس مذہب کے مُعلموں اور جاننے والوں نے جب پر دُنیا کے اس حصہ کی ایک کثیر التعداد مخلوق چلتی ہے عام طور پر یہ فتوے دیدیا ہے کہ یہ مذہب انسانی زندگی کے لئے عملی نکتۂ خیال سے افسوسناک طور پر ناقص ہے۔ اس مذہب کے پیرو اور اس کے مُنکر ہر دو اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اور اسمیں اُنہوں نے جلد بازی سے کام نہیں لیا مُنکر تو سالہا سال سے یہی کہہ رہے ہیں۔ مگر ان کی اس رائے پر معتقدین مذہب جو اس کی ہستی کے لئے بڑے بڑے دقیق عُذرات پیش کرتے تھے ہمیشہ مضحکہ اُڑاتے رہے۔ اب چار سال سے زیادہ عرصہ کے تجربہ کے بعد (گو تجربہ ابھی ختم نہیں ہؤا لیکن نتیجہ ظاہر کر دیا گیا ہے) معتقدین اور پیروانِ مذہب نے بھی ان لوگوں کی رائے پر صاد کر دیا ہے جنہیں وہ غدار اور دشمن خیال کرنے کے عادی تھے +

سچے مذہب کو اس امر کی ضرورت نہیں کہ اسکی سچائی ثابت کرنے کے لئے کوئی خاص طریق اختیار کیا جائے۔ اسکے لئے معتبر گواہی کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود معتبر گواہ کا کام دیتا ہے۔ وہ اپنے زور اور طاقت کی وجہ سے لوگوں کو مُعتقد بناتا ہے لیکن اسمیں جبر و تعدی نہیں۔ اسکی صداقت حاکمانہ ہے اور اس طرح پر کہ انسان تمام الٰہی کاروبار میں اس کے ماتحت چلتا ہے گو اس کا عمل کسی نہج سے بھی تحکمانہ نہیں پایا جاتا۔ یہ بجائے مجبور کرنے کے انسان کے اندر ترغیب و تحریص پیدا کرتا ہے۔ مذہب قوت پیدا کرتا ہے اور انسان

بناتا ہے لیکن جب مذہب انسان کا وضع کردہ ہو تو اسمیں سختی کا رنگ ہوتا ہے سچا مذہب ایک ایسی آزمائش اور امتحان کے بعد پورا اترتا ہے جسمیں سے کہ اسکے پیرو کو گذرنا ہوتا ہے وہ تکلیف آزمائش اور خطرہ کے وقت قوت دیتا ہے۔ لیکن مذہب کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب پیغمبر سے پادری سبقت لیجائے۔ اور اسوقت مذہب مذہب نہیں رہتا۔ بلکہ علم الٰہیات کے ایک دستور العمل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اسکی روحانی طاقت مرجاتی ہے۔ اور انسان کی زندگی اور چلن پر اس کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اور اسمیں فلسفیانہ یا خیالی علوم کا رنگ آجاتا ہے اور اُن ہدایات اور احکام کی بجائے جن کی تعمیل اسلئے کیجاتی ہے کہ فوری خوشی اور تسکین قلب حاصل ہو ہمیں آئندہ جلال کا وعدہ دیا جاتا ہے +

اسلام کو اپنی ہستی منوانے کے لئے دوسرے کسی کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جب کبھی کسی خاص جگہ اسلام میں ضعف نظر آیا ہے۔ اور اس قسم کی مثالیں بہت ہی نادر ہیں تو اسکی وجہ بجز اس کے نہیں کہ اسکے چند گمراہ شدہ متبعین نے اس کے قوانین کو رضامندی کے ساتھ اختیار کرنے سے انحراف کیا ہو لیکن اس قسم کی کوششیں دیرپا نہیں رہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی غلطیاں ان پر ظاہر ہوگئیں اور انھوں نے ان کو افسوس بھی کرلیا +

قدیم زمانہ میں شاہی مذہب کا تعلق اس دنیا کے طبقہ پر کلیتہً آئندہ زندگی ہی کے ساتھ رہا ہے اور آئندہ زندگی میں ممکن الوجود باتوں کا اسمیں تذکرہ رہا ہے۔ اور زمانہ حال کی خرابیوں کو جڑھ سے اکھیڑنے اور انہیں کم کرنے کی طرف توجہ نہیں دیگئی +

عیسائی مذہب کے بانی کی عظیم الشان مثال پر ان لوگوں نے پردۂ تاریکی ڈال دیا ہے جو گرجوں میں کسی قسم کا عہدہ رکھتے ہیں مذہب کو زنجیروں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے۔ اور اس کے پیروؤں کی خواہشات انسانوں کے فائدہ پہنچانے کے متعلق بالکل دب گئی ہیں لیکن اس معاملہ میں اسلام کی صورت خاص طور پر مختلف ہے۔ دوسروں کے فائدہ کیلئے تکلیف اُٹھانے کا خیال مذہب ہی کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بات کسی خاص مرتب کردہ قوانین سے پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ایک امر واقعہ ہے۔ کہ اسلام

ایک صاف اور سادہ مذہب ہے۔ اور کسی کا وضع کردہ نہیں۔ اس میں کوئی لارڈ پادری یا پراسرار کاہن نہیں اور نہ کوئی مذہبی عہدے دار نظر آتے ہیں +

زمانہ حال کی خرابیوں کے دور کرنے کے لئے سوسائٹیوں اور مجلسوں کا قائم کرنا قرار پایا ہے مختلف فرقوں اور گرجوں میں اتفاق پیدا کرنے کی خاطر بیشمار انجمنیں اور جماعتیں وجود میں آئی ہیں۔ ایک جماعت تو ویسٹرن چرچ (مغربی کلیسیا) اور ایسٹرن آرتھوڈکس کمیونین (مغربی کلیسیا) میں اتحاد بڑھانے کے فکر میں ہے۔ دوسری جماعت بظاہر کلیسیا روما میں ملجانا چاہتی ہے اور دیگر تجاویز بھی ایک بڑی فری چرچ بنانے کیلئے کی جا رہی ہیں جن کی ہستی کا بصورت کامیابی چرچ آف انگلینڈ (کلیسیاء انگلستان) بھی کم از کم معترف ہوگا +

یہ مختلف قسم کے اتحاد اگر قائم بھی ہو جائیں۔ تو اُن سے جیسا کہ ان سب انجمنوں کے بعض دور اندیش کارکنوں کا خیال ہے مذہب ایسی طاقت نہیں بن سکتا جو قوم کی روزانہ زندگی میں قوت پیدا کرے۔ چنانچہ پادری ڈی رہونڈا ولیمس صاحب اخبار کرسچن ورلڈ کے ۲۷ فروری کے پرچے میں یوں لکھتے ہیں :-

"اگر تم انگلستان کے تمام آزاد گرجوں کو ایک گرجہ بنالو اور پھر اس ایک گرجہ کو انگلیکن گرجہ کے ساتھ شامل کردو۔ تو پھر بھی مجھے یقین نہیں کہ تم نے ایک طرف تو مزدور پیشہ لوگوں کی ایک کثیر التعداد جماعت کو اور دوسری طرف لکھے پڑھے سمجھدار لوگوں کو اس گرجہ کے ساتھ شامل کرنے میں بہت بڑی ہمت کی ہے ہمارے گرجوں کی تفریق سے یہ لوگ علیحدہ نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ جو مذہب گرجا انہیں بتلاتا ہے۔ اور جس پر وہ اصرار کرتا ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک بالکل حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ لوگ تو ایسی دُنیا میں رہتے ہیں۔ جہانکہ عملی باتیں نظر آ رہی ہیں۔ اور جن کا حل مذہب کے پُرانے اصولوں سے نہیں ہوتا +

رُوحانی زندگی کا مرکز ہونے کے لحاظ سے بھی (گو رُوحانی امور اخلاقی امور سے جُدا کرنے میں مشکل ہیں) کلیسیا نے جسمیں عیسائی مذہب کے تمام مختلف فرقے شامل ہیں

عوام الناس کی خواہشات کو پورا کرنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ گرجے ہفتہ بھر سوائے ایک دن کے بند رہتے ہیں جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان عمارتوں میں عبادت کرنیوالوں کے لئے مذہب میں اس قدر کم دلچسپی اور کشش ہے کہ وہ سات دنوں میں سے صرف ایک ہی دن عبادت کے لئے کافی خیال کرتے ہیں۔ برعکس اس کے مسجد قریباً تمام دن کھلی رہتی ہے۔ اور دن میں پانچ دفعہ اذان نماز کے لئے دی جاتی ہے۔ جسے سُن کر تمام سچے مسلمان خوشی سے نماز کے لئے جمع ہوجاتے ہیں بعض مصنفوں نے بالخصوص پادری صاحبان نے مسلمانوں کے بغیر کسی تکلف کے اذان کی آواز سُننے پر تمام کاروبار و اشغال جن میں وہ مصروف ہوں چھوڑنے اور ایک قطار میں اپنے مذہب کے اصولوں کے مطابق کھڑا ہونے پر بہت کچھ رائے زنی کی ہے ✦ لیکن حقیقت میں اس سے زیادہ زبردست ثبوت کسی مذہب کے قابل عمل ہونے کے نہیں مل سکتا۔ مذہب زبردستی نہیں بڑھتا۔ اور نہ اس طرح بڑھنا چاہئے۔ اگر ہم بلا تکلف اور نہایت آسانی سے اپنے کام اللہ کی عبادت کے لئے نہیں چھوڑ سکتے تو اسکی وجہ سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ ہمارے اشغال یا تو ناجائز ہیں اور یا گندے اور مزیل شان ہیں ✦

ہم پوچھتے ہیں کہ مذہب کی موجودہ قابل افسوس حالت کا کیا علاج سوچا گیا ہے۔ کل کے بشپ نے ۸ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء کے اخبار دی ٹائمز میں لکھا ہے کہ توبہ کی صدا تو لوگ سُنتے ہیں لیکن وہ اصلیت کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک توبہ کے معنے گذشتہ واقعات پر صرف اظہار رنج و افسوس کرنا ہے۔ اگر یہ لوگ جانتے کہ توبہ کی غرض تازہ اور جونکا دینے والے واقعات کے مطابق اپنی طبیعت کو بنانا اور جدید نظام کا بڑے استقلال سے مقابلہ کرنا ہے تو بہت کچھ انقلاب پیدا ہو جاتا۔ کاش وہ سمجھتے کہ توبہ کے کچھ اور معنے نہیں یہ مجلس شوریٰ۔ تمام روزانہ اخبارات اور تمام قومی مجالس توبہ ہی کا وعظ کرتی ہیں لیکن گرجہ کی آواز سے واقعات کی صدا زیادہ بلند ہے۔ اور وہ زمانہ ماضی کے شرمناک تباہ کن اور احمقانہ باتوں پر ناشگفت کا حکم دے رہے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اشارہ کر رہے ہیں کہ آیندہ کیلئے اپنی رُوح کی حالت کو درست کرو"✦

مضمون بالا کا نویسندہ اس کا علاج حسب ذیل بتلاتا ہے :-

اب اس بات کی ضرورت ہے کہ مذہب کی بڑی بڑی اہم باتوں کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی جائے - چونکہ انسان رُوحانی ہے - اور اُسکی اصلی ضروریات بھی رُوحانی ہیں - اسلئے اُسے چاہئے کہ وہ اپنے مادی مقبوضات و تعلقات کو رُوح کی خدمت میں اس طرح لگا دے کہ وہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرسکے نیز تمام بیرونی امور اندرونی چیزوں کی خدمت میں لگادی جائیں - اور تمام گرد و پیش کی چیزیں - اپنی آمدنی اپنی محنت کا وقت - حالات خانگی تعلیمی تدابیر و انتظام - اور تمام اپنے بدنی تعلقات میں ایسی روش اختیار کیجائے کہ انسان کی اپنی اور اُسکی سوسائٹی کی رُوحانی ترقی درجہ کمال تک پہنچ جائے بس یہی اہم امور ہیں - اور انکی تعلیم دینا مذہب کا اصلی کام ہے +

اب دیکھئے کہ اس نامہ نگار کا تجویز کردہ علاج وہی ہے جو مذہب اسلام کا بُنیادی پتھر ہے - یہ کوئی نئی اور انوکھی تجویز نہیں کی گئی - رسُول اکرم حضرت محمد صلعم نے اُسے پیش کیا اور آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے جب کبھی اُنھوں نے آپ کی تعلیم کو درست رکھنا چاہا اِس پر عمل کیا - قرآن شریف میں لفظ توبہ سے مُراد انسان کی زندگی میں کامل تبدیلی ہے - قرآن شریف یہ نہیں چاہتا کہ کسی قسم کے خاص افعال ادا کر دیئے جائیں - بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان میں اسکی بہتری کے لئے حقیقی تبدیلی پیدا ہو جائے اسلام زندگی کے روزمرہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے متعلق بالتفصیل بحث کرتا اور ہدایت دیتا ہے - اس کے احکام کسی سخت گیر کارفرما کی طرح نہیں ہیں - بلکہ نہایت نرم اور ترغیب دہندہ یادداشت کی طرح پر ہیں - انگلستان کے عیسائیوں نے انیسویں صدی سے پیشتر غلاموں کی آزادی کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی لیکن اس بارے میں اسلام ہی نے رہبری کی اور صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو غلام کو آزاد کرنے کے لئے حکم دیتا ہے چند نیک دل مرد اور عورتوں نے جو فرقہ کلیفام سے تعلق رکھتی تھیں - پادریوں کی رائے کے خلاف قومی پارلیمنٹ پر اپنے ہمدردانہ خیال کا اثر ڈالنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور پھر برٹش مقبوضات میں غلاموں کو آزادی دلوائی - ذرہ اب قرآن شریف کے

احکام کو غور سے سنتے (سورہ البلد آیت ۱۲-۱۶)

وما ادرٰک ما العقبۃ ۝ فک رقبۃ ۝ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیماً ذا مقربۃ ۝ او مسکیناً ذا متربۃ ۝ ترجمہ۔ اور کیا جانے تو کیا ہے گھاٹی۔ چھڑا دینا گردن کا۔ یا کھانا کھلانا بیچ دن بھوک والے کے یتیم قربت والے کو یا فقیر خاک اُفتادہ کو

اسلام اس امر کو پوشیدہ نہیں رکھتا کہ تقوےٰ کی راہ پُر از خار ہے لیکن روزمرہ زندگی کی تکمیل کیلئے ہدایات کے ساتھ ہی روحانی مدد اور دعاؤں سے قوت بھی حاصل ہوتی ہے اسلام کے اخلاقی قواعد اپنے ہمجنسوں کو نقصان پہنچانے سے ہی منع نہیں کرتے لیکن وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کی بھی تاکید کرتے ہیں۔ رسول اکرم کے دل میں یتیموں اور بیکسوں کیلئے ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور آپ نے اسلئے ان لوگوں کی طرف سے اعتنائی کرنیوالوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا اور بتلایا۔ کہ صاحب ثروت اپنی اس بے اعتنائی اور لاپرواہی کے باعث اپنی طاقت کھو بیٹھینگے۔ آپ کا دستور العمل تمام زندگی میں یہی رہا۔ آپ ہمیشہ بیکسوں اور مظلوموں کے حامی اور خیر خواہ رہے صرف خیر اندیش ہی نہ تھے۔ بلکہ عملی طور پر اپنے ارادوں کو ظاہر کیا اور تمام سچے مسلمانوں کو آپ کی مثال کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے

واٰتوا الیتٰمٰی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ص ولا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم ط انہ کان حوباً کبیرا ۝ (سورۃ النسا آیت ۲) ترجمہ۔ اور دو یتیموں کو مال ان کے اور مت بدلو ناپاک کو بدلے پاک کے اور مت کھاؤ مال ان کے ملا کر طرف مال اپنے کے تحقیق گناہ بڑا

اوفوا الکیل ولا تکونوا من المخسرین ۝ وزنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین (سورۃ الشعراء آیت ۱۸۰-۱۸۳) اور پورا کرو پیمانہ کو اور مت ہو نقصان دینے والوں سے اور تولو ساتھ ترازو سیدھے کے۔ اور مت کم دو لوگوں کو چیزیں انکی اور مت پھرو بیچ زمین کے فساد کرتے ۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور

(سورۃ الحج آیت ۳۰) ترجمہ پس بچتے رہو ناپاکی بتوں کی سے اور بچتے رہو بولنے جھوٹھ کے سے +

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہٖ شیئاً و بالوالدین احسانا و بذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً (سورۃ النساء رکوع ۶ آیت ۳۶) ترجمہ۔ اور عبادت کرو اللہ کی اور مت شریک لاؤ ساتھ اس کے کسی چیز کو۔ اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا۔ اور ساتھ قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور فقیروں کے اور ہمسایہ قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور فقیروں کے اور ہمسایہ قرابت والوں کے اور ہمسایہ اجنبی کے اور صحبت رکھنے والے کے کروٹ بر اور مسافر کے۔ اور جن کے مالک ہوگئے ہیں داہنے ہاتھ تمہارے اور تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا اس شخص کو کہ ہو تکبر کرنیوالا +

کوئی امر بھی انسان یا قوم کی روزانہ زندگی کا نہیں جس کے متعلق قرآن میں خدا نے اپنی حکمت بالغہ سے ہدایت نہ دی ہو۔ اگر قانون اور مذہب کے رُو سے سُود نا جائز قرار دیا جاتا تو دُنیا کس قدر مصیبت اور ذلت سے بچ جاتی لیکن جس جگہ اسلام کا تسلط ہے وہاں سُود کے متعلق قوانین کی ضرورت نہیں۔ قرآن شریف کا حکم ہی کافی ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ کے رکوع ۳۸۔ آیت ۲۷۶ میں آیا ہے۔ یمحق اللہ الربٰوا و یربی الصدقٰت واللہ لا یحب کل کفار اثیم۔ ترجمہ مٹاتا ہے اللہ سُود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہر ایک کفر کرنیوالے گنہگار کو +

خیرات دینے میں بھی ہمارے لئے ہدایات ہیں اور ہمیں اندھا دھند خیرات کرنے سے۔ اور رشوت سے۔ اور ہر قسم کی آلودگی سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ باتیں قوموں کو گھن کی طرح سے لگ کر انہیں اکثر برباد کر دیتی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کی سُورہ توبہ رکوع ۸ آیت ۶۰ میں فرمایا ہے۔ کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ ترجمہ سوا اسکے نہیں کہ خیرات واسطے فقیروں کے اور محتاجوں کے اور عمل کرنیوالوں کے اُوپر تحصیل اس کے کے۔ اور جن لوگوں کے الفت لائے جاتے ہیں دل اُن کے۔ اور بیچ آزاد کرنے گردنوں کے اور قرضداروں کے۔ اور بیچ راہ خدا کے اور مسافروں کے۔ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے +

پھر قرآن شریف بتلاتا ہے کہ بھلائی کس بات میں ہے اور کس میں نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۲ - آیت ۱۷۷) نہیں بھلائی یہ کہ پھیرو
تم منہ اپنے کو طرف مشرق کی اور مغرب کے اور لیکن بھلائی جو ایمان لایا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے
اور فرشتوں کے اور کتاب کے اور پیغمبروں کے اور دیا مال اوپر محبت اس کی کے قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور
فقیروں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور چھڑانے گردن کے اور قائم کیا نماز کو اور دیا زکوٰۃ
کو اور پورا کرنے والے ساتھ عہد اپنے کے جب عہد کریں اور صبر کرنیوالے بیچ فقر کے اور بیماری کے اور
وقت لڑائی کے۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ بولا۔ اور یہ لوگ وہ ہیں پرہیزگار +

حال اور مستقبل کا مسئلہ ان سوالات سے حل ہوتا ہے کہ آیا مذہب میں صرف رسومات ہی ہیں یا
زندگی کے عملی قواعد بھی ہیں۔ ان سوالات کا جواب فقط اسلام اور محمد صلعم نے جو سب سے
آخری اور سب سے بڑے پیغمبر ہیں یہ دیا ہے کہ مذہب ایک عملی نظام اور روزمرہ زندگی کا دستور العمل ہے اور اس کا
اثر ہماری ہستی کے رگ و ریشہ میں ہونا چاہئے تاکہ وہ ہمیں خلق اللہ کی بہبودی کے لئے راستبازی اور انصاف
سے کام کرنے۔ نیک خیالات رکھنے اور فیاضانہ عمل کرنے کی ترغیب دے۔ یہ سب باتیں محض خدا کے ساتھ
محبت کی وجہ سے ہوں جو کہ خالق اور تمام جہانوں کا مالک اور بادشاہ ہے۔ کیا کسی زمانہ مستقبل کی طرف نظر
کر کے اس قسم کی پیشگوئی کی جرأت کر سکتا ہے کہ آئندہ زمانہ کا مذہب کیا ہوگا۔ یہ سوال بفضلہ تعالیٰ بالکل معقول
ہے اور خدا ہی کے فضل سے اس کا جواب بھی کافی و شافی ہوگا۔ ہم آجکل قوموں کے زوال کی نسبت سنتے ہیں
لیکن یہ زوال اس تنزل کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو مذہب میں آرہا ہے۔ لیکن اس کا تدارک اسی صورت
میں ہو سکتا ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ سچے مذہب کی روح اور اصول کیا ہیں۔ اس بات کا حل مکمل طور پر مذہب
اسلام ہی میں ملتا ہے۔ اور یہ مذہب ایک رائی بھر بھی اس پیغام سے اختلاف نہیں رکھتا جو حضرت محمد صلعم
سے پہلے پیغمبر خدا کی طرف سے لائے +

دُنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ

بسلسل صفحہ ۳۲۸ جلد ۵ نمبر ۷

حضرت محمد صلعم اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سُناتے ہیں کہ

مایزال عبدی المومنون یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتہٗ فاذا احببتہٗ کنت سمعہٗ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا ولسان الذی ینطق بھا واجلہ التی یمشی بھا۔

ترجمہ - میرا سچا مومن بندہ نزدیکی ڈھونڈھتا طرف میری ساتھ نفلوں کے یہانتک کہ دوست رکھتا ہوں میں اُسکو اور جس وقت دوست رکھتا ہوں میں اُسکو ہوتا ہوں میں شنوائی اُسکی کہ سُنتا ہے ساتھ اُس کے اور ہوتا ہوں میں بینائی اُسکی کہ دیکھتا ہے ساتھ اُس کے اور ہاتھ اُس کا کہ پکڑتا ہے ساتھ اُس کے ہوتا ہُوں میں زبان اُسکی کہ بولتا ہے ساتھ اُس کے اور پاؤں اُس کا کہ چلتا ہے ساتھ اُس کے +

خُداوند تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون

ترجمہ - ہم تُم سے اُن کے قریب ہیں اور تم نہیں دیکھتے +

منصُور حلاج جو کہ مُسلمانوں میں ایک ولی گذرے ہیں اور جنہوں نے عربی اشعار میں ایک بڑی بھاری فاضلانہ تصنیف کی ہی اسی طرح اور انہیں سبا کے ماتحت اپنی جان دی جس طرح اور جس وجہ سے حضرت مسیح نے دی تھی۔ منصُور وجد کی حالت میں انا الحق پکار اُٹھا۔ اور مسلم عُلما نے اُسے کُفر سمجھ کر اُسی طرح اُسے دار پر کھینچنے کا حُکم دیا جس طرح یہودی کاہنوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا دیا تھا۔ کوڑھیوں کا اچھا کرنا اور بھُوتوں کا نکالنا ایسے واقعات ہیں جو ہر دور مشرقی ممالک میں دیکھے جاتے ہیں۔ اِس قسم کے بہت سے کرامات بزرگانِ اسلام کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ مگر شکی اور دلیل کے طالب لوگ نہیں آج کل جلد ماننے کے لئے تیار نہیں اور ان معجزوں اور فوق العادت باتوں کیلئے کوئی مادی اسباب کی تلاش کرتی ہیں لیکن یہی گروہ اور اسی دماغ کے لوگ جنہوں نے حضرت مسیح کی اُن کے معجزات کی وجہ سے پرستش کی۔ آج

اُن کرامات کے دکھلانے والے مسلمانوں کے آگے تسلیم خم کرتے ہیں عام مسلمان خواہ وہ علمیت کے لحاظ سے کم ہی کیوں نہ ہوں بجز خدا کے کسی کی پرستش نہیں کرتے۔ بہت سے مسلم اولیاء کی طرف بھی معجزات منسوب کئے جاتے ہیں جو حضرت مسیح نے دکھلائے اور جن کی وجہ سے خدا کا اکلوتا بیٹا اور خدائی میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ ان بزرگان کے متعلق خیال ہے کہ وہ نہ صرف اپنی زندگی ہی میں بلکہ بعد از وفات بھی وہ کرامات ظاہر کرتے ہیں۔ میں ان تمام عیسائی صاحبان کو جو حضرت مسیح کو خدا خیال کرتے ہیں بدیں وجہ کہ اُنہوں نے کرامات دکھلائیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اولیاء اسلام کی سوانح پڑھیں اور ان کے مقبروں کی زیارت کریں۔ ضلع بہرائچ میں ایک بزرگ سید سالار مسعود غازی کی قبر ہے جہاں کہ ہزارہا لوگ زیادہ تر ہندو صاحبان ہاتھ میں جھنڈیاں لئے ہوئے ہر سال جاتے ہیں جو کوڑھی ہوں وہ اس جگہ ایک تالاب میں غسل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کم از کم سال میں ایک صحتیاب ہو جاتا ہے۔ طبیب تو اس پانی میں کچھ طبی خواص دریافت کریں گے۔ لیکن عوام الناس اسے اس بزرگ کی کرامت ہی تصور کرتے ہیں +

میرے اپنے ضلع بارہ بنکی میں میرے گھر سے چند ایک میل کے فاصلہ پر مقام بانسہ میں شاہ عبدالرزاق ایک ولی اللہ کا مزار ہے۔ یہ ایک معمولی سپاہی تھے لیکن مشہور ہے کہ انہیں خدا نے فوق العادت طاقت روحانی دے رکھی تھی۔ آج کل جو لوگ اُن کے مزار پر جاتے ہیں اور وہاں کے حالات ملاحظہ کرتے ہیں وہ اُن کے حیرت افزا کمال میں شک نہیں لاتے۔ ہر سال چار ماہ شوال کو یعنے ایک دعا کے دن لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔ اکثر اُن لوگوں کو جن پر جن و بھوت کے تصرف کا خیال ہو میلہ کے موقع پر وہاں پہنچائے جاتے ہیں بعض دیگر موقعوں پر بھی جاتے ہیں اور جب تک جن نہ نکل جائے وہاں ٹھہرتے ہیں۔ روحانی طور پر ایک باضابطہ عدالت قائم کیجاتی ہے۔ اور جن کو سمجھ کی بات سے اپنا جواب و عذر پیش کرنے کی اجازت دیجاتی اور یہ بھی ہوتا ہے کہ مقدمہ کئی کئی روز ملتوی کیا جاتا ہے +

آخرش جن کو نکالا جاتا ہے۔ اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسے جلا دیا گیا ہے۔ اس جگہ ایک مہندی کا درخت ہے مریض خواہ مرد ہو یا عورت اُس کے سامنے زور سے اپنا سر ہلاتا ہے اور پکارتا ہے کہ میں جل گیا اور پھر گر پڑتا ہے جب وہ ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو تندرست پاتا ہے +

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جاہل لوگوں پر ہی بالعموم جن کا اثر پایا گیا ہے اور ان سے عجیب عجیب باتوں کا ظہور ہوتا ہے مگر کبھی کبھی خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی اس مزار پر جاتے ہیں اور جن کے تصرف یا اپنی دیگر بیماریوں سے صحتیاب ہوتے ہیں +

میں نے خود وہ جگہ بیسیوں دفعہ دیکھی ہے ہر دفعہ میں نے اُن باتوں کو جو میرے مشاہدہ میں وہاں آئیں ہزار ہا طرق پر حل کیا۔ کبھی خیال کیا کہ اس قسم کے مریضوں کو خلل دماغ ہے کبھی وہم سمجھا کبھی کچھ اور بیماری قرار دے دی لیکن مجھے کبھی بھی ان توجیہات سے تسلی نہیں ہوئی اور مجھے شکسپیر کی طرح کہنا ہی پڑا کہ زمین و آسمان میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جو ہمارے فلسفہ کا وہم و گمان بھی نہیں +

روحانی عجوبات کے مطالعہ کرنے کے لئے بانسہ کا مزار ایک اچھی جگہ ہے خصوصاً جبکہ وہاں بعض کوئی معزز شخص نظر آئے۔ اور جس کا وہاں جانا محض ہتک ہنسی کی وجہ سے ہو +

اجمیر اور دیوا کی طرح بہت سے اور بھی مزار ہیں جہاں عجیب عجیب باتیں نظر آتی ہیں۔ یہ سب کچھ انیسویں صدی مسیح میں ہو رہا ہے تو گلیل کے ناخواندہ ماہی گیروں کو کون متہم کر سکتا ہے اگر انہوں نے حضرت مسیح سے اسی قسم کی فوق الانسانی باتیں دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا وغیرہ کہہ دیا۔ لیکن ان کے اعتقاد کی حقیقت کا اندازہ اسباب سے لگتا ہے کہ حضرت مسیح کے قریبی اور عزیز شاگردوں نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ ان پر حملہ کر اور انکار کیا اور ان پر لعنت تک بھیجی جناب مسیح کے معجزات سے جاہل اور زود اعتقاد ماہی گیر حیرت زدہ ہو گئے۔ اور ان معجزات کی وجہ سے انہوں نے حضرت مسیح کو فوق الانسان خیال کیا۔ ان کے پاس تو دلیل تھی بھی لیکن اس چودھویں صدی میں جناب مسیح کے متبعین کے پاس انہیں فوق الانسان ماننے کے لئے کوئی وجہ نہیں دوسری یا روحانی دلائل جو بانسہ بہرائچ، دیوا اور اجمیر میں عجائبات کے حل کرنے کیلئے پیش کئے جاتے ہیں حضرت مسیح کے معجزات کے حل کرنے کے لئے بھی کافی ہیں۔ انجیل میں بھی یہ ذکر ہے جو معجزات حضرت مسیح نے کئے وہ ان کے پہلے نبیوں سے بھی ظاہر ہوئے +

جناب مسیح کی پیدائش کا راز بھی اُن کی خدائی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں اور حضرت مسیح کے وقت میں بھی ایسے لوگ تھے جو آپ کی پیدائش کو غیر معمولی

نہ کرتے تھے بقول اُن کے وہ یوسف نجار کے بیٹے تھے جو داؤد کی اولاد سے تھا اور جن کی بیوی حضرت مریم تھی حضرت جناب مسیح ہی حضرت مریم کے بیٹے نہ تھے یوسف سے انکی اولاد اور بھی تھی لیکن اگر مسیح کی پیدائش خاص طور پر مقدس خیال کیجاتی ہے تو ان کے خدا کا بیٹا ہونے کا ثبوت نہیں۔ ان سے قبل اس قسم کے لڑکے کئی ہو چکے ہیں +

بائبل (عبرانیوں باب ۷ آیت ۳) میں ایک شخص ملک صدق کا ذکر ہے جس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا نہ باپ اور نہ ماں تھی۔ دُنیا میں اس قسم کے بچے کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا باپ نہیں۔ یہ قدرت کی عادت میں داخل ہے کہ اس قسم کے بچوں کو عظمت و بزرگی دیجائے۔ جناب کرشن اور بدھ بھی خُدا کے لڑکے خیال کئے جاتے ہیں +

رُومی بھی اپنے مُورثِ اعلےٰ کو خدا کا لڑکا خیال کرتے ہیں۔ خاقان چین کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہ خُدا کی اولاد ہیں۔ ہندوستان میں بھی بہت سی ایسی قومیں اس وقت بھی ہیں جو اپنا نسب نامہ خُدا تک پہنچاتی ہیں۔ چندر بنسی اور سام بنسی خاندان کے لوگ جیسا کہ ان ناموں سے معلوم ہوتا ہے اپنے تئیں خاندان سُورج کی اولاد بتلاتے ہیں +

الغرض جناب مسیح کے خُدا ہونے کیلئے نہ تو کوئی مذہبی اور نہ کوئی رُوحانی ثبوت خاص طور پر موجود ہے۔ انکی شہادت ایسے رنگ میں سمجھی جانی چاہیئے جس رنگ میں عام لوگوں کی ہوتی ہے۔ اُن کی شہادت کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ آیا نے الحقیقت جناب مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور وہ وہاں ہی فوت ہُوئے۔ اور یا خدا کی حکمت نے اُنہیں اس بے عزتی سے بچا لیا جس طرح کہ ابراہیمؑ کے لڑکے کو بچا یا گیا صرف اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت مسیح ایک عظیم الشان کام کے لئے بڑی بہادری اور مردانگی سے شہادت کے مصائب میں سے گذرے +

جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح خدا یا خُدا کا کوئی حصہ تھے وہ اُنہیں شہادت کی شان و عظمت سے محروم کرنے میں خدا کو کوئی تکلیف و مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔ اس کے لئے موت بھی نہیں۔ اگر مسیح خدا تھے تو شہادت اُن کے درجہ کو بلند نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس سے اُن کی کسرِ شان ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ایسے خدا کے آگے نہیں جُھک سکتا جس پر دشمن غلبہ پالیں

اور صلیب پر چڑھا کر میخیں اس میں ٹھونک کر اسے ہلاک کردیں۔ اگر خدا کا یہ منشا ہوتا کہ تمام دُنیا وہریہ ہو تی تو البتہ اپنی کمزوری کا اظہار اس طریق پر کرتا جس طرح کہ حضرت مسیح کے متعلق بمقام کالوری میں ہوا +

اس اعتقاد سے کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب سے تین دن بعد آسمان پر چڑھ گئے۔ اس وقت میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی جو انکی کی گئی اور نہ اس سے خدا کی شان بڑھ سکتی ہے۔ پھر جب وہ آسمان پر چڑھے تب بھی وہ اپنے دشمنوں سے خوف میں تھے۔ تعجب ہے کہ خدا اپنے دشمنوں سے ڈرے۔ اس حالت میں کون ایسے خدا کی عبادت کر سکتا ہے! اور یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ آسمان پر چڑھنے کے بعد مسیح کو کس بات کا ڈر تھا۔ چاہئے تھا کہ وہ دشمنوں کے قابو سے نکلکر آسمان پر چڑھ جاتے تا کہ وہ ناکام رہتے۔ بات تو یہ تھی۔ کہ آجکل کے عیسائی صاحبان حضرت مسیح کو ربانی صفات دینے میں انکی ذلت کرتے ہیں بلکہ اُن کا درجہ بحیثیت انسان بھی کم کر دیا ہے۔ کیونکہ انجیل میں واقعہ صلیب کے بیان سے اُن کی کسر شان ہے۔ اور ایسے عجیب وغریب انسان کے ساتھ از حد بے انصافی کا برتاؤ کیا گیا ہے واقعہ مذکور کا بیان نہ صرف متضاد ہی ہے بلکہ حضرت یسوع مسیح کی ذات کو نقصان پہنچانیوالا ہے +

سُقراط نے تو بھاگ جانے کو بالکل ناپسند کیا اور اپنے دشمنوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور پوچھا کہ اُسکے خلاف کیا الزامات ہیں اور خدا پر پورا پورا بھروسہ رکھا لیکن انجیل کے لکھنے والوں نے جو اُسے خدا کی طرف سے القا شدہ یا خدا ہی کا کلام بتلاتے ہیں۔ جناب مسیح کو دشمنوں سے بھاگتے ہوئے اور اپنے حواریوں کی دغابازی کی وجہ سے گرفتار ہوتے ہوئے ظاہر کیا ہے +

متی نے اور دیگر مصنفین نے مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ڈرپوک تھے! اور گرفتار کئے جانے کے ڈر سے ہی انہیں بہت غم اور از حد تکلیف تھی۔ اور اپنے شاگردوں سے التجا کرتے تھے کہ وہ انکی حفاظت کریں۔ وہ اس وقت بھی تنہا رہنا نہ چاہتے تھے بلکہ وہ اپنے خالق یعنے باپ کے آگے دس قدم پر جا کر دُعا مانگتے تھے۔ وہ اپنے تین شاگردوں کو اپنے ہمراہ حفاظت کے لئے لیجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ میری رُوح کو اس قدر صدمہ ہے کہ وہ پرواز کر جائیگی۔ الغرض ان نام نہاد مُلہم مصنفوں نے حضرت مسیح کو ایک اس قسم کے ذلیل بزدل انسان کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جو کسی جرم کا مرتکب ہوا ور اس کی پاداش سے ڈرتا ہو۔ ذرہ

اس شخص کا مقابلہ جسے ایک قوم خدا اور خدا کا بیٹا خیال کرکے پوجتی ہے اس شخص سے کیا جائے جسے وہی قوم بت پرست اور کافر سمجھتی ہے۔ خدا پر بھروسہ کرنے میں بھی ایک مشرک خدا کے لڑکے سے فوقیت لے گیا ہے +

آنیوالی مصیبت سے بچنے کیلئے جو دعا حضرت مسیح کی زبان سے نکلی ہوئی بتلائی جاتی ہے یہ ہے کہ اے میرے باپ اگر ممکن ہو تو اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے۔ ان الفاظ سے کہ اگر ممکن ہو کیا غرض ہے؟ کیا جناب مسیح کو خدا کی قدرت کاملہ پر یقین نہ تھا؟ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح ایلی ایلی لما سبقتنی پکارتے تھے یعنے ایخدا۔ ایخدا تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا جس کا یہ مطلب ہے کہ جناب مسیح کا وفات تک یہی یقین تھا کہ خدا نے انھیں چھوڑ دیا ہے +

باوجود ان تمام باتوں کے اس زمانہ کے عیسائی تمام جان سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح جانتے تھے اور اپنے شاگردوں کو انہوں نے آگاہ کر دیا تھا کہ انکی موت فقط عارضی ہوگی کہ وہ اپنی موت کے تین یوم بعد پھر جی اٹھینگے اور انکی بادشاہت آسمانی ہوگی وغیرہ وغیرہ فقط اسی قدر ہی نہیں بلکہ لوگوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ تمام دنیا کی نجات اس شخص کے صلیب پر چڑھنے سے ہے جس نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی جو گرفتار کئے جانے کے خیال ہی سے ڈرتا تھا۔ جو خدا کی درگاہ میں دعا مانگنے کے لئے بھی حاضر نہ ہوتا تھا جب تک کہ اسکے شاگرد اسکے ساتھ حفاظت کے لئے ساتھ نہ ہوں نیز جو عدالت میں گرفتار ہوکر حاضر ہونے پر اپنے برخلاف الزامات کا جواب دلیری سے نہ دے سکا اور جسے خدا کی قدرت کاملہ پر یقین نہ تھا +

پھر ایک نہایت ہی لغو بات بتلائی جاتی ہے کہ جناب مسیح کو اپنے باپ کی سازش کا جو اس نے نسل انسان کی نجات کے لئے اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھانے کی کی تھی قبل از وقت علم تھا تاہم وہ صلیب سے بھاگتا تھا اور یہودا اسکر یوطی کے لئے اس نے برکت نہ مانگی۔ اگر کسی آدمی کو یہ علم ہو کہ اسکے شہید ہونے سے تمام دنیا کی نجات ہے تو وہ دو ہزار دفعہ بھی اپنی جان قربان کر دیگا۔ اور ہر دفعہ شہادت کے سخت ترین عذاب میں اپنے آپ کو ڈالیگا۔ اگر حضرت مسیح کی وفات واقعی اسی طرز پر ہوئی ہے جس طرح کہ متی نے لکھا ہے۔ تو پھر حضرت حسین اور سقراط کے ساتھ ازحد بے انصافی ہوگی اگر ایک ہی کتاب میں ان تینوں کی شہادت کا ذکر کیا جائے

حضرت مسیح کی بزدلی کی کوئی بھی دلیل نظر نہیں آتی - اُن کے بعد حضرت حسینؓ کی طرح نہ تو بیوی
اور بچے اور نہ کوئی اور نزدیکی رشتہ دار تھے اپنی ماں اور بھائیوں سے تو پہلے ہی منکر ہی تھے -
اس حالت میں مسیح کیلئے موت کا مقابلہ نہایت آسان امر تھا - سقراط کی نسبت تو یہ ظاہر ہے کہ اُسے
یقینی طور پر معلوم نہ تھا کہ بعد مرگ کیا ہوگا - البتہ جناب حسینؓ کو کامل یقین تھا کہ وہ سیدھا جنت
میں داخل ہونگے - اور حضرت مسیح کو بھی ایسی ہی اُمید ہونی چاہئے تھی - کیونکہ کوئی وجہ نہ تھی کہ
بقول یوحنا اُنہیں رُوحانی تکلیف ہوتی یا بقول لوقا وہ جان کندنی کے عذاب میں تھے
اور اُن کا پسینہ گویا خُون کے قطرے تھے جو زمین پر گر رہے تھے اور یا بقول مرقس اُنکی رُوح غم کے مارے
پرواز کرنے کو تھی *

حضرت مسیح کی شہادت نہایت دلیرانہ اور عظیم الشان تھی لیکن اس رنگ میں نہیں ہوئی
جس طرح اناجیل میں درج ہے یا عیسائی صاحبان کا اعتقاد ہے - وہ تو ان نہایت درخشندہ
ستاروں میں سے ایک تھے جو دُنیا کے آسمان پر دکھائی دیئے لیکن وہ ویسے نہ تھے جیسا کہ
ان کے شاگردوں یا متبعین نے ظاہر کر رکھا ہے - ایسا شخص جو بظاہر اُنکی پیروی کا مُدعی ہے
پطرس کی مانند ہے جو کہ ایک طرح اُن پر لعنت بھیجتا اور ان سے انکار کرتا ہے - جو نقشہ اُن لوگوں نے
حضرت مسیح کا اور ان کے چلن کا کھینچا ہے اس سے تو ایک صحیح دماغ انسان کو نفرت ہوتی ہے - ان کے
اعتقادات سے تو خدا کی ذلت ہوتی ہے جس کا جلال ظاہر کرنے کیلئے حضرت مسیح تشریف لائے وہ خدا کی طرف
جذبات منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے ایک بیٹا جنا - وہ خدا کو اس قسم کا منتقم خیال کرتے ہیں
جس کا غصہ فرو نہیں ہوتا جبتک کہ اسکے بیٹے کی جان نہ لیجائے - یہ لوگ ایسی باتیں کہ کر گناہ انسان کے
ساتھ ہی پیدا ہوا خدا کی بڑی بھاری صنعت کو بگاڑتے اور تباہ کرتے ہیں *

جناب مسیح کو خدا کی صُورت میں پیش کرنا باعث استہزا ہے - اور اس سے سمجھدار لوگ
مذہب سے بھاگتے ہیں عقلمند تو چاروں اناجیل کو پڑھ کر مذہب کی طرف سے لاپرواہ ہوجاتا ہے
اور جناب مسیح کو حقارت سے دیکھتا ہے - کیونکہ ان میں بہت بھاری اختلاف ہے - ایک میں دوسرے
سے مختلف واقعات درج ہیں - اور ایک ہی واقعہ کے متعلق حضرت مسیح کے مُنہ سے نکلے ہوئے مختلف
بیان ہیں - اگر کوئی شخص حضرت مسیح کے متعلق اناجیل پڑھ کر رائے لگائے تو وہ ان سے متنفر ہو جائیگا

اناجیل تو اُنہیں اس طرح پیش کرتی ہیں۔ کہ گویا وہ ہمیشہ متضاد باتیں کیا کرتے تھے +

ایک انجیل تو بتلاتی ہے کہ وہ اپنے قاتلوں کے لئے معافی کی دُعا کرتے تھے۔ اور چار انجیلوں میں ہے کہ وہ ایک انجیر کے درخت پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ کیونکہ اس سے ان کو بھوک کی حالت میں پھل نہیں ملا۔ حالانکہ وہ موسم اس کے پھل کا نہ تھا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جو شخص تلوار اُٹھائیگا وہ تلوار ہی سے تباہ کیا جائیگا۔ لیکن وہ اپنے شاگردوں کو تلوار خریدنے کا حکم دیتے ہیں خواہ اس امر کیلئے انہیں اپنی پوشاک ہی فروخت کرنی پڑے۔ وہ اپنی قوت و طاقت اور خدا کا جلال لوگوں پر ظاہر کرنے کیلئے معجزے دکھلاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی سے بھی ذکر نہ کریں کہ ان میں کس قدر طاقت ہے اور انہیں ملامت کرتے ہیں جو انہیں خدا کا بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ کہ میں قانون کو محکم کرنے آیا ہوں، نہ کہ توڑنے کے لئے۔ اور کہ آسمان و زمین ٹل جائیگا لیکن قانون کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی ٹل نہیں سکتا۔ لیکن وہ خود سبت کے متعلق قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس کے خلاف کر کے اسے تبدیل کرتے ہیں (متی باب ۵) +

ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے شاگرد ہی خدا کی بادشاہت کو دیکھ لیں گے اور ساتھ ہی کہتے ہیں سوائے خدا کے کوئی بھی بمعہ میرے نہیں جانتا کہ وہ بادشاہت کب ہوگی۔ وہ اپنے تئیں انسان کی اولاد بتلاتے ہیں۔ اور ان کا نسب نامہ یوسف کی طرف سے داؤد سے ملایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے مسیح ہونے کی پیشگوئی پوری ہو۔ لیکن اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہرگز یوسف کا بیٹا نہ تھا بلکہ رُوح القدس سے پیدا ہوئے تھے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ وہ سارے جہان کے لئے معلم بن کر آئے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی باب ۵ آیت ۲۴) +

خطبات لندن مسلم نمازگاہ

نمبر ۴

اسلام اور مسئلۂ قسمت

(از شیخ محمد صادق ڈوڈلے رائٹ)

معاندین اسلام جو الزامات آئے دن اسلام پر لگاتے رہتے ہیں انہیں سے ایک یہ ہے کہ اسلام قسمت کے مسئلہ کی تعلیم دیتا ہے۔ اور کہ قسمت کے خلاف انسانی جد وجہد کی بیچارگی کا مسئلہ اسلام میں نہایت شد ومد سے بیان کیا گیا ہے۔ اصلیت غالباً یہ ہے کہ قسمت کا مسئلہ فرقۂ جبریہ کی ایک شاخ میں عروج کمال کو پہنچا جو رفتار کائنات کو مجبوری ولا بد خیال کرتے تھے۔ جس میں اتفاق وحدوث کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ ان کے خیال میں قدرت علت ومعلول کی نہ ٹوٹنے والی زنجیر میں گرفتار تھی۔ قسمت ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو ہر ایک واقعہ کو جو پیش آتا ہے کسی علت عقیل کا فعل خیال نہیں کرتے بلکہ کورانہ مجبوری سمجھتے ہیں۔ یہ عقیدہ دہریت اور ہمہ اوسیت کی قسم سے ہے۔ اور اس کا ماخذ فلسفہ اور انسانی دماغ کا قابل رحم بگلہ پن ہے۔ برکلے کے خیال میں ہمہ اوسیت مادیت اور قسمت ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ جو دہریت محض ہیں جن پر ملمع سازی کی گئی ہے۔ اور تعلیم قسمت کو دہریت کی جائے پناہ قرار دیتا ہے +

اب مسئلہ مسلم ہے کہ اسلام دہریت کے خلاف ایک زندہ حجت ہے۔ اُس کا پہلا اور بڑا رکن اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور اُس کا دوسرا رکن ہے نماز جو ذات باریتعالیٰ کے عقیدہ کے بغیر بالکل بےمعنی ہوگی +

قسمت کا عقیدہ اپنے پیروؤں کو زندگی کی عام اغراض کی طرف سے بھی سست اور کاہل بلکہ بے حسی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر جیمس مارٹینو لکھتا ہے قسمت کا ہر ایک مسئلہ استحقاق کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کہ ہر ایک چیز کا انحصار قسمت پر ہے اور ہر ایک پیش آنیوالے

اسمعاملہ میں ایک راہ متعین کردی ہے پس اسی پر چلو اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔
بلاشبہ وہ خدا کے سامنے تجھے کوئی مدد نہیں دے سکتے اور تحقیق ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست
ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا رفیق ہے +

اسلام سکھاتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ کائنات کے حاکم اعلےٰ کے قوانین کے ساتھ مطابقت
کرے۔ واللہ یحب المطہرین۔ اللہ پاک لوگوں سے دوستی رکھتا ہے +

جب کبھی ہم اُن قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں بعض اوقات کسی مصیبت کے ذریعہ
اور بعض اوقات کسی بیماری کے ذریعہ ہم کو اطاعت و فرمانبرداری کے راستے پر لایا جاتا ہے +

وہ مصائب جو اللہ تعالیٰ ہماری بہتری کے لئے بھیجتا ہے وہ ہمارے لئے نعما ہیں۔ وہ تمام
اشیاء جو ہماری دانست میں اچھی ہوتی ہیں لیکن خدائےتعالیٰ کے نزدیک بُری ہیں وہ مضر ہیں۔
ورمشیت ایزدی ظاہربین آنکھوں کو خواہ کیسی ہی بُری دکھائی دے حقیقت میں اچھی ہے +

حضرت فاروق اعظمؓ کا فرمودہ ہے کہ جو شخص آگ میں گرا ہوا ہے اُسے راضی برضاء الٰہی
ہونا چاہئے۔ اور جو آگ سے باہر ہے کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے تئیں آگ میں ڈال دے +

اِنسان کی فطرت میں ایک ایسا میلان طبع ہے کہ اگر اُسے قابو میں نہ رکھا جاوے تو وہ
نسان کو گمراہ کردے +

واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا اباءنا واللہ امرنا قل ان اللہ
لا یامر بالفحشاء اتقولون علی اللہ مالا تعلمون (اور جب وہ کوئی بےحیائی
تے ہیں تو کہتے ہیں ہمنے اپنے آباواجداد کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے
بتحقیق اللہ بےحیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کے خلاف وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں
لم نہیں) +

وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھدھم حتی یبین لھم ما
قون۔ کسی قوم کی ہدایت کرکے اللہ اُسے گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو صاف طور پر بتا دیتا ہے
وہ کن چیزوں سے پرہیز کریں +

بجائے اسکے کہ انسان اپنی حیوانی خواہشات کا تابع ہوجائے ضرور ہے کہ وہ اُن کو اپنے

قابو میں رکھے۔ اس راستہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ انسان نفس لوامہ کی طرف متوجہ ہو۔ جو توبہ سے بڑھتا ہے اور اللہ تعالےٰ پر ایمان مضبوط۔ پاک اور کامل ہو جاتا ہے یعنی انسان پھر اپنی ہر ایک خواہش کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے +

انسان کوئی کل نہیں جسے ایک اعلےٰ اور بیرحم طاقت چلاتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی ذات حی و بصیر علیم و رحیم۔ اپنی مخلوق کی خالق اور انکی نگران حال اور انکی ہادی ہے کیونکہ بغیر اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے غلطی کا ان سے احتمال ہے۔ اسلام کے معنی ہی اللہ تعالیٰ کی کامل عبودیت ہیں بلکہ ہم کہینگے راضی برضاء الٰہی ہونا اور اسلام میں تقدیر یا قسمت ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ سب سے اعلےٰ مرتبہ جس پر فائز ہونے کی انسان کوشش کر سکتا ہے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ پوری مطابقت کرے +

تمام مجموعہ مناجات میں سب سے مشکل اشعار جن کو اپنی روح میں پیوست کر لینا چاہئیے اور جن کو اپنا بنا لینا چاہئیے ان کا ترجمہ یہ ہے :-

میری مرضی کو ہر روز اپنے قابو میں رکھ۔ اسکو اپنی مرضی کے ساتھ چلالے۔ اور میرے دل سے وہ سب کچھ نکال کر پھینک دے جو مجھے یہ کہنے سے روکتا ہے کہ تیری مرضی پوری ہو +

ذات الٰہی کے وہ اوصاف جن کا تمام دیگر اوصاف کی نسبت قرآن کریم میں زیادہ ذکر آتا ہے الرحمٰن اور الرحیم ہیں یعنی رحم کرنیوالا نہایت مہربان۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا یہ مفہوم ایسا ہے جس کو ہمیں ایمان کے مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لینا چاہئیے۔ روحانی زندگی ضروری ہے کہ اپنی خوراک روحانی سرچشمے سے وصول کرے۔ اللہ تعالےٰ کے حضور میں متواتر مناجات اور تذلل ہونا چاہئیے۔ نہیں کہ وقفے ڈالکر اس کے حضور میں رجوع کیا جائے۔ یہ ایک دوامی حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں ان کو ہمیشہ نئی طاقت ملتی رہتی ہے عمل کا یہ آتا ہے کیونکہ اس رجوع کے انتظار کے بعد وہ عقابوں کی طرح پردں کے ساتھ اوپر چڑھینگے۔ وہ دوڑیں گے اور ان کو تکان نہیں ہوگی۔ وہ چلیں گے اور ان کو کمزوری محسوس نہ ہوگی"۔ شور و غوغا کی ظاہرداری سے سود ہے۔ طاقت سکون اور بھروسے میں ہے۔ جب یہ کیفیت

حاصل ہو جائے نماز اگر اس سے پہلے کبھی بوجہ معلوم نہ ہوئی ہو تو اب بار معلوم نہیں آتی۔ یہ فرض سبکی افضل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک طرح خاص رعایت ہو جاتی ہے۔ اور روحانی تکلم کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے بہشتی زندگی میں داخل ہونے کے لئے ہمیں کسی مستقبل بعید کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بہشت دور نہیں رہتا۔ بلکہ فوراً مل جاتا ہے +

میرے مولا مجھے کوئی غم نہیں۔ کیونکہ میرے غموں کو تو نے اپنا بنا لیا ہے میرے مولا میں ظفر و شادمانی میں رہتا ہوں۔ کیونکہ تم نے اپنے خزانے سے مجھے یہ شادمانی عطا کی ہے +

متی کی انجیل کے ۲۶ ویں باب میں جو باغ والی تین دعائیں مرقوم ہیں۔ ان دعاؤں کے بعد حضرت یسوع مسیح کی کیفیت قلبی میں جو عجیب تبدیلی ہو جاتی ہے اس میں اسلام کی ایک حیرت انگیز مثال موجود ہے پہلی دعا سے پہلے یسوع نے کہا تھا "میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے" پھر وہ اپنے شاگردوں سے الگ ہو گیا۔ اور غم و اندوہ کے درد کے ساتھ یوں دعا کرنے لگا" اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا فقرہ ادا کرنے سے پہلے آواز میں کچھ وقفہ ہوا۔ جو غالباً میلان طبع اور فرض شناسی کے درمیان جدوجہد کا وقت تھا۔ تب اس دعا کا دوسرا اور آخری فقرہ ادا ہوا جو شاید ایک دبی ہوئی چیخ کے بغیر نہ تھا۔ تاہم جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو" اس وقت دو فرائض پیش نظر تھے ایک خودی اور دوسرا مستبعد۔ پس وہ اٹھا اور شاگردوں کے پاس گیا لیکن وہ سو رہے تھے۔ لہذا وہ پھر دعا کی طرف متوجہ ہوا لیکن اب دعا کا لہجہ بدل چکا تھا۔ اب ایک ارفع و اعلےٰ ہستی کے سامنے کامل عبودیت کا لہجہ اس پر مستزاد تھا۔ جو صدق اور خلوص والی دعا کا ہمیشہ نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ زبان سے ادا کی جائے یا نہ کی جائے۔ اگر یہ میرے پئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو"۔ دعا قبول ہو چکی تھی۔ اور اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ کے سامنے کامل فرمانبرداری کا انعام مل چکا تھا۔ لیکن اس کے شاگرد سو رہے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ نہیں سمجھتے کہ کیا ہونے والا ہے۔ ان کو جگانا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کو بھی جاگنا اور دعا کرنا ہے پس یسوع پھر ان کو جگانے جاتا ہے لیکن انجیل میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ وہ اس وقت

جا گرے۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ یسوع دعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کرنے کے لئے پھر واپس گیا تا کہ رضا الٰہی کے سامنے اپنی فرمانبرداری کو مضبوط اور مستحکم کرے۔ اب دعا میں تبدیلی کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ انسانی خواہش مشیت ایزدی کے سامنے سر بسجود ہو چکی تھی پس وہ پھر گیا۔ اور تیسری بار آلٰہی الفاظ میں دعا کی۔ اب ذرا ان مراحل ترقی پر غور کرو۔ پہلے تذبذب ہے پھر تسلیم خم ہوتا ہے۔ اور آخر کار طاقت آتی ہے۔ اور جب نیم شبی میں خمار آلود اور تکان سے چور شاگردوں کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اٹھو چلیں تو ہمیں اس حکم میں ایک خوشی کا نعرہ۔ ایک شادمانی کی لہر اور راضی بقضاء الٰہی کی راحت نظر آتی ہے۔ دعا سے پہلے وہ منہ کے بل گرا تھا۔ اب دعا کے بعد وہ اٹھتا ہے۔ اور محبت اور شوق کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کرنے جاتا ہے۔ یہ سب دعا کا نتیجہ تھا۔ اور جو کچھ یسوع کیلئے ممکن ہے سب کے لئے ممکن ہے۔ یہ تمام نظارہ اس قدر بشریت کا رنگ رکھتا ہے کہ جونہی ہم یسوع کو قادر مطلق اور علیم و خبیر فرض کرتے ہیں۔ اسکی خوبی فوراً زائل ہو جاتی ہے۔ پہلی دعا کے وقت جو اس کے قلب کی کیفیت تھی۔ اس سے خود غرضی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ خود غرضی عوام کی خود غرضی سے زیادہ مہذب اور شستہ ہے۔ یہ خود غرض دعا بن جاتی رہی۔ اور اسکی جگہ رضاء الٰہی کے سامنے کامل فرمانبرداری نے لیلی +

مذہب اس وقت کامل ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے پورے طور پر جھک جاتا ہے۔ اور اپنی نجات اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنی تمام مادی اغراض و خواہشات کی قربانی میں تلاش کرتا ہے۔ ایک دوسرے شخص کے نیک اعمال یا قربانی پر ذہنی ایمان لانے سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی "باپوں کو بچوں کی خاطر قتل نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ بچوں کو باپوں کی خاطر قتل کیا جائیگا ہر ایک شخص اپنے گناہوں کی پاداش میں قتل کیا جائیگا (پرانا عہد نامہ) ہر ایک شخص اپنا ہی بوجھ اٹھائیگا" (نیا عہد نامہ) مسئلہ اطاعت کی ذہنی قبولیت سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ نجات الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال سے عقیدہ سے نہیں بلکہ چال چلن سے حاصل ہوتی ہے۔ نجات کے راستے میں پہلا قدم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنی مرضی"

اپنے قوٰے۔ اپنے رُجحانات اور اپنے مقاصد قربان کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اسکی رضا سے زیادہ ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں ہونی چاہئیے یہ ایسی خیالی زندگی نہیں جس کا حاصل کرنا ناممکن ہو۔ جو زمانہ سابق کے انبیاء اولیاء نے کر دکھایا ہے۔ اسی زمانے کے مرد عورتیں بھی کر سکتے ہیں۔ اس کا سرچشمہ کوئی رازِ سربستہ نہیں ہے۔ یہ مقصد اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا اصُول اور مُدعا بنا لینے سے حاصل ہو جاتا ہے +

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ کسی شخص کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جو کچھ وہ کماتا ہے۔ اسی کو ملتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے اسکا اجر اسی کو ملتا ہے +

اللہ تعالیٰ کی مرضی کی فرمانبرداری قسمت نہیں ہے بلکہ اس کا ثمر سکون اطمینان ہیم اور بے سُود پریشانی سے نجات۔ امن اور اطمینان کا بھروسہ اور اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحمت کی راحت ہے۔ رُوحانی زندگی زیادہ حقیقی۔ قوی اور آزاد ہو جاتی ہے۔ اور حیوانی زندگی زیادہ محبُوس ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انبیاء سابق خدا کے ساتھ چلتے تھے۔ یہ حالت اللہ تعالیٰ کی مرضی کی کامل فرمانبرداری اور جلال خداوندی کو پُورے طور پر پیش نظر رکھنے کا نتیجہ تھی۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ تکلم و تخاطب کے دروازے اب بھی ایسے ہی کھلے ہیں جیسے آگے تھے۔ لیکن یہ منزل آسان نہیں۔ اور راستے میں بہت مشکلات ہیں صرف صادق لوگ ہی ان راہوں میں چل سکتے ہیں +

مولا۔ جو کچھ چھوٹا یا بڑا فاصلہ ہم کریں۔ جو کچھ ہم بولیں اور جو کچھ خیال کریں۔ وہ سب تیری بڑائی کے واسطے ہی ہو۔ اور ہم کسی فرض سے گھبرا نہ جائیں یا الرحمٰن الرحیم۔ تجھ ہی سے ہم پناہ اور فضل مانگتے ہیں۔ تو ہمیں اپنے فضل سے صراط مستقیم پر چلا اور قائم رکھ +

اسلام، عیسائیت اور مسئلہ قسمت

اسلامک ریویو: جو قسمت کا مسئلہ جیسا کہ مغرب میں اسے سمجھا جاتا ہے قرآن میں ہرگز نہیں ہے۔ بھی
اس کا الزام قرآن کے ذمہ لگا دیا گیا ہے۔ اسلام سے بہت پہلے یہ عقیدہ موجود تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب
اس دنیا میں جہالت آئی ہے یہ عقیدہ بھی اسی وقت سے ہے۔ یہ ان لوگوں کا مایۂ تسکین و تسلی ہوتا تھا۔ جو اکثر
اپنی ہی حماقت اور سرکشی کا شکار ہوتے تھے غلطیاں چونکہ انسان سے تقاضائے بشریت سرزد ہوتی ہی ہیں
وہ ہمیشہ طلبیار رہتے ہیں کہ اپنے قصور دوسروں کے سر منڈھ دیں۔ اپنے آپ کو اپنے مصائب کی وجہ قرار دینا
تو بڑی رنج دہ اور خوفناک بات ہے۔ یہ ذہنی تکلیف اس قدر زیادہ اور گہری ہوتی ہے۔ کہ بہت کم لوگ اسکو
برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ تو نہایت ہی ہراسان اور غم زدہ کر دینے والی بات ہے۔ انسان اس کرب سے
گھبراتا ہے۔ اور اپنی مصیبتوں کی وجہ دوسروں کو قرار دینے سے اس کے دل کو بڑی تسکین ملتی ہے۔ وہ بعض اوقات
اپنی مصیبتوں کی وجہ معلوم نہیں کر سکتا۔ تو اس صورت میں قسمت اس کا آخری ٹھکانا ہوتی ہے۔ مسئلہ
قسمت کی پیدائش کی یہی تاریخ ہے اور یہ عقیدہ ان قوموں میں ضرور قبولیت حاصل کرتا ہے جو کسی زمانہ میں
اقوام عالم میں معزز حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن اب اپنے اعمال کی وجہ سے دن بدن ذلیل ہو رہی ہیں۔ یہ ایک
قدرتی امر ہے کہ کوئی مسلمان جو اپنے آپ کو مصائب سے گھرا ہوا دیکھتا ہے ایسے خیالات کے اظہار سے
اپنے دل سے بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہے یا وہ ہی الفاظ میں قسمت کے عقیدہ کی تائید کرتے ہوں لیکن اس قسم کے خیالات کا اظہار
کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسلام اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے بلکہ برخلاف اسکے وہ اس عقیدہ کو باطل ٹھہراتا ہے +
اسکی وجہ بتانا مشکل نہیں ہے کہ بعض اسلامی تصنیفات میں یہ عقیدہ کس طرح داخل ہو گیا۔ اس عقیدہ
کو مسئلہ تقدیر کے ساتھ اکثر خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم ان ہر دو مسائل کے درمیان تفریق کرتی
ہے لیکن جو لوگ حرکت اور لے کے مسئلہ کے متعلق غلط خیالات ذہن نشین کئے ہوئے تھے انہوں نے
قرآن کریم کی بعض آیات کی جو اس مضمون پر ہیں غلط تاویل کی۔ آیات قرآنی کا اقتباس پیش کرنے سے
پیشتر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بارہ میں اسلامی تعلیمات کسی قدر بیان کی جائیں۔ ان تعلیمات کا تجربہ
کر کے جب دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قسمت کے عقیدہ کے قطعی خلاف ہیں۔ قسمت ہر شے کو ناگزیر
بنا دیتی ہے لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ بدی انسانی فعل سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے بچا جا سکتا ہے قسمت کے
عقیدہ کی رو سے مصیبت اٹل اور تقسیم ازل کے حکم کے ماتحت ہے لیکن اسلام سکھاتا ہے کہ یہ ہماری لاعلمی

یا قانون کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہے۔ قسمت کا ماننے والا مجبوراً یہ مانتا ہے کہ نیکی اور بدی اللہ تعالیٰ نے پیشتر سے ہی مقرر رکھی ہے لیکن مسلمانوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ ایمان رکھیں کہ نیکی اور بدی محض بحکم قدرت اللہ سے آتی ہے۔ اور بدی انسانی تحصیل ہے۔ علاوہ ازیں قسمت کے عقیدے سے یہ نتیجہ ناگزیر ہوگا کہ انسان میں لامحدود ترقی کی قابلیت موجود نہیں ہے۔ اور قانون اور اس کی بجا آوری کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ اسلام اس قابلیت کی موجودگی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ارتقاء انسانی کیلئے قواعد و ضوابط نافذ کرتا ہے۔ قسمت نیکی و بدی میں تمیز کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔ اسلام سکھلاتا ہے کہ انسان کو نیکی و بدی میں تمیز کرے۔ اور ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی سمجھ دی گئی ہے۔ لہذا انسان اپنی قوت ممیزہ کے استعمال کا ذمہ دار ہے۔ اسی وجہ سے علت و معلول کا مسئلہ اسلام میں ایک عقیدہ بن گیا۔ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی انسانی عقل کو مضبوط کرنے کے لئے سکھایا جاتا تھا۔ کہ غیر متبدل قوانین کے ماتحت نیکی سے نیکی اور بدی سے بدی مجبوراً پیدا ہوگی۔ یہ مقدر ہو چکا ہے۔ پس علت و معلول کا سلسلہ ایک قانون الٰہی ہے خواہ تم اسکو تقدیر کہو یا قسمت۔ قرآن کریم میں یہی سکھایا گیا ہے۔ یہ تعلیم قسمت کے عامیانہ مفہوم کے قطعی خلاف ہے قرآن کریم اور احادیث نبی صلعم کے مندرجہ ذیل اقتباسات سطور بالا کی تائید کرتے ہیں:-

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (اپنے پروردگار اعلیٰ و برتر کی تسبیح و تمجید کر جو پیدا کرتا ہے اور مکمل کرتا ہے اور اشیاء کو مقررہ اندازہ سے پیدا کرتا ہے اور انکی ہدایت کرتا ہے) وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ (یعنی اس نے ایک قانون بنا دیا ہے جس کے ماتحت اگر انسان بعض اشیاء کو ملائے یا علیحدہ کرے۔ تو اس سے نیکی یا بدی کا پیدا ہونا لازمی ہوگا۔ اور چونکہ انسان کو علم اور تمیز عطا کی گئی ہے وہ ان چیزوں کو ترک کر سکتا ہے جن سے بدی پیدا ہوتی ہے اور ان کو اختیار کر سکتا ہے جن سے اچھائی پیدا ہوتی ہے) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین امنوا و عملوا الصّٰلحٰت فلهم اجر غیر ممنون (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہایت ہی اعلیٰ قابلیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے لیکن وہ بعض اوقات تنزل کی راہ بھی اختیار کر لیتا ہے لیکن اگر وہ ایمان لائے اور شریعت کی پابندی کرے اور اعمال صالحہ کرے۔ تو وہ نہ ختم ہونے والے انعامات کا محدود ہو جائیگا۔ روح انسانی میں ایک توازن قائم کیا گیا ہے اور اسکو

نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی سمجھ دیگئی ہے (ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا و تقوٰھا) جو کچھ بھلائی انسان کو پہنچتی ہے وہ منجانب اللہ ہی پہنچتی ہے۔ اور جو کوئی تکلیف اسے پہنچتی ہے وہ اپنی جان سے ہی آتی ہے (ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک) جو کچھ انسان پر مصیبت پہنچتی ہے یہ اُسکے اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا ہوتا ہے پھر بھی اللہ تعالٰے بہت معاف کر دیتا ہے (وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر) جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ قیامت کے دن اُسے دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لیگا (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ) اللہ تعالٰی کسی شخص کو اُسکی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو کچھ وہ کماتا ہے اُسی کو ملتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُسی کا اجر وہ پاتا ہے (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت)

یہ ہے دینِ اسلام جو اس عقیدہ مبحوث فیہ کا ہر طرح سے ابطال کرتا ہے ہم حیران ہیں کہ کس طرح یہ عقیدہ قرآن کریم کے نام منسوب کیا جا سکتا ہے جس کی پہلی ہی آیت قسمت وغیرہ کے تمام عقاید کا ابطال کرنے کے لئے کافی ہے الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰے کیلئے ہی ہیں جو اس کائنات کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے والا ہے اور جو انسام قوی کو جو اس نظام کائنات میں پوشیدہ ہیں ترقی دیتا ہے۔ اور جس نے وہ تمام اشیا پیدا کیں جن کی انسانی نشو ونما اور ارتقا کے لئے ضرورت ہوتی ہے اور جو بیش بہا اور لا انتہا انعامات ہم کو عطا کرتا ہے جب ہم اُس کے پیدا کردہ اسباب کو اپنے فائدہ کیلئے استعمال میں لاتے ہیں اور جو ہمارے اعمال سیئہ کی ہم کو سزا دیتا اور نیک اعمال کا اجر دیتا ہے اللہ تعالٰی کی یہ چار صفات جو قرآن کریم کی پہلی آیت میں مذکور ہیں فی الجملہ وفی نفسہا قسمت کے عقیدہ کے خلاف ہیں۔ اگر قسمت کا عقیدہ درست ہے تو ترقی کا راستہ ہر ایک کیلئے کھلا نہیں ہو سکتا لیکن رب اور رحمٰن کے الفاظ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالٰے انسانوں کی انفرادی ترقی چاہتا ہے۔ وہ ہر ایک فرد واحد کو اعانت کرے۔ اور اسکی ترقی میں امداد دینے کیلئے ہر وقت طیار ہے۔ اور جو اسباب اس نے پیدا کئے ہیں۔ وہ سب کے لئے یکساں موجود ہیں کسی خاص منعم علیہ گروہ کیلئے محدود نہیں ہیں علاوہ ازیں قسمت کے عقیدہ کے مطابق ہم

آئندگل میں اور ہمارے افعال اضطراری ہیں اور فطری ہیں۔ لہذا ہم کسی انعام کے مستحق نہیں ہیں۔ اور نہ کسی سزا کے۔ تو جب ہمیں رحیم اور مالک یوم الدین پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال حسنہ کا ہم کو بدلہ اچھا ملیگا۔ اور ہمارے اعمال بد کی ہم کو سزا ملیگی۔ غرضیکہ جو مذہب اسی کے اصول پر ہو اور آخرت میں اسلامی راحت اور کامیابی ایک بڑی حد تک عقائد حسنہ کے ساتھ قوانین کی بجا آوری پر منحصر کرتا ہے اور سکھاتا ہے کہ اس جہان میں اور عاقبت میں تمام مصائب و آلام اکتسابی ہیں۔ اسے کسی طرح بھی قسمت کے عقیدہ کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہ امر کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال حسنہ کی بھی تلقین کرتا ہے۔ روز روشن کی طرح ظاہر ہے +

عیسائیت قسمت کا عقیدہ ہے

برخلاف اس کے جو مذہب یا عقیدہ کسی خاص مسائل پر ایمان لانے کو ہی نجات کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہو وہی عقیدہ قسمت کی طرف راجع ہوتا ہے۔ بعض عقائد پر ایمان لاؤ تو نجات ملجائیگی۔ اور اگر نہ ایمان لاؤ تو تم مع تمہارے تمام اعمال حسنہ کے دائمی جہنم میں جاؤ گے۔ پس نجات اور عذاب عاقبت محض اتفاقات ہیں اس طرح پر نجات بعض لوگوں کا مقدر ہو رہا ہوتا ہے اور دوسروں کو دائمی موت اور سزا ملتی ہے۔ اور کہ وہ عقائد کی تبدیلی کیلئے تیار نہیں ہوتے اور نہ ہی کوئی لوگ اس عقیدہ کو جو کہ وہ بچپن کے حالات نے ان کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہو سے ہی خیال بھی نہیں ہوتے۔ وہ جس عقیدہ میں پیدا ہوتے ہیں اسی میں مرجاتے ہیں۔ اگر وہ بالاتفاق سو کسی پسندیدہ عقیدہ کو قبول کریں۔ تو وہ ناجی ہو جاتے ہیں۔ اگر نہ کریں۔ تو عاقبت کا عذاب ان کا حصہ ہو۔ تو وہ ناجی ہو جاتے ہیں۔ اگر نہ کریں۔ تو عاقبت کا عذاب ان کا حصہ ہے۔ یہ ہے قسمت کا عقیدہ لہذا عیسائیت اور قسمت کا عقیدہ حقیقت میں مترادف ہیں۔ کامن پریئر بک (کتاب نماز عام) کو کھولو۔ اس میں یہ لکھا ہوا پاؤ گے :-

"جو کوئی نجات پائیگا۔ سب سے پہلے یہ مقدم اور ضروری ہے کہ وہ کیتھولک عقیدہ رکھتا ہو۔ اور جو کوئی اس عقیدہ کو ثابت اور پاک نہیں رکھیگا۔ بلاشبہ وہ دائمی موت کا شکار ہوگا + اور کیتھولک عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہم ایک خدا تین میں اور تین میں ایک کی عبادت کرتے ہیں" +

کیا وجہ ہے کہ وہ لکھو کہا انسان جو اپنی زندگی میں کبھی بھی نیک بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور

عیسائیوں کے گھروں میں پیدا ہونے کی وجہ سے جو عقاید طفولیت میں انکو سکھائے جاتے ہیں انکو بلا سوچے سمجھے قبول کر لیتے ہیں نجات پاجائیں ورود کروڑہا انسان جو مسئلہ کفارہ کی قبولیت کے حق میں نامساعدت حالات کی وجہ سے مسیح پر ایمان لائے بغیر مرگئے ابدی موت کا شکار ہوں۔ اور کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ جو ان قطعات ارض میں بود و باش رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں جہاں عیسائی مشنری اب تک نہیں پہنچے ابدی جہنم میں جھونک دئے جائیں۔ انہوں نے مسیح کا نام کبھی نہیں سنا اور ان کو کلیسیا کے عقاید کی رازسربستہ خوبیاں جاننے کا کوئی موقعہ نہیں ملا۔ اور ان لاتعداد شیرخوار بچوں کا کیا حال ہوگا جو قبل از وقت مرجاتے ہیں۔ اور غیر ناجی خاندانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے کلیسیا کی اس بے معنی رسم کی رعایت کے نیچے نہیں آتے جس سے دینی باپوں اور دینی ماؤں کا گروہ پیدا ہوگیا ہے یہ تمام مختلف اقسام کی روحیں بوجہ ایسے حالات کے جن پر ان کو کوئی قابو نہیں تھا دائمی عذاب میں گرفتار ہونگی۔ یہ ہے خالص اور سرتاپا عقیدۂ مست۔ خیالات بالا بہ تغیرات ضروریہ کرم یعنے تناسخ کے عقیدہ پر بھی حاوی آتے ہیں جس کے رو سے ہماری موجودہ زندگی کی راحت و غم آیندہ خاص دلچسپی رکھتا ہے اور ہم آیندہ کسی فرصت میں اس کے متعلق کچھ لکھیں گے +

نمبر (۵)

صفاتِ الٰہی

از قلم جناب خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ لِلنَّاسِ

حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (سورہ آل عمران رکوع ۲)

ترجمہ تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے نہ کفایت کرینگے اُن کے مال اُن کے اور اولاد اُنکی اللہ سے کچھ۔ اور یہ لوگ وہی ہیں ایندھن آگ کے جیسی عادت لوگوں فرعون کی اور جو لوگ کہ پہلے ان سے تھے جھٹلایا انہوں نے نشانیوں ہماری کو پس پکڑا ان کو اللہ نے ساتھ گناہوں انکے کے اور اللہ سخت عذاب کرنیوالا ہے۔ کہہ واسطے ان لوگوں کے کہ کافر ہوئے شتاب مغلوب ہوگئے تم اور اکٹھے کئے جاؤگے طرف دوزخ کے اور برا ہے بچھونا + تحقیق ہے واسطے تمہارے نشانی بیچ دو جماعت کے کہ آملیں ایک جماعت لڑتی ہے بیچ راہ اللہ کے اور دوسری کافر تھی دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو دو برابر اپنے دیکھنا آنکھ کا۔ اور اللہ قوت دیتا ہے ساتھ مدد اپنی کے جس کو چاہے تحقیق بیچ اس کے البتہ نصیحت ہے واسطے آنکھ والے کے۔ زینت دگئی واسطے لوگوں کے محبت خواہشوں کی عورتوں سے اور بیٹوں سے اور خزانے اکٹھے کئے ہوئے سونے سے اور چاندی سے اور گھوڑے نشان کئے ہوئے اور چارپائے اور کھیتی۔ یہ فائدہ ہے زندگانی دنیا کا۔ اور اللہ نزدیک اسکے ہے اچھی جگہ پھر جانے کی۔ کہہ کیا خبر دوں میں تم کو ساتھ بہتر کے اس سے واسطے ان لوگوں کے کہ پرہیزگاری کرتے ہیں نزدیک رب انکے کے بہشتیں ہیں چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہنے والی بیچ اسکے اور بیبیاں ہیں پاک کی ہوئی اور رضامندی اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے ساتھ بندوں کے۔

یہ رکوع جو میں نے اب تلاوت کیا ہے قرآن شریف کی بڑی بڑی صداقتوں میں سے بعض کی طرف ہماری توجہ کو مبذول کرتا۔ یہ آیات ہماری مذہبی صداقتوں ہی کو ظاہر نہیں کرتیں بلکہ وہ راہ اور طریقے بھی بتلاتی ہیں جن سے ان آیات پر کامیابی کے ساتھ عملدرآمد ہو سکتا ہے مذہب سے مراد اس قسم کے سادے اور عام اعتقادات ہی نہیں جو کہ ہم اپنی ماں کی گود میں سیکھتے ہیں اور نہ یہ کوئی

ایسا ناقابلِ عمل عقیدہ پیش کرتا ہے جس کی ناواقفیت ان پر عمل نہ کرنے کے لئے کافی عذر خیال کیا جائے
مذہب کی غرض ان باتوں سے بالاتر ہے۔ ہم اب آیات بالا کی تعلیم کو اسوۂ رسول کی روشنی میں دیکھتے ہیں مثلاً
اگر بعض کا خیال ہو کہ مذہب کی بڑی غرض و غایت جناب مسیح کے خون پر اعتقاد رکھنے سے
پوری ہو جاتی ہے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لاکھوں کہا مخلوق کا کیا حشر ہوگا جو حضرت مسیح کے
خود اس دنیا میں ظاہر ہونے سے پیشتر زندہ رہکر فوت ہو گئے۔ اور یہی سوال واقعہ صلیب کے متعلق ہمارے
اعتقاد پر ہو سکتا ہے۔ یہ صریحاً ایک عذر لنگ ہے کہ خدا نے اپنا پرانا نظام بدلکر دنیا کو جناب مسیح کے ذریعہ
ایک نیا نظام عطا کیا۔ اور پرانے نظام کو بالکل منسوخ کر دیا۔ اس عذر کو قبول کرنا گویا خدا کی صفت
ہمہ دانی سے اُسے محروم کرنا ہے اور نیز یہی ماننا پڑیگا کہ خدا ہماری قوتوں سے ناواقف تھا۔ اور وہ یہ نہ جانتا
تھا کہ انسان اس کے احکام اور اسکی شریعت پر عمل کرنے سے قاصر ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں تو پھر کیوں
اس نے اپنی مخلوق کیلئے پہلے ایک نظام مقرر کیا۔ اور پھر یہ معلوم کر کے کہ وہ اس بوجھ کو نہیں
اُٹھا سکتی تو اس پر اپنا فضل کر دیا۔ اب ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور
پوچھتے ہیں۔ کہ خدا کی عنایت اور فضل اسکی لاکھوں کہا مخلوق تک کس طرح پہنچ سکتا ہے جو جناب مسیح
کے ذریعہ خدا کا کلام دنیا میں آنے کے بعد بھی نہ سُن سکے عیسائی مذہب کا چرچا تمام دنیا میں
ہو رہا ہے تاہم ابھی ایسے مقامات موجود ہیں جہاں یہ مذہب یا جناب مسیح کی آواز نہیں پہنچی۔
حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کا فضل سب کے لئے یکساں ہے۔ اس نے دنیا کو ایک ہی انداز پر بنایا ہے جب
اس نے اپنی عنایات جسمانی لحاظ سے سب کو برابر برابر عطا کی ہیں تو اپنی روحانی الطاف کا دروازہ
بعض پر بند کرنا کیوں کر پسند فرمائیگا سورج کی کرنیں تمام کی آنکھوں پر ہوتی ہیں۔ اسی طرح
خدائی نور کے شعلے بھی سب تک پہنچتے ہیں۔ اس طریق استدلال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مذہب
سچا نہیں ہو سکتا جو انسان کو اپنے احکام کی تابعداری پر مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن برعکس اس کے
ہمارا دعویٰ ہے کہ انسان کی فطرت ہی میں مذہب کے صحیح اصول کندہ ہوئے ہیں۔ انسان
اخلاقی پہلو سے اپنے اندر بعض قوتیں اور طاقتیں ایسی رکھتا ہے جو پرورش کی محتاج ہیں
اور اس کے اندر اس راہ پر چلنے کی خواہش ہے جس پر قدم مارنے سے یہ قوتیں ترقی حاصل کرتی
ہیں۔ اور اس اصول ہی کا نام مذہب ہے جو قوموں کی ترقی و تربیت کے عمل کو حقیقت کر دکھلاتا ہے

انسان اپنی فطرت کی بناء پر اپنے شغلوں کا ذمہ وار ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ انسانی اعضا جن میں خوراک جاتی ہے کوئی ایسی چیز قبول نہیں کرتے جو انہیں مضرت پہنچائے۔ جہانتک ان اعضا کا تعلق ہے ہماری فطرت کے اختیار میں ہے کہ صحیح قسم کی خوراک کو پسند کرے۔ اور خراب یا غلط قسم کو رد کر دے۔ اگر ہمارے معدہ میں مکھی چلی جائے تو معدہ میں اسکے آنے سے سخت فتور پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے روحانی اعضا بھی پرورش کے محتاج ہیں۔ اور فطرت کے مطابق وہی مذہب ہے جو روحانی اور اخلاقی قوی کو مضبوط بنا دے چنانچہ قرآن شریف ذیل کی آیات میں اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے +

فطرۃ اللہ الذی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم۔

انسان کی فطرت ہی اس کا مذہب ہے اور اس کی قوات کے نمو اور اظہار کے ساتھ ہی اس کے اندر مذہبی تحریک و تمیز پختہ ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے تمام الہامات صرف اسی صداقت کو یاد دلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ ہمارے اندر بڑی کام کی قوتیں رکھی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم آخرش ان شاہراہوں پر چلتے ہیں جن کا ہماری فطرت کو علم ہوتا ہے۔ اور پھر الہامات براہ راست رہبری کے لئے ہوتے ہیں۔ جن سے ہماری اخلاقی ہستی بہتر اور مضبوط ہوتی ہے پس تمام الہامات بطور یاددہانی کے ہیں۔ اور اسی سے قرآن شریف اکثر انہیں **ذکر** یعنے یاددہانی کے نام سے پکارتا ہے +

اگر ہم ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنی ہستی پر غور کریں نیز ان جسمانی اور اخلاقی عناصر پر جن سے اسکی ترکیب ہوتی ہے اور ان ذرائع پر جو اُن کے پرورش اور نمو میں مدد دیتے ہیں پھر ان چیزوں کے لئے اپنی تلاش پر جن سے خوشحالی اور ترقی زیادہ محفوظ اور پائدار ہو جاتی ہے اور اپنے ارد گرد ان چیزوں کی موجودگی پر بھی تدبر کریں جو نہ صرف ہمارے وجود ہی کی پرورش کرتی ہیں بلکہ ہم میں اس امر کی تحریک پیدا کرتی ہیں کہ ہم زیادہ عمدگی اور قوت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں تو یہ ثابت ہو جائیگا کہ اس قسم کے قواعد و ضوابط کی موجودگی میں جن کے ماتحت ہمارے تمام مذکورہ بالا حالات جسمانی و مادی صورت اختیار کرتے ہیں +

کیا ہم سب باعث ہے کہ اس بڑی ہستی کا پتہ نہیں چلتا جس نے دنیا کو پیدا کیا اور نہایت عجیب و بااریک دریاریک نظام بنایا۔ یعنے اس مالک کا جس نے ہمیں ضروری چیزیں عطا کیں اور ان قوتوں کو نشوونما دینے کے لئے ہم میں جوش اور زندہ خواہش ڈال دی۔ اور آخرش چند ایک صاف اور اٹل قوانین کے ماتحت ہماری ترقی کو آسان کرنے کے لئے تمام ذرائع مادی وغیرمادی کو بہم پہنچا دیا اسی ہستی کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں رب ہے۔ اور اس قسم کے رب کو پہچاننا اور اسکی فرمانبرداری کرنا ہماری فطرت میں بطور ودیعت رکھا ہے۔ اپنے آپ اور اپنی فطرت سے یہی سوال کرو۔ جواب فوراً پاؤ گے کہ اس قسم کے رب اور مالک کی اطاعت نہایت ضروری ہے اسلئے جو مذہب ہماری زندگی کی اس مرکزی حقیقت کو ذہن نشین کراتا ہے۔ اس قابل ہے کہ بمقابلہ دیگر مذاہب کے تمام منطقی اور سمجھدار نیز سادہ لوح اور سیدھے اسکی پیروی کریں۔ قیامت کے دن جب انسان اپنے خالق کے روبرو حاضر ہوگا۔ تو وہ اپنی مخلصی یہ کہکر نہیں کرا سکتا کہ اس کے والدین نے اسے کسی مذہب کی تعلیم نہیں دی۔ یا کسی استاد نے اسے کوئی مذہب نہیں بتلایا بلکہ ہمارے اندر ہی ایک مذہب اور سچا مذہب ہے۔ اگر ہم اسکی طرف سے غفلت کریں اور اپنی فطرت کے پیچھے نہ چلیں تو ہم اپنے لئے اسی طرح ایک دوزخ تیار کرتے ہیں جس طرح کہ ہم اسکی متابعت کرنے سے اپنے لئے بہشت کا سامان بناتے ہیں۔ غرض کہ سچا مذہب ہے جس کی وجہ سے ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہماری فطرت کا اظہار ہوتا ہے۔ الہامات جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں ہماری فطرت کو اس کے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہوا نہیں دیکھتا جو کان رکھتا ہوا نہیں سنتا اور صحیح دماغ رکھتا ہوا غور نہیں کرتا۔ وہ حقیقت میں اپنی فطرت کی مخالفت کرتا ہے وہ سچ تو یہ ہے کہ اپنے لئے دوزخ تیار کرتا ہے۔ وہ دوزخ جس کی طرف قرآن مجید کی آیات ذیل میں اشارہ کرتا ہے:۔

وَمَآ أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ

(سورۃ الہمزہ) ترجمہ۔ اور کیا جانے تو کیا ہے حطمہ۔ آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی۔ وہ جو چڑھ آتی ہے اوپر دلوں کے +

یہ ایک تعجب انگیز بات ہے کہ مغربی دنیا باوجودیکہ اس نے صنعت و حرفت اور سائنس میں

حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ تاہم دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں کئی معقول مذہب اختیار کرنے میں کوسوں دور رہ گئی ہے۔ وہ لوگ جو فطرت سے اسکے ناتحقیق شدہ اور پوشیدہ راز کو بڑی تیزی سے قبضہ میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ بچوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں جبکہ جناب مسیح کے خون کے ذریعہ کفارہ کے متعلق ان سے بحث کیجائے۔ اے کاش وہ تھوڑا سا وقت اس بڑی صداقت پر غور کرنے کیلئے کہ انسان خدا کی شکل پر بنایا گیا ہے خرچ کرتے اس صداقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس انسان کو اس طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اسمیں بعض خدائی صفات ہیں جن سے تمام دنیا منور ہو سکتی ہے۔ اگر انکی طرف خاص توجہ دی جائے۔ سچے مذہب کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ خدائی راہوں پر چلا کر ہمارے اندرونی خدائی جوہر کو روشن کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ہاتھ اور ہمارے اعضا خدا کے ہاتھ اور اعضا ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہم کسی مذہب کو صحیح اور راست نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ خدائی صفات اور تجلیات وہ ہم پر ظاہر نہ کرے اور ہمیں وہ طریق نہ دکھلائے جن سے ہم اپنی پوشیدہ خدائی طاقتیں بڑھا سکیں۔ قرآن مجید کا احسان دنیا پر بہت بھاری ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیں بتلایا کہ خدائی صفات کیا ہیں اور حضرت رسول اکرم کی زبان مبارک سے ہمیں تخلقوا باخلاق اللہ کا حکم سنایا۔ قرآن شریف بتلاتا ہے کہ خدائی صفات و خصائل کے انکار سے ہمارے بداعمال پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات میں ان صفات کا ذکر ہے:-

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ما کانوا یعملون۔ (سیپارہ نہم سورہ اعراف رکوع ۲۲)۔ اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس پکارو اس کو ساتھ انکے۔ اور چھوڑ دو ان کو جو کج راہی کرتے ہیں بیچ ناموں اسکے کے البتہ جزا دیئے جاویں گے جو کچھ کہ کرتے ہیں اسماء آلہی کے متعلق سیدھی راہ کو چھوڑنا گویا ان اسماء کی بیحرمتی کرنا ہے۔ اور اپنے روزانہ الفاظ اور اعمال میں انکی تقدیس کو ملحوظ رکھنا ان کی تحقیر کرنا ہے۔ یا بالفاظ دیگر ان کی اصل جوہر و مفہوم سے انکار کرنا ہے۔ قرآن میں خدا کے ننانویں مختلف اسماء ہیں جو اس کے مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور سچا مسلمان وہی ہے۔ جس کے اقوال و افعال سے ان صفات آلہی کی خوبی و فضیلت کی جھلک دکھائی دیتی ہے:-

اذان

(مسلہ دعوۃ الصلوٰۃ)

اللہ اکبر - جب روشنی کی مدھم شعاع شب دیجور کے تاریک پردہ کو چھیدتی ہوئی نئے دن کا افتتاح کرتی ہے تو موذن کی دلکش و سُریلی آواز خالق اکبر کی قدرت و جبروت کی طرف دنیا کو متوجہ کرنے کے لئے کانوں میں گونجتی ہے یہ دعوت نماز بنی نوع انسان کو ظلمت و تاریکی کے شہزادہ کے مکر و فریب و دکھ کو ترک کرنے کا حکم کرتی ہے تاکہ انسان ربانی نور و روشنی سے متمتع ہو - اور نور و صفائی کے حاصل کرنے کے لئے اپنے قلب سلیم کو کھولے - اور شک و شبہ اور دام و فریب کی قبیح عادات سے اپنے آپ کو مطہر و مصفے کر لے - اور صبح سویرے ہی پہلی آواز جو کانوں میں گونجتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حسین اسم مبارک ہے

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ - ان تمام دُنیوی مخمصوں و الجھنوں سے جو انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں - اور ان بتوں کو جو اس کے اپنے ہی تراشیدہ ہیں اور ان خواہشات و جذبات کو جو روح و قلب کو اللہ تعالیٰ سے دور پھینکتی ہیں موذن کلمہ مبارک کہکر انسان کو ان سب معبودانِ باطل کو پس پشت ڈالنے کے لئے مدعو کرتا ہے تاکہ ضعیف البنیان ہستی کو اس کا احساس ہو - کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی پرستش و عبادت کے شایاں نہیں - اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی معبود حقیقی نہیں +

اشھد ان محمداً رسول اللہ - اسجگہ موذن انسان کو بتلاتا ہے - کہ اللہ تعالےٰ انسان کو روز بروز اکیلا ہی بے یار و مددگار کے جد و جہد کرنے کیلئے نہیں چھوڑتا بلکہ انسان سے ہمکلام ہوتا ہے ! ور دُنیا کو معلم و معاون مرحمت فرماتا رہتا ہے - اور یہ امر اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحم کی وجہ سے اپنے آپ کو برگزیدوں کے ذریعے منکشف کیا لیکن جب دنیا کی ضروریات بہت بڑھ گئیں - تو سب سے عظیم الشان پیغمبر کو تمام نسل انسانی کی ہدایت و رہبری کیلئے مکمل ہدایت نامہ دیکر مبعوث فرمایا - آپ کی ذات

کے سوا باقی تمام معلمان مذاہب نے قومی پیغام دیا جو مختص بالقوم تھا لیکن ہمارے آقا و سردار حضرت محمد صلعم سرور کائنات کل دنیا و جہان اور تمام نسل انسانی کیلئے مبعوث ہوئے۔ آپ کی ذات الاصفات ہمارے لئے نمونہ و اسوہ حسنہ ہے اور آپ ہمارے رہبر و مربی و [illegible] ہیں اور آپ [illegible] میں اور دوسروں کو اسی معرفت و نور سے منور فرماتے ہیں۔ مؤذن کی دعوت ہر ایک انسان کے قلب میں گھس جانی چاہیئے۔ اور اسے شہادت دینی چاہیئے۔ کہ حضرت محمد صلعم خداوند تعالےٰ کے پاک اور سچے رسول ہیں۔ اور پھر اسے خداوند تعالےٰ کے کلام اور اسکی پاک و بابرکت کتاب قرآن کریم جو اللہ کے سچے پیغامبر کے دہن مبارک سے نکلکر دنیا پر [illegible] ہوئی۔ ہدایت پا کر اس دنیا میں خاتمہ بالخیر کے لئے سعی بلیغ کرنی چاہیئے۔ اور اس دنیا کو اور [illegible] خوشحال ہم آہنگ اور دلفریب بنانے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اور امن و سلامتی کے مذہب سے نسل انسانی کو اسی زمین پر بہشتی زندگی بسر کرنی نصیب ہو جائیگی۔ خدا کرے کہ تمام نسل انسانی جلدی سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کرلیں

حی علی الصلوٰۃ (نماز کو آؤ) کی بلند آواز ابھی تک ہماری توجہ کو مقید کئے ہوئے ہے [illegible] سویرے خوب [illegible] تو وہ پیدا ہوتے ہی جب ہماری آنکھیں کھلتی ہیں اور ہمارا انظام [illegible] ذرا حیثیت ہوتا ہے اور خارجی تاثرات اپنا کام کرنے لگتے ہیں۔ تو ہم تمام دنیوی [illegible] اللہ تعالےٰ کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالےٰ [illegible] آزمائشوں اور ابتلاؤں کے مقابلہ کرنے کی استعانت و طاقت طلب کرتے ہیں۔ [illegible] ہماری اس ارفع و اعلیٰ روحانی راہ پر [illegible] اونچا چڑھنے میں ہماری امداد [illegible] اس کا قرب حاصل ہو۔ اور انسان کی روحانی تکمیل ہو +

حی علی الفلاح۔ [illegible] انسان درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگالیتا ہے [illegible] شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کردیتا ہے اور فقط اسی کے حضور عجز و نیاز [illegible] کرتا ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہے تو حی علی الفلاح [illegible] ایک صادق پرستار کیلئے صراط مستقیم ہے جو عمل [illegible] ہے۔ اور ربانی افضال کا آہستہ آہستہ آشکارا ہونا

کس قدر دلفریب و خوشنما اور حیرت افزا ہے۔ اور کہ جب ہم اس احکم الحاکمین کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ وہاں کے معاوضہ میں ہمیں اصلی و حقیقی فلاح نصیب ہوتی ہے +

الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز خواب گراں سے بہت بہتر ہے)

اللہ نے انسان کو بہت سے اوصاف سے موصوف کیا ہوا ہے۔ اور یہی ذات باری کی طرف سے حکم ہے کہ وہ ان نعمائے الٰہیہ کو اچھی طرح سے استعمال کرے۔ اور غافل سست و کاہل نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے۔ کہ وہ ذات اقدس اسے اسی کی راہ میں تمام عمر بسر کرنے کی طاقت و استطاعت عطا فرمائے اور روز بروز نسل انسانی کی خدمت کرنے میں امداد و نصرت فرمائے +

الصلوٰۃ خیر من العمل (نماز تمام عوامل سے بہت ہی احسن و اعلےٰ ہے)

نماز کے وقت انسان کس قدر مطہر و منزہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے سوائے اس وقت اور کوئی بھی چیز یاد نہیں ہوتی۔ اور اس کی تمام تر توجہ اس محبوب اسی ذات میں محو ہوتی ہے۔ اور وہ روحانی طور پر ربانی نور میں بلند پروازی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا جاہ و جلال اس کے قلب کو منور کر دیتا ہے اور وہ چشمہ نور میں غوطہ زن ہو کر نور ا علےٰ نور ہو جاتا ہے یہ کیفیت قلبی تمام لمعات زندگی کی تمام ساعتوں سے بہتر ہے اور انسانی نصب العین کا انتہائی و اعلےٰ مقام ہے۔ اور قرب الٰہی کی بلند ترین چوٹی ہے اور تکمیل و ہدایت کی حقیقی ساعت ہوتی ہے حقیقتاً مؤذن کی "الصلوٰۃ خیر من العمل" کی صدا بالکل صحیح و صداقت پر مبنی ہے +

اللہ اکبر۔ اللہ بڑا ہے وہ بے نیاز ہے اور قادر مطلق ذات اکبر ہے سارے قدوس ذات باری، دوست مہربان مربی و حفیظ بھی ہے صحیفۂ قدرت کا ذرہ ذرہ اس کی بے نظیر سطوت۔ فیاضی اور رحمانیت کی شہادت دے رہا ہے اس دنیا کی تمام اشیاء اس وقت تک بالکل حقیر۔ بے سود و ناشناختہ و حالت جمود و خمود میں رہتی ہیں۔ جب تک کہ ربانی طاقت ان کو ترغیب و تحریص نہیں کرتی۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں استعمال نہیں کیجاتیں +

لا الٰہ الا اللہ ۔ انسان کو اس بات کا کامل یقین و ایمان رکھنا چاہئے
اس معبود حقیقی کے سوائے کسی چیز کی عبادت سزاوار نہیں ۔ اسے دنیوی اوصاف
کہ جس کا حضرت انسان نے ناجائز استعمال کیا علیحدہ ہو جاؤ ۔ کیونکہ یہ دُنیاوی
علائق تم کو اسی طرح اپنی طرف کھینچینگے ۔ جس طرح کہ ایک مقناطیس ایک سوئی کو
اپنی طرف کشش کرتا ہے ۔ اور کہ تم اللہ تعالےٰ کے حضور کے حاضر ہو حضرت محمد صلعم
کے قدموں تلے اور ہمارے مطہر و متبرک و مقدس پیغمبر اسلام سے سیکھو ۔ اور پڑھو اور
قرآن کریم کے حسن و دلفریبیوں کی تتبع کرو ۔ اور ادب و توجہ سے اس کے دلفریب
صفحات کھولو ۔ اور غور و فکر و تدبر سے اس کا مطالعہ کر کے اللہ تعالےٰ سے نور و ہدایت
پانے کے لئے دُعا کرو ۔ اور کہ تمہیں یاد رکھنا چاہئیے کہ اللہ تعالےٰ آج کل بھی ایسے
ہی اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے جیسے کہ ازمنۂ سابقہ میں ہُوا کرتا تھا ۔ اپنے
قلب کو مُطہر و مصفےٰ کرو ۔ اور قبیح و شنیع عادات کو ترک کرو ۔ اپنے افعال اعمال
اور خیالات کی حفاظت کرو ۔ اور اپنی خداداد استعداد کو مدفون مت کرو ۔ بلکہ اُن کو
اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرو ۔ اور اپنے ہمجنسوں کی امداد کرو ۔ اور اپنے آپ کو
ہمیشہ نور کی ضو میں رکھو ۔ مبادا کہیں ایسا نہ ہو ۔ کہ ارضی شمع کی دھندلی اور مدھم
شعاع تم کو خورشید تاباں کی درخشندگی اور روشنی سے محروم کرے ۔ اذان کو یاد
کرو ۔ اور اسے اپنے خلوت کے ذکر و فکر میں زبانی دُہراؤ ۔ اور اسکے ان گوناگون
محاسن پر غور و تدبر کرو ۔ جو اس کے اندر مُضمر ہیں ۔ اگر کسی کے پاس کافی وقت و
فرصت ہو ۔ تو اس مہتم بالشان نبی کریم کی طرف دعوۃ الصلوٰۃ کے عظیم الشان
الفاظ پر جو کہ پانچوں وقت تمام اکناف عالم میں ہر روز گونجتے ہیں ۔ اور جو
انسان کو غفلت سستی اور روزانہ محنت و مشقت سے تازہ دم شگفتہ کرنے کیلئے
اسے ربانی علم و صفائی کی ندی میں غوطہ لگاتی ہے ۔ اور اسے بلند پروازی کراتی
ہے ۔ یہاں تک انسان اس طرح ارتقائی منازل طے کرتا کرتا اس ارفع و اعلےٰ
منزل مقصود پر پہنچ کر اس کے اندرون قلب سے صدق و صفا کے ساتھ

لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ توحید اٹھتا ہے جو تمام شرک کی خس و خاشاک کو بھسم کر دیتا ہے۔ کیونکہ رب العالمین کی ذات کے سوائے اسے تمام دنیا میں اور کچھ بھی نظر نہیں آتا +

"جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے"

خالد شیلڈرک

عابد حیوان ناطق

حضرت انسان مسلمۃً عابد حیوان ناطق ہے۔ مذہب ایک ایسا عنصر ہے جو کہ خود بخود ضرورتاً فطرتِ انسانی میں مرکوز ہے۔ جہاں کہیں بھی انسان جاتا ہے اور جس قوم کو دیکھتا ہے وہ یقیناً اپنے ہمجنسوں کو کسی نہ کسی چیز، سورج۔ چاند ستاروں۔ درختوں اور انسان کی عبادت کرتا ہوا پاتا ہے۔ اور اس قسم کی عبادت گو اس کی شان کے شایان نہیں لیکن اسی سے اس کا اطمینان قلب ہوتا ہے۔ جو کہ اس کی خادمہ یا اس کے مساوی اسی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن مبارک ہے وہ انسان جو ایک صادق واحد خدائے لایزال کا پرستار ہے اور جسے کہ اس عالم میں اس کی حیثیت کے شایاں اسے نہایت ہی شاندار اطمینان و تسکین حاصل ہوتا ہے +

نظم در مدحِ قرآن کریم

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیده — بر غنچہائے دلہا بادِ صبا وزیده

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد — ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیده

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا — ویں یوسفے کہ تنہا از چاہ برکشیده

از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد — قدِ ہلال نازک زاں نازکی خمیده

کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد — شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیده

آں نیرِ صداقت چوں رو بعالم آورد — ہر بوم شب پرستی در کنجِ خود خزیده

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا — الا کسے کہ باشد با رویش آرمیده

آں کس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف — وآں بیخبر ز عالم کیں عالمے ندیده

بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او — بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویده

میلِ بدی نباشد الا رگے ز شیطاں — آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیده

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی — تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریده

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس — زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیده

دیگر

از وحیِ خدا صبحِ صداقت بدمیده — چشمے کہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیده

کاخِ دلِ ما شد ز بیانش [illegible] — زاں یار بیابد کہ زما بود رمیده

واں دیده کہ نورش نگہے دید ز فرقاں — حقا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیده

واں دل کہ بجز اندیشۂ [illegible] — سوگند تواں خورد کہ بویش نشمیده

با خور ندہم نسبتِ آں نور کہ بینم — صد خور کہ بہ پیرامنِ او صف کشیده

[illegible] دولت [illegible] — سر تافتہ از تخت و پیوند بریده

(از ... تصنیف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی)

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری انگلستان ووکنگ کی تصنیفات

خطبات عربیہ قیمت فی خطبہ ۲ر مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ انگلستان۔ یہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنے قیام لندن میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معروف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کے لئے انگلستان فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر تقریریں اور لیکچر دیئے اور بعض احباب کی فرمائش پر اردو میں ترجمہ کرکے چھاپے گئے ہیں جو درج ہیں۔

(۱) سلسلہ خطبات عربیہ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات
(۲) " " توحید۔ دعا۔ تصوف۔
(۳) " " خطاب عیدین۔
(۴) دہریوں اور ملحدین کو خطاب
(۵) اسلام اور دیگر مذاہب
(۶) حقوق نسوان۔

نوٹ:۔ مکمل سٹ چھ عدد خطبات مجلد عہ بیجلد یک روپیہ عہ

لمعات انوار محمدیہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات آپ کے خلق عظیم کا آئینہ حسین معاشرت کا فوٹو۔ علمی ادبی تمدنی۔ اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع جس میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری و جناب مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی و حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء و جناب مارمیڈیوک پکتھال و جناب ایس۔ ایچ لیڈر مصنف ڈیزرٹ و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو نہایت قابل دید ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے **قیمت** ۱۰ر مجلد ۱ر

مرواریدِ ثلاثہ:۔ یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں قیمت مجلد عہ

براہین نیرہ

حصہ اول (معروف بہ زندہ و کامل الہام) اس میں دکھلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خاتم اور ناطق ایک الہامی کتاب ہے جس میں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں .... **قیمت** ۱۲ر

ام الالسنہ

(معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان) یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی پہلی کتاب اردو۔ انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے اور کل زبانیں اس سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے **قیمت** ۱۲ر

اسوۂ حسنہ

(معروف بہ زندہ و کامل) اسمیں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے جسکو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں **قیمت** ۸ر

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰

اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ انگلستان

قیمت سالانہ سات روپے

اس کا اردو ترجمہ

رسالہ اشاعت اسلام

قیمت سالانہ تین روپے

ایڈیٹر خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی و مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی

مسلم پبلک اسلامک ریویو کو کسی معرفی کرانے کا محتاج نہیں صرف ہم برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار گویا بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا متکفل ہوجاتا ہے اگر برادران ہمت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچ ہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو ان کا منافع ہمارے ووکنگ کے اسلامی مشن کا کفیل ہوسکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ بیس ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیج دے تو ہم اس کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کر دینگے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں ایسے نہیں +

دوستو! اٹھو جاگو وقت کو غنیمت سمجھو اسلامک ریویو ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے اور بفضلہ تعالیٰ اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر جزیل پاؤ + **والسلام** +

نوٹ: نمونہ دو کا ۲ کے ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کیا جائیگا۔ کل درخواستیں خریداری پتہ ذیل پر آنی چاہئیں +

المشتہر عبد الغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور

[illegible] عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام [illegible]

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸ ۱۰

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مُسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ **کمال الدین** بی اے ایل ایل بی — **مُسلم مشنری** — مولوی **صدر الدین** بی اے بی ٹی

قیمت سالانہ تین روپے

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمدنی حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی سن بزار اشاعت ووکنگ مشن کے ½ اخراجات کی مدار ہو سکتی ہے

جلد (۵) بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۱۹ء نمبر ۱۲،۱۱

مولود نمبر

محمد است امام و چراغ ہر دو جہاں — محمد است فروزندہ زمین و زمان

خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا — خدا نما ست وجودش برائے عالمیان

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمۂ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لندن

جلد (۵) — بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۱۹ء — نمبر (۱۱ و ۱۲)

شذرات

جو اہم تبلیغ اسلام کی خدمت رسالہ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا انگریزی مجریہ ووکنگ (انگلستان) نے بلاد غربیہ و دیگر ممالک اور ہندوستان میں سرانجام دی ہے وہ محتاج بیان نہیں اور نہ ہی اس پر طول طویل ریویو کر کے خامہ فرسائی کی چنداں ضرورت محسوس کی ہے کیونکہ خود اس کے احسن نتائج جو قبولیت اسلام کے رنگ میں آئے دن وقتاً فوقتاً رسالہ ہذا کے صفحوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں سب اسکے کافی شاہد ہیں۔ اور کہ مذہب اسلام سے جو محبت و انس و عشق اس انگریزی اسلامی مجلہ نے بلاد غربیہ میں پیدا کر دی ہے اسکی مفصل کیفیت ان ریوٹوں سے عیاں ہوتی رہتی ہے جو رسالہ ہذا کے ہر نمبر میں بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کے عنوان کے نیچے شائع ہوتی رہتی ہیں +

بلاد غربیہ میں اگر رسالہ اسلامک ریویو انگریزی بہت سی سعید روحوں کے حلقہ بگوش اسلام کا باعث ہوا ہے اور اسلام کے متعلق بہت حد تک غلط بیانیوں و افترا و بہتان کو رفع کرنے میں مظفر و منصور ہوا ہے۔ تو اسکے ساتھ ہی رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ رسالہ اسلامک ریویو نے

جو خدمات ہندوستان میں غیر مسلم برادری میں کی ہیں انہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ رسالہ اشاعت اسلام نے اگر ایک طرف بہت سے مسلم برادران میں مذہبی لٹریچر سے دلچسپی پیدا کر دی ہے تو دوسری طرف مالی ہر رنگ میں مسلم مشن ووکنگ کو اپنے منافع سے بہت حد تک تقویت دی ہے۔ اب چونکہ رسالہ ہذا کے سال کا اختتام ہے۔ اسلئے ہم اپنے معزز ناظرین کرام کی خدمت میں مؤدبانہ التماس کرتے ہیں۔ کہ رسالہ ہذا کی اہمیت کو ملحوظ نظر رکھ کر اس کا سالانہ وی پی ازراہِ کرم وصول فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رسالہ ہذا کا سالانہ چندہ تین روپے ایک نہایت قلیل رقم ہے! ایک مسلم بھائی خواہ کیسا ہی نادار و مفلس کیوں نہ ہو۔ اس کا قلیل چندہ ادا کر کے اشاعت اسلام کے اس کار عظیم میں شامل ہو کر موجبِ ثواب ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے قرونِ اولے کے مسلم احباب نے جانیں تک قربان کر دینے میں دریغ نہ کیا۔ رسالہ ہذا کا سالانہ چندہ جو ایک پائی روزانہ کے مترادف ہے ناظرین کرام اس مشن کو مرحمت فرما کر اس دینِ متین کی اشاعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اور خود رسالت مآب حضرت نبی کریم صلعم نے گوناگوں تکالیف و مصائب و آلام جھیلیں ایک پائی روزانہ اگر آپ کی جیب خاص سے اس پاک مقصد پر صرف ہو۔ اور ساتھ ہی اس کے آپ کو اس کے ملنے سے اعلیٰ لٹریچر بھی میسر آئے۔ کہ جس لٹریچر کو یورپین نقادوں پریس نے "اسلام کی طاقت" قبول کر لیا ہے۔ تو اس صورت میں رسالہ ہذا کی خریداری کو جاری رکھنا ہمیں امید قوی ہے کہ ناظرین رسالہ کے گراں خاطر نہ ہو گا۔ امید واثق ہے کہ اشاعتِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے برادرانِ اسلام ان ہماری معروضات پر پوری پوری توجہ فرمائیں گے! اور سال نو سنہ ۱۹۲۰ء کیلئے ہمیں جدید خریدار بھی فراہم فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ۔

رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کا سالانہ چندہ آئندہ سال سنہ ۱۹۲۰ء سے بجائے عہ کے صہ کر دیا گیا ہے تاکہ قلیل سے قلیل آمدنی والے انگریزی دان احباب بھی اس کار خیر میں شامل ہو سکیں۔ شرح چندہ حسب ذیل ہے:-

سالانہ چندہ ... ... صہ | مفت تقسیم بلاد غیر ... ... للعہ

طلباء و لائبریری ... ... للعہ

اِس رسالہ میں کسی دوسری جگہ تین مراسلات مسجد ووکنگ کے یکے بعد دیگرے درج کئے جاتے ہیں۔ جو اُمید ہے۔ کہ ناظرین کرام کی دلچسپی کا موجب ہونگے جن میں ایک لفٹننٹ اور ایک انگریزی خاتون کی اسلام سے نسبت قبولیت اسلام کا حال درج کیا گیا ہے +

اللہ تعالیٰ ہمارے مجاہدین اسلام کی عمر دراز فرمائے جنہوں نے کہ اپنے گھر بار بچے وعیال چھوڑ کر محض خدمت دین متین کی خاطر اس قدر قربانی فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی اُس ایزد بیچون کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے۔ جو کہ اُنکی مساعی جمیلہ کو بلاد مغربیہ میں قبولیت اسلام کے رنگ میں بارآور فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے دلی دعا ہے کہ اِن مجاہدین ثلاثہ حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب و منشی دوست محمد صاحب و مولوی عبداللہ جان صاحب و دیگر کارکنان ووکنگ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے۔ اور جزائے خیر دے۔ آمین ثم آمین

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے۔ کہ ہماری اسلامی برادری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ رسالہ میں جس انگریز لفٹننٹ کا عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہم نے اپنی دوران تقریر میں تذکرہ فرمایا تھا جن کا نام جوزف عبداللہ تھا۔ وہ خود ایک اتوار کے روز مسجد ووکنگ میں رونق افروز ہوئے۔ اور حضرت مولینا مولوی صدرالدین صاحب کی تقریر کے بعد انہوں نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر میں اسلام کی اس اخوت مساوات و اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کا اپنی زبان مبارک سے اظہار کیا۔ جو ان کی توجہ کو کھینچنے اور اسلام پر نثار ہو جانے کا موجب ہوئی +

مراسلہ مسجد ووکنگ مورخہ ۱۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء ایک اور انگریز خاتون کے قبول اسلام کا مژدہ جانفزا سُناتا ہے۔ یہ خاتون بہت بڑی مالدار اور صاحب عزت

ثمان ہیں۔ یہ مراسلہ اور اُن کا دستخطی اقرارنامہ بھی اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ درج کیا جاتا ہے۔ اُن کا اسلامی نام رُقیہ رکھا گیا ہے +

جن مبلغین اربعہ کا تذکرہ ہم نے دارالمبلغین کے عنوان کے نیچے اگست ۱۹۱۹ء کے پرچہ میں کیا تھا۔ بفضل ایزدی ہر چاروں مبلغین مذہبی و علمی تحقیق میں منہمک ہیں انگریزی زبان میں تقریری مشق کے لئے ان میں سے ہر ایک احباب کا ہر ہفتہ کی شب کو لاہور میں پبلک لیکچر ہوتا ہے۔ جس کے صدر عموماً حضرت خواجہ صاحب ہوا کرتے ہیں۔ اور اختتام لیکچر پر سامعین کو دعوت دیجاتی ہے کہ وہ اُٹھ کر معزز لیکچرار کی تقریر پر تنقید کریں۔ اور مختلف پہلوؤں سے تقریر پر روشنی ڈالیں۔ اس کے بعد پھر اس شخص معزز مقرر کو اعتراضات کے جوابات کا موقعہ دیا جاتا ہے جس سے کہ اسے مخالفین کے اعتراضات کو رد کرنے کی مشق ہو تی جاتی ہے۔ اور اختتام لیکچر پر حضرت خواجہ صاحب باقی ماندہ امور مضمون زیر بحث پر مزید روشنی ڈالکر اجلاس کو ختم فرماتے ہیں نیز مبلغین اربعہ کی تحریری مشق رسالہ اسلامک ریویو میں انگریزی آرٹیکل دینے سے ہوتی جاتی ہے اللہ تعالےٰ اِن مجاہدین اسلام کی عمر میں برکت ڈالے۔ اور ان کے وجود کو اشاعت اسلام کے لئے جس کے لئے انہوں نے اپنی جانیں وقف کی ہیں مفید ثابت کرے + آمین ثم آمین

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری اللہ تعالےٰ کے فضل سے رو بصحت ہیں اُمید واثق ہے۔ کہ چند ماہ تک بکلی صحتیاب ہو جائینگے۔ احباب دُعا کر عنداللہ ماجور ہوں +

جو احباب بذریعۂ خطوط حضرت خواجہ کی عیادت فرماتے رہتے ہیں ہم ان کے تہ دل سے ممنون منت ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔ چونکہ حضرت

خواجہ صاحب ذرداً فرداً ہر ایک بھائی کے خط کا جواب اپنے دست مبارک سے طبی ہدایت کے ماتحت جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اسلئے بذریعہ رسالہ ہذا ہم ان سب احباب کا مجموعی طور پر اسجگہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کا موجودہ پتہ عزیز منزل۔ لاہور ہے +

قوی اُمید ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کامل صحتیاب ہونے پر رسالہ ہذا کے صفحات کو اپنے گرانقدر اُردو مضامین سے اپنے قیام ہندوستان میں مزین فرماتے رہینگے۔ اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ بشرط صحت کامل جنوری سنہ ۱۹۲۰ء آغاز سال رسالہ سے شروع ہو جائیگا +

جن دو مضامین کو رسالہ ہذا میں درج کرنے کا ہم نے گذشتہ رسالہ میں عرض کیا تھا۔ ان میں سے ایک مضمون "پیدائش اسلام" کے فقط عنوان میں ذرا سا تغیر کر کے بعثت اسلام کی سُرخی کے نیچے اسی رسالہ میں اب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرا دلچسپ مضمون جس کا ہم نے خصوصیت سے وعدہ کیا تھا۔ اور کہ جو انکشافات نفس و شعور کونیہ" مصنفہ حضرت خواجہ صاحب کے عنوان کے نیچے ہو گا۔ وہ اب بھی ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں درج ہونے سے رہگیا۔ اسکی وجہ دراصل موجودہ "مولود نمبر" ہے۔ اگر تو انکشافات نفس و شعور کونیہ" کے مضمون کو حسب وعدہ رسالہ ہذا میں درج کر دیا جاتا تو پھر احتمال تھا کہ وہ دلچسپ و بے بہا مضامین جن سے سرور کائنات صلعم کی عالی شان ٹپکتی ہے۔ اور کہ جنہوں نے نمبر ہذا کو مزین کرنا تھا عدم گنجائش کی وجہ سے معرض التوا میں رہجاتے۔ اور مولود نمبر میں انکشافات نفس جیسے مضمون کا درج کرنا بھی کوئی موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ اسلئے اس دلچسپ مضمون کو ہم نے جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کے نمبر کے لئے محفوظ رکھا ہے +

جن احباب کا چندہ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کے اخیر ختم ہو جاتا ہے۔ ان سب احباب کی خدمت میں

انشاء اللہ تعالیٰ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کا رسالہ اشاعت اسلام سالانہ وی۔پی ارسال ہوگا جو جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کے پہلے ہفتہ میں ناظرین کرام کی خدمت میں حاضر ہو جائیگا ✦

ہم نے متعدد سفیروں کو ہندوستان کے مختلف گوشوں میں رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) و اشاعت اسلام (اردو) کی توسیع اشاعت و اشاعت اسلام بلاد غیرہ و وکنگ مشن کے چندہ امداد کے لئے ارسال کر دیا ہے۔ ہمیں اپنے ناظرین کرام و بہی خواہان مشن کی ذات پر قوی امید ہے۔ کہ وہ انہیں اپنے اپنے قریہ و شہر و بستی میں اس احسن اسلامی کام کے سرانجام دینے میں ہر ایک قسم کی سہولت مہیا فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے۔

سفیران مذکور کے پاس رسید بک ہیں۔ جن پر مینیجر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام و محاسب اشاعت اسلام بلاد غیرہ و وکنگ مشن کے دستخط ثبت ہیں مینیجر رسالجات کے نمونہ کے دستخط اسی رسالہ کے سرورق صفحہ نمبر ۴ پر درج کر دیئے جاتے ہیں۔

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام

مراسلہ مسجد ووکنگ نمبر ۳

لفٹنٹ جوزف عبداللہ

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اک جوش ہے

ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

گذشتہ ہفتہ لارڈ ہیڈلے بالقابہم کے لیکچر کا ذکر کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا۔ کہ لارڈ صاحب موصوف نے عراق عرب میں ایک انگریز فوجی لفٹنٹ کے قبول اسلام کی خوشخبری حاضرین کو سنائی

جنہوں نے اپنا اسلامی نام جوزف عبداللہ بتایا ہے +

اِس اعلان کو بھی ایک ہی ہفتہ ہوا تھا۔ کہ کل لفٹننٹ موصوف کو ہم نے اپنے درمیان پایا۔ آپ پُونا میں جہاں عراق عرب سے تبدیل ہو کر آپ کو جانا پڑا۔ دو مہینہ کی رخصت پر انگلستان آئے ہیں۔ اور کل مولینا صدرالدین صاحب سے ملنے کے لئے یہاں تشریف لائے کسی انگریز کے قبول اسلام کی خوشخبری سُن کر سب سے پہلے جو خیال ہمارے بعض ہندوستانی بھائیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُنکی پابندی اسلام کا سوال ہے۔ اگرچہ اس سوال کے کرنے والے ان مشکلات کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو ایک نومسلم بالخصوص انگریز کی راہ میں اسلامی طور و طریق کو اختیار کرنے اور انگلستان میں رہ کر اپنی عمر بھر کی عادات کو ترک کر کے مسلمان ہوتے ہی اسلام پر کاربند ہونے اور اسلامی اخلاق حسنہ کا خوگر بن جانے میں حائل ہیں۔ اور جن کی عدم موجودگی کے باوجود پشتہا پُشت کے مسلمان ان سب باتوں سے بہت دُور پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم ان جاں نثاران توحید کو یہاں آکر جس حالت میں سے پایا ہے۔ اُن کے اخلاق اُن کے خلوص دل اسلام کیلئے ان کو غیرت اور اس سے محبت۔ نمازوں وغیرہ میں شرکت اور عربی کلمات اذان نماز وغیرہ کو سیکھنے میں انکی جہد بلیغ کو دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے۔ بسا اوقات جی چاہا ہے۔ کہ میں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو بھی شریک کروں۔ اور فرداً فرداً ان تمام نومسلمین مردوں اور خواتین کا ذکر کروں جن کو اس وقت تک ملنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن اب تک اس سے معذور رہا۔ خدا نے چاہا۔ تو کسی دوسرے وقت میں انشاءاللہ اس خدمت کو سرانجام دُوں گا +

مگر قبل اس کے کہ وہ موقع میسر آئے لفٹننٹ جوزف عبداللہ کے ساتھ کل کی ملاقات کا جو اثر میرے قلب پر ہے۔ جو خوشی لفٹننٹ موصوف کی قرآن خوانی کو سُن کر۔ اُن کو مسجد میں جاتے ہی دیوار پر لکھی ہوئی سُورۂ اخلاص اور دیگر آیات اور اسمائے الٰہی بیساختہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر اور نہ صرف نماز اور اذان وغیرہ سے ہی نہیں واقف پاکر بلکہ اُنکی وسیع اسلامی معلومات اور اُن کے قلب میں اسلام کے لئے ایک سچّا جوش محسوس کر کے

حاصل ہوئی۔ ہاں ان ایام مصیبت و بلا میں جبکہ اسلام کو بدنام کرنے کیلئے اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو وحشت و بربریت کا مجسمہ ٹھیرایا جاتا ہے ایک انگریز کے اس جگہ سے شرافت اور اخلاق حسنہ کو تصویرین کر آنے والا جو نہ مٹنے والا نقش میرے قلب پر ہوا ہے چاہتا ہوں کہ آپکے ناظرین کو بھی اس سے مطلع کروں۔ اور اسلام کی سادگی اور کشش کا جو ہماری رنگ آمیزیوں اور فرقہ بندیوں سے تیرہ سو برس کی داستان پارینہ بن چکی ہے دوبارہ یورپ کے اندر زندگی اور نشو و نما حاصل کرنے کی کیفیت عرض کروں +

لفٹننٹ موصوف کا اصلی نام جے۔ ای وارڈ ہے۔ وہ رومن کیتھولک مذہب کے پیرو تھے جو عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے تمام عیسائی فرقوں میں سے الوہیت مسیح کو مانتے ہیں بہت سخت واقع ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ حضرت مریم کو بھی لائق پرستش سمجھتے اور مسیح اور مریم دونوں کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لوگ پوپ کے پیرو ہیں۔ اور دوسرے عیسائی فرقوں کی طرح آزاد خیال نہیں ہوتے۔ تاہم سعید روحیں بھی ہر جگہ ہوتی ہیں۔ لفٹننٹ موصوف اپنی فوج کے ساتھ عراق عرب میں گئے۔ اور وہاں وہ اسلام کی سادگی اور معقولیت پر شیدا ہو گئے۔ ان کو اسلام لائے ابھی نو ہی مہینے ہوئے ہیں لیکن اس قلیل مدت میں اسلام سے جو گہری واقفیت انہوں نے حاصل کی ہے وہ لائق رشک ہے۔ وہ قرآن بخوبی پڑھ سکتے ہیں۔ وضو اور نماز کے سخت پابند ہیں اور یہ خواہش کرنا کسی فرقہ کے ساتھ منسوب ہونے کی بجائے صرف مسلم کہلانا بہت پسند کرتے ہیں یہ وہ سبق ہے جس کو آج ہمارے ہندوستانی مسلمان قطعاً بھلا بیٹھے ہیں۔ اور انہوں نے اسلام کی سادہ تعلیم کو تشتت اور افتراق کا آماجگاہ بنا لیا ہے۔ لفٹننٹ موصوف اسکے متعلق دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالخصوص حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسرے پر فضیلت کے متعلق جو شیعہ و سنی کے اختلاف کا موجب ہے۔ انہوں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی بجائے ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ان دونوں کو نیک و پارسا اور آنحضرت صلعم کے سچے رفیق اور مونس سمجھیں بلکہ حضرت عمرؓ کے جوش اسلام پر تو ایران کا ملک ایک کھلی شہادت ہے +

کیا ہندوستان کے شیعہ و سنی حضرات جو انہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسلمانوں کے خون کے بہانے اور ایکدوسرے کے خلاف دفتر اور ورق سیاہ کرنے کا ذریعہ ٹھیرا لیتے ہیں۔ ایک انگریز نومسلم کی اس پاکیزہ خیالی کی داد نہ دینگے۔ اور اس سے سبق حاصل کرکے راہ امن و نجات پر گام زن نہ ہونگے؟

اس کے ساتھ ہی کس قدر خوشی کی بات ہے کہ جس مقام کو آج وحشت و بربریت کی جگہ قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام کا مرکز اور گھر ہے۔ اور انگلستان میں تبلیغ اسلام کرنیوالوں کے سر پر یہ الزام دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اسلام کو بنا سنوار کر کچھ کا کچھ بیان کرتے ہیں جو یورپین قلوب کو لبھا لیتا ہے۔ ورنہ اصل اسلام کچھ اور ہے جو ہندوستان اور اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہے۔ اس جگہ اور انہی اسلامی ممالک کے اندر ہاں اسی نام نہاد وحشت و بربریت کے گھر میں ایک انگریز فوجی لفٹنٹ اس اسلام کو والا و شیدا ہوتا ہے۔ [illegible] اور انگلستان کے اسلام سے مختلف قرار دیا جاتا ہے۔ لفٹنٹ موصوف خود ان اسباب کو اپنی چٹھی میں بیان کیا ہے۔ جو انہوں نے اپنی واپسی سے پہلے بھیجی تھی۔ اور اسلامک ریویو بابت ماہ اکتوبر میں طبع ہوئی۔ وہ یہ ہیں:۔

اگر انگلستان کا کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ ووکنگ مسلم مشن اسلام کی جو تبدیل صورت پیش کرتا ہے یہ بہت بلند پایہ ہے۔ اور اصل چیز جو اسلامی ممالک میں دستیاب ہوتی ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے۔ تو اس کے جواب میں آپ میری مثال کو پیش کر سکتے ہیں۔ میں ایک اسلامی ملک میں مسلمان ہوا۔ جو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے جہاں جناب حسین اور آپ کے ساتھی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ جہاں حضرت ابو حنیفہ حضرت سید عبد القادر جیلانی۔ موسیٰ کاظم۔ محمد جواد۔ الحسن العسکری اور اسی قسم کے بہت سے اولیاء اور علماء اسلام پیدا اور دفن ہوئے +

یہ گویا اسلام میں حجاز سے دوسرے درجہ پر قابل تقدیس مقام ہے کسقدر غیرت اسلام [illegible] الفاظ اس سے ٹپکتی ہے۔ اور ایک کھوٹے [illegible] میں اسلام [illegible] حاصل کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس مقام کی بدولت جس نے اسلام کا اصلی [illegible] اور [illegible]

وحشت و بربریت کا گھر سمجھا جاتا ہے۔ لفٹننٹ موصوف کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام کا ایک گہرا جوش ودیعت کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ اپنی اولاد کو بھی جو رومن کیتھولک ہیں آہستہ آہستہ اسلام سے واقف کر کے مسلمان بنانے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے اور اس سے بڑھ کر اسلامی خدمات کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔ والسلام

خاکسار دوست محمد۔ از ووکنگ۔ انگلستان

مراسلۂ مسجد ووکنگ نمبر ۴

مورخہ ۸۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء

گذشتہ ہفتہ لفٹننٹ وارڈ جوزف عبداللہ کے جوش اسلامی اور ملاقات کا مفصل ذکر کر چکا ہوں۔ اس اتوار کو مولینا مولوی صدرالدین صاحب نے مسجد ووکنگ میں اپنے لیکچر کے بعد لفٹننٹ موصوف کا حاضرین سے تعارف کرایا اور انہیں بتایا۔ کہ اسلام کی جو خوبیاں میں نے بیان کی ہیں وہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اسلامی دنیا میں کم و بیش موجود ہیں۔ جس کے لفٹننٹ موصوف شاہد ہیں۔ اسی وقت موصوف کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے ایک مختصر تقریر میں اس اخوت اسلامی ۔ عملی اور پاکیزہ اخلاق اور سادگی مذہب کو جو اُن کی توجہ کو کھینچنے اور اسلام پر نثار ہو جانے کا موجب ہوئے۔ بچشم خود اسلامی ممالک میں دیکھنے کی شہادت دی۔ آپ نے بتایا۔ کہ میں جب وقت مسلمان ہوا۔ ووکنگ مشن کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔ اور جب پتہ لگا۔ تو ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ مشن اسلام کو جس صورت میں پیش کرتا ہے۔ وہ در اصل عملی اسلام نہیں میں نے اُس وقت اس کا جواب یہاں لکھا۔ کہ یہ وہی اصل اسلام ہے۔ جس کو میں نے بچشم خود عمل میں آتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک معزز لیڈی جو اس لیکچر میں بھی اسکو مولوی صاحب کا وعظ اور اسلام کی خوبیاں سنکر بہت اثر ہوا۔ اس نے اعتراف کیا۔ کہ یہ وہ باتیں ہیں جن کو ہمارے دل چاہتے ہیں کہ مذہب میں پائی جائیں۔

علاوہ ازیں اس جمعہ کو کچھ ہندوستانی سپاہی افسر جو فرانس میں آئے ہوئے تھے انگلستان کی سیر کرتے ہوئے اس جگہ آئے۔ مولوی صاحب تو جمعہ پڑھانے لندن گئے ہوئے تھے اخویم عبدالمجید جان صاحب نے انہیں یہاں جمعہ پڑھایا۔ یہاں سے بہت عمدہ اثر لیکر گئے۔ اللہ تعالیٰ اسے بار آور کرے۔ والسلام

نیازمند۔ دوست محمد۔ از ووکنگ انگلستان

مراسلہ مسجد ووکنگ نمبر ۵

مورخہ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء

ایک اور انگریز خاتون کا قبول اسلام

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ہفتہ ایک اور نومسلم کا اضافہ ہوا۔ ایک خاتون راشل اڈیس لیوی گذشتہ جمعہ (مورخہ ۱۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء کو لندن مسلم ہوس میں آئی۔ اور مولینا مولوی صدرالدین صاحب کے ہاتھ پر داخل حلقہ اسلام ہوئی +

یہ لورپول کی رہنے والی اور بہت بڑی مالدار اور صاحب عزت و شان خاتون ہیں ان کا دستخطی اقرار نامہ اس وقت میرے سامنے ہے جسمیں وہ لکھتی ہیں:-

"میں راشل اڈیس لیوی بنت ہائیمن لیوی آف ...... لورپول مضبوطی اور صدق دلی کے ساتھ یہ اعلان اور اقرار کرتی ہوں کہ اسلام میرا آیندہ مذہب ہوگا۔ اور کہ میں ایک خدا کو ہی اپنا معبود حقیقی سمجھونگی۔ میں تمام انبیائے کرام کی بڑی ہی عزت اور ادب ملحوظ رکھونگی۔ میں حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین آخری نبی یقین کرونگی۔ اس کے ساتھ ہی میں آئندہ ایک اعلے مسلم زندگی بسر کرنے کا اقرار کرتی ہوں" +

خاتون موصوفہ کا اسلامی نام رقیہ رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ایمان میں مضبوطی اور استقامت عطا فرمائے۔ اور اعلے مسلم زندگی بسر کرنے کی توفیق دے اور خادم دین بنائے۔ آمین

(۲) اس اتوار مورخہ ۱۲۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء کو مولینا مولوی صدرالدین صاحب کا ایک زبردست لیکچر مسجد ووکنگ میں ہوا۔ جسمیں آپ نے لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب الخ سے استدلال کرتے ہوئے بتایا۔ کہ اسلام نے مذاہب کے دو ہی ضروری رکن قرار دیئے ہیں +

(الف) اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان +

(ب) مخلوق الٰہی کے ساتھ سچی ہمدردی اور حسن سلوک +

اسی کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے

(الف) تعظیم لامر اللہ
(ب) شفقت علی خلق اللہ

کے دو نہایت ہی مختصر اور جامع جملوں میں بیان کیا۔ اور درحقیقت اللہ تعالے پر ایمان کے ساتھ مخلوق خدا کی سچی ہمدردی جب تک نہ ہو کوئی شخص مذہب پر عامل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور نہ ہی ایمان کا مفہوم ہی پورا ہوتا ہے۔ باوجود بہت زیادہ سردی اور بارش کے اس لیکچر میں بھی حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ اللہ تعالے سب کو راہ حق پر گام زن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

نیازمند۔ دوست محمد از ووکنگ انگلستان

بنی نوعِ انسان کا بہترین دوست

یہ محتاج دلیل نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کا بہترین دوست حقیقی معنوں میں وہی کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے جس کی ذات بدرجۂ اتم انسان کے لئے باعثِ خیر و برکت ہو۔ وہ موجودہ تمام سامان مہیا کرے جن کے استعمال سے انسان زندگی کے ہر شعبہ میں رفعت و ترقی حاصل کر سکے یا بالفاظ دیگر وہ انسان کو اس قابل بنائے کہ ایک کامیاب زندگی بسر کر سکے +

یہاں پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کے نزدیک کامیابی یا بھلائی کا کیا مفہوم ہے۔ کیونکہ اس معرکۃ الآراء مسئلہ پر کثرت سے مختلف و متضاد خیالات جہان میں موجود رہے ہیں۔ اور ہیں مثلاً بعض کے نزدیک انسانی بھلائی اسی پر مشتمل ہے کہ انسان کو گناہ کے نتیجہ سے رستگاری حاصل ہو۔ اس خیال کے گروہ کے نزدیک گناہ فطرت انسانی کا ایک لاینفک جزو ہے جو ایک رحیم پروردگار کی طرف سے اس کو عطا ہوا ہے اور انسان کی عمر بھر کی کوششوں اور محنتوں کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ اس سے نجات حاصل کرے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ آخر کیوں۔ کیا یہ میرے لئے شایاں ہے کہ اس عطیۂ الٰہی کو رد کروں۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں اور بیشمار عطایا مجھ پر کئے ہیں۔ مثلاً نطق و بصارت یا سماعت وغیرہ وہاں یہ بھی

میری فطرت کا ایک حصہ بنا دیا ہے کہ میرے لئے زیبا ہے۔ کہ میں ان نعمتوں کا شکریہ اس رنگ میں ادا کروں۔ کہ اپنی زبان یا کان کاٹ لوں۔ یا آنکھیں نکال پھینکوں۔ تو پھر کیوں گناہ جو بعینہ اسطرح خدا کی طرف سے ایک عنایت ہے اس سے اپنی مخلصی کرانے کی کوشش کروں

ع بدی جو تھی جو میری فطرت میں وقت پیدائش — تو کیوں بدی کو نہ سمجھوں عنایت بی

اگر میں ایسی کوشش کروں تو یہ خلاف فطرت نہیں تو اور کیا ہوگی لیکن اس مشکل کا خاتمہ یہاں ہی نہیں ہو جاتا۔ ایک خلاف عقل بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہو سکتی ہے وہ بھی خلاف عقل ہی ہوگی ؎

خشت اول چون نہد معمار کج — تا ثریا مے رود دیوار کج

اگر کسی تقدس مآب پادری صاحب سے گذارش کیجاوے کہ حضرت چلئے یہی مقصد ہماری زندگی کا سہی بتائیے اس کے حصول کے واسطے کون سبیل ہے۔ کون سے قواعد ہیں جن پر پابند رہ کر میں یہ مقصد حاصل کر سکتا ہوں۔ تو کیا جواب ملتا ہے اس واقعہ پر ایمان لاؤ کہ فلاں شخص تمہارے گناہوں کے بدلے سزا پا چکا ہے۔ تو تم تمام گناہوں سے نجات پا چکے خواہ وہ گذشتہ ہوں یا موجودہ یا آیندہ اس مہمل عقیدہ کی تشریح جناب رائیٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے الفاروق نے اپنی کتاب "اسلام کی طرف مغرب کی بیداری" میں ایک تمثیل بنا بر ذریعہ سے کس وضاحت سے کی ہے۔ ایک متلاشی حق کسی پادری کے پاس گیا۔ اور پوچھا کہ جناب مجھے مذہب کے متعلق کچھ ہدایت فرما سکتے ہیں حضرت تقدس مآب نے فرمایا۔ کیوں نہیں صرف اس پر ایمان رکھو۔ کہ "ہاکی پاکی وسکی پنگ" سچ ہے تو بس نجات ہی نجات ہے۔ کچھ سوچ کر سائل نے جوابدیا۔ کہ اچھا پادری صاحب میں اس پر غور کرونگا۔ مجھے اس وقت اسکی سمجھ نہیں آئی۔ اس کے بعد وہ اس پاک اور معقول پیشہ کے کسی اور رکن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے چہرہ پر تقدس چڑھانے کیلئے اول الذکر کی طرح ریش دراز تو نہ تھی۔ اور نہ ہی کوئی لمبا جبہ زیب تن تھا۔ ہاں نفیس کالا فراک کوٹ پہنے تھا۔ انکی خدمت میں عرض کیا کہ یہ نسخہ فلاں صاحب نے تجویز کیا ہے۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی

خطرناک عقیدہ ہے۔ اس سے تو تم براہِ راست دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ شاید یہ شیطان نے القاء کیا ہوگا۔ یہ لو میں حقیقی نجات کا راستہ بتلاتا ہوں۔ سچے دل سے اسکی صداقت پر ایمان رکھو"۔ پکی پکی رکی رکی"۔ اس پر ایمان باعث نجات ہو تا کر فلاں شخص اس طرح مارا گیا۔ کیا مذکورہ بالا دو مہمل فقروں کی نسبت کم مضحکہ انگیز ہے۔ کیا یہ تمام اخلاق کو بیخ و بُن سے اُکھڑنے کیلئے کافی نہیں ہے +

اسی طرح اور مختلف خیالات کے لوگ ہیں بعض کے نزدیک خواہشات و جذبات کی تسکین اور بعض کے خیال میں عقل کی تشفی میں انسانی کامیابی کا راز مضمر ہے کوئی فطرت انسانی کے اس پہلو کو اور کوئی اس کو نشوونما دینا زندگی کا مقصد اعلیٰ سمجھ بیٹھا ہے۔ سو واسطے لازمی ہے کہ جو شخص صلاح بنی نوع کا دم اُٹھائے سب سے اول ایک صحیح نصب العین انسانی زندگی کا پیش کرے جو فطرت انسانی کے ہر ایک پہلو کو مدنظر رکھے۔ اور کسی ایک کو دوسرے پر قربان نہ کرے۔ نیز انسان کا صحیح نصب العین تو کھلے طور پر نظر آجاتا ہے اگر ہم صحیفہ قدرت پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس کا انسان ایک جزو ہے مثلاً ایک سیب کے بیج کا مقصد اعلیٰ کیا ہو سکتا ہے یہی کہ اسکے اندر جو قویٰ قدرت نے رکھ دیئے ہیں وہ نشوونما پائیں اور اس کمال کو حاصل کریں جو اسکے لئے اسکے خالق نے مدنظر رکھا ہے۔ اسی طرح انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ اس کے اندر جسقدر قویٰ ایک خفتہ حالت میں مخفی ہیں وہ بیدار ہوں۔ اور بتدریج نشوونما پاتے ہوئے اپنے مقدر کمال کو حاصل کریں۔ پس انسان کے دوست کا فرض اولین یہ ہوگا۔ کہ ہمارے سامنے ایک صحیح نصب العین رکھے +

ساتھ ہی اس کے لئے ضروری ہے کہ ہماری فطرت کا تاریک اور مایوس کن نقشہ نہ کھینچے۔ مثلاً جیسے اُوپر ذکر ہوا ہے۔ کہ گناہ فطرت ہی میں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے ہر ایک شخص جس کو مطالعہ فطرت انسانی کا موقع ملا ہو واقف ہے کہ مایوس کن حالت میں انسان پستی کی طرف گرنے پر مائل ہوتا ہے۔ اور حوصلہ افزا حالات میں علو کی طرف اگر ایک طالب علم کے متعلق استاد بار بار یہ خیال ظاہر کرتا رہے۔ کہ تو کسی کام کا نہیں تو ایک دن آویگا۔ کہ وہ کلاس کے بدترین طلباء میں سے ہوگا۔ خواہ وہ کیسا ہی ذہین اور ہوشیار کیوں نہ ہو۔ اور اس کے برخلاف اگر کمزور لڑکے کو اُبھارا جائے تو وہ بہت جلد

وفادی کرلیتا ہے اگر میری فطرت ہی میں خالق کل نے بدی کا بیج رکھ دیا ہے تو مجھے کیا ہمت پڑ سکتی ہے کہ نیکی سوچنے کا خیال تک بھی کر سکوں۔ چہ جائیکہ اخلاق فاضلہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ اس واسطے انسان کے دوست کا دوسرا فرض یہ ہوگا کہ فطرت انسانی کا وہ روشن نقشہ پیش کرے۔ جو اس کے لئے حوصلہ افزا ہو +

اس کے علاوہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مخفی طاقتوں کو بالفعل کرنے کے لئے مناسب و موزوں حالات کا ہونا ضروری ہے۔ جن کے بغیر وہ ہرگز نشوونما نہیں پا سکتیں مثلاً آم کی گٹھلی میں بالقوی ایک بڑا اونچا اور شیریں پھل والا درخت موجود تو ہے مگر اس مخفی حالت کو حقیقت کرنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ گٹھلی کو مناسب زمین میں مناسب آب و ہوا میں لگا کر خاص قواعد کے مطابق پرورش کیجائے۔ تب کمال حقیقی کو حاصل کر سکتی ہے۔ ایسے ہی انسان کے اندر اخلاق فاضلہ کے جسقدر بیج بھی موجود ہیں اُن کے مناسب حال ہی سامان مہیا ہوں تو اُس کی نشوونما ہو سکتی ہے۔ مصائب کا پہاڑ سر پر نہ ٹوٹے تو ہوقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تو استقلال کی صفت کب پیدا ہو سکتی ہے۔ دشمن سے مقابلہ ہی نہ پڑا ہو تو شجاعت کہاں کی الغرض کسی خلق کے پنپنے کے لئے جو انسان کی فطرت میں ایک بیج کے طور پر موجود ہے ضروری ہے کہ انسان مخصوص حالات میں سے گذرے۔ جسقدر ایسے حالات کا دائرہ وسیع ہوتا جاوے اُسی قدر انسان میں زیادہ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور برعکس اس کے جسقدر یہ دائرہ تنگ ہوتا جائے اخلاق میں متناسب تنگی پیدا ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر وہ شخص جو انسانی سوسائٹی سے قطع تعلق کرکے کسی پہاڑ کی چوٹی۔ دریا کے کنارہ یا جنگل کا گوشہ میں اپنا بسیرا بنائے۔ وہ بیشمار اخلاق فاضلہ سے محروم ہو جاتا ہے جن کے نشوونما کا دارومدار ہی ان حالات پر ہے۔ جو سوسائٹی میں رہکر پیدا ہونے ممکن ہیں انسان کی ترقی اس کے دائرہ عمل کے متناسب ہوا کرتی ہے۔ ایک کی وسعت دوسرے کی وسعت وابستہ ہے۔ اگر انسان اپنے دائرہ عمل کو اپنے اردگرد مختلف مخلوقات تک وسعت نہ دیتا۔ تو موجودہ سائنس کے کرشمے کب ممکن ہوتے ایک زمانہ وہ بھی تھا جب لوگ

قدرت میں بعض چیزوں کو معبود سمجھنے جس کو اس مقام تقدس پر کھڑا کیا جائے ۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ مجھ کو اپنا مضمون بنانے کا خیال تک بھی آسکے اگر ایک گھوڑا میرا معبود ہے تو میں اسکو اپنے لئے مفید نہیں بنا سکتا ۔ وہ میرے لئے نہیں ہے بلکہ میں اسکے لئے ہوں ۔ اسی طرح سورج ۔ چاند ۔ ستاروں ہوا ۔ آگ اور دیگر مناظر قدرت کی پرستش کا یہ لازمی نتیجہ تھا ۔ کہ انسان میں اُن کو اپنا معمول اور اپنے لئے مفید بنانے کا کبھی خیال نہیں آیا ۔ مگر جب وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ تو میری خدمت کیلئے ہیں ۔ تو اُن سے کیا کچھ کام لیا ۔ علم کے دائرہ کو کتنا وسیع کر دیا خلاصہ کلام انسانی طاقتوں کی نشو و نما وسعت میدان عمل کی نسبت ہوا کرتی ہے ۔ سو اسواسطے اس ہادی انسان کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اسکی فطرت کا صحیح نقشہ کھینچ کر ایک اعلیٰ اور ارفع زندگی کا مقصد پیش کرے ۔ اسکے میدان عمل کو اسقدر وسعت دے کہ اسکی [illegible] کیلئے کافی حالات بہم پہنچا سکے ٭

چوتھا فرض جو ایسے انسان پر عائد ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ قانون بنائے جن پر انسانی قوٰی معراج حاصل کر سکتی ہیں ۔ انسان کی فطرت جو نہایت پیچیدہ واقع ہوئی ہے اس بات کی محتاج ہے کہ مقررہ ہدایات ہوں جن کے مطابق وہ پرورش پاکر انتہائی کمال حاصل کر سکیں ٭

آخری اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ مصلح اپنی زندگی میں اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرے ۔ حالات کیسے ہی حوصلہ افزا کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے ۔ کہ اس کے سامنے کوئی نمونہ ہو نمونہ سے کسی کام کے متعلق ذہن میں صحیح نقشہ پیدا ہونے کے علاوہ دل میں اُمنگ پیدا ہوتی ہے حوصلہ بڑھتا ہے ۔ اور جو کام پہلے مشکل دکھائی دیتا تھا آسان ہو جایا کرتا ہے ۔ یہ روزمرہ کے مشاہدہ کی بات ہے جو محتاج ثبوت نہیں ہے ۔ ہاں اس موقع پر ایک امر یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ نمونہ پیش کرنیوالے یعنی اُستاد اور شاگرد کی طاقتوں میں معقول مناسبت ہونی چاہئے ورنہ نمونہ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا ۔ اگر کوئی عقاب میرے سامنے بلند پروازی کا نمونہ پیش کرے تو میرے دل میں تو کوئی اُمنگ نہیں پیدا ہو سکتی ۔ کہ میں بھی ایسا کروں ۔ ہاں اگر کوئی میرے جیسا انسان کسی ہوائی جہاز پر بادلوں کی سیر کرے ۔ تو میرے دل میں بھی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ اور حوصلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے ۔ اگر کوئی نیم خدا انسان کے لباس میں میری ہدایت کا دعویٰ کرے تو میرے لئے تو وہ اس سے زیادہ مفید نہیں ہے جس قدر ایک گھوڑے کا نمونہ

دینے والا ہو (۴) زندگی کیلئے قوانین بتلانیوالا ہو (۵) عملی نمونہ پیش کرنیوالا ہو ٭

بعثت اسلام

(حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - ایل ایل بی کی قلم سے)

۱- عرب اسلام سے پہلے

یا

(زمانۂ جاہلیت)

مذہب اسلام نے آج سے تیرہ صدیاں پہلے جزیرہ نمائے عرب میں اپنا جنم لیا۔ اور سب سے پہلا سوال جو کہ اس مضمون کی بحث میں ہمارے دل میں اٹھتا ہے یہ ہے کہ وہ کون سی حالات اور کیفیات تھیں جن کے ماتحت اس مذہب نے اپنا جنم لیا۔ تمام مسلمان مؤرخوں نے بلا کسی استثناء کے آمد اسلام سے پہلے کے زمانے کو زمانۂ جاہلیت کے اسم سے موسوم کیا ہے۔ یہانتک کہ قرآن مجید نے بھی جو کہ پرانی تاریخ کی سب سے زیادہ قابل وثوق ہمعصر روائد ہونے کی وجہ سے عام طور پر اسلامی تاریخ کی کلید سمجھا جاتا ہے اس کو یہی نام دیا ہے۔ اور حقیقت میں جاہلیہ کا لفظ مسلمان مؤرخوں نے قرآن شریف سے ہی لیا ہے مفصلہ ذیل حوالجات اسبات کو صاف کر دیں گے:-

(۱) سورۃ المائدہ پچاسویں آیت جس میں زمانۂ جاہلیت کے فیصلوں کا ذکر کیا گیا ہے +

(۲) سورۃ الاحزاب تینتیسویں آیت جس میں عورتوں کو اپنی زیب و زینت دکھانے سے جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتی تھیں منع کیا گیا ہے +

(۳) سورۃ الفتح چھبیسویں آیت جس میں کافروں کا زمانہ جاہلیت کے متعلق دل میں نفرت اور کینہ کے خیالات کو رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے +

ان ایام کے تذکرے سے جیسا کہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب اُس وقت نہایت ہی گمراہی اور بدترین حالت میں تھا۔ یہ زمانہ مذہب سے غفلت اور لاپرواہی اور سخت فسق و فجور کے زمانے سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اس زمانے کے عربوں کو جاہل بیوقوف لوگ سخت جہالت

اور تاریکی میں گھرے ہوئے"۔ گونگے بہرے۔ اندھے۔ حیوانات سے بدتر"۔ قبر کے مردوں کی طرح" کے خطابات سے نامزد کیا گیا ہے! اور دوسری تواریخ بھی جن کے حصول ذرائع اور منبع و مخزن مختلف ہیں ہماری بات کی صاف طور پر تائید اور تصدیق کرتی ہیں۔ ہیں زمانہ جاہلیت کے عربوں کی خوبیوں۔ انکی مہمان نوازی۔ حریت پسندی شجاعت و بہادری۔ اپنے قبیلے اور قوم سے وفاداری اور گہرا تعلق۔ اُنکی سخاوت اور دیگر مردانہ صفات سے منکر نہیں ہیں۔ مگر تہذیب کے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ یہ خوبیاں اور صفات کبھی کبھی ہی اپنا جلوہ دکھادیں اور بس۔ مگر ان خوبیوں کے مقابل پر اُنکی بُرائیاں بیشمار اور نہایت قبیح تھیں اگر کسی مسافر کو کسی بدوی کے دروازے سے مہمان نوازی کی توقع ہوتی تھی۔ تو ساتھ ہی یہ بھی بالکل ممکن ہوتا تھا کہ اُس کا مال و اسباب لُوٹ لیا جائے۔ اس پر تن ڈھکنے کو بھی کپڑا نہ رہے۔ اگر ان کو اپنے قبیلے سے بہت لگاؤ اور تعلق تھا تو ساتھ ہی اس کے ایک بڑا نقص تھا۔ کیونکہ اگر ایک فرد واحد کو کوئی ذراسی بھی تکلیف پہنچ جاتی۔ تو تمام کا تمام قبیلہ لڑائی اور فساد میں پھنس جاتا تھا۔ اور بعضے وقت اُن کے دعاوی ابھی پُورے بھی نہ ہونے پاتے تھے کہ تمام قبیلے کا صفایا ہو جاتا تھا۔ انتقام کی آگ اپنے پُورے ز[...]ن ہوتی تھی۔ مگر صرف ان وجوہات پر ہم اب بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا زمانہ جاہلیت کے عرب مہذب اور اہل بصیرت لوگ تھے یا وہ ایک جاہل اور وحشی قوم تھی جس نے تہذیب کی روشنی کی جھلک تک بھی نہ دیکھی تھی! اس تاریک اندھیرے کے درمیان جو کہ جزیرہ نمائے عرب پر چھایا ہوا تھا روشنی کے چند شرارے ہمیں اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ کہ ہم اُن لوگوں کو مہذب اور اہل بصیرت لوگ کہہ سکیں +

علم اور سائنس کا کوئی شمہ بھی عربوں میں ان کے اسلام لانے سے پہلے موجود نہ تھا۔ سوائے علم عروض کے جو کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوسائٹی کے بالکل آغاز میں بھی پایا جاتا ہے۔ لکھنے کا علم بھی اُن کو آتا تھا۔ مگر واقعات اور حالات بالکل نہ لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو سائنس تاریخ کا موٹے سے موٹا علم بھی نہ تھا۔ زمانہ جاہلیت کے تاریخی اور حسب و نسب کے حالات نظموں کے ذریعے سے آئندہ نسلوں تک پہنچے ہیں۔ اور ایک نہایت تیز حافظے کے ہونے کی وجہ سے وہ ضائع ہونے سے بچ گئے۔ اور محفوظ رہے۔ مجھے کسی ایسے

مضمون نثر کا علم نہیں ہی جو کہ زمانۂ جاہلیت میں لکھا گیا ہو علم فلسفہ علم ریاضی علم سائنس وغیرہ وغیرہ بالکل مفقود تھے۔ اور سچ پوچھو تو اس قسم کے علم عرب کے قبیلوں کی بدویانہ زندگی کے کسی طرح موافق اور موزوں نہ تھے +

سیاسی نقطۂ نگاہ سے عرب کی حالت ایسی ابتر تھی کہ اُن کو مہذب بنانے کی تمام کوششیں بے سود تھیں۔ ملک میں کوئی نظم ونسق نام کو نہ تھا۔ ہر ایک قبیلے کا اپنا اپنا سردار تھا۔ اور وہ بھی اسلئے ہوتا تھا کہ وہ دوسرے قبیلوں سے جنگ کرنے میں ان کو اپنی سرداری میں لیجائے۔ گویا کہ گورنمنٹ اپنے حقیقی مفہوم میں ان میں مفقود تھی۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس والا معاملہ تھا۔ جو کوئی تلوار نہایت طاقت اور اُستادی سے چلا سکتا تھا وہ حکومت بھی کر سکتا تھا۔ مگر ہر ایک قبیلہ ہر ایک خاندان ہر ایک فرد بشر خود مختاری اور آزادی کی خاطر کوشاں تھا۔ اور جہانتک بھی ہوسکتا تھا کسی کی حکومت کو نہ مانتے تھے۔ قصہ کوتاہ اُس وقت کے حالات کسی پولیٹیکل اتحاد و اتفاق کے سخت منافی تھے۔ اور اس وجہ سے وہ تہذیب سے بھی عاری تھے۔ کیونکہ یہ اُسی حالت میں ممکن ہے جبکہ اتحاد و اتفاق ہو۔ سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

کہ اُس وقت کی سب سے پہلی خصوصیت جو کہ ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کراتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب لوگ بیشمار جماعتوں میں متفرق تھے۔ اگرچہ انکی زبان۔ انکی رسوم و عادات انکی عزت اور اخلاق کا معیار ایک ہی تھا۔ مگر ہر ایک جماعت ایکدوسرے سے خودمختار اور سوا تھی۔ اور اکثر آپسمیں ایک دوسرے سے لڑائی چھڑی رہتی تھی۔ اور خون کے رشتے اور دیگر مصلحتوں کی وجہ سے اتحاد اور تعلقات ایک نہایت ہی معمولی وجہ سے نفاق اور سخت دشمنی سے بدل جاتے تھے۔ سو طلوع اسلام کے وقت اس گذشتہ عربی تاریخ کا خیال ہمیں ایک کاغذی سیر بین (جسمیں کانچ کے رنگ برنگے ٹکڑے اسکو گھمانے پر مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں) کی طرح اتحاد اور نفرت و نفاق کی ایک ہمیشہ گھٹتی بڑھتی حالت کو ظاہر کرتا ہے جس نے کہ عام اتحاد و اتفاق کی کوششوں کو اب تک بالکل بے سود اور ناکام رکھا۔" ان لگاتار لڑائی جھگڑوں اور [illegible] نفاق کی طرف قرآن مجید ایک سے زیادہ موقعوں پر اشارہ کرتا ہے مثلاً اس [illegible]

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (سورۃ آل عمران رکوع ۱۱) ترجمہ: اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایکدوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے (یعنی دوزخ) کے کنارے (آ لگے) تھے پھر اُس نے تم کو اُس سے بچالیا"۔

یہ بات ضرور ذہن نشین ہو جانی چاہئے۔ کہ جب مسلمان مؤرخ عرب کے اسلام سے پہلے زمانے کو "زمانہ جاہلیت" سے موسوم کرتے ہیں۔ تو انکی مُراد اس سے لٹریچر علم وفن اور سائنس سے ناواقفیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے تمام تمدنی اور اخلاقی اصُولوں اور حقیقی مذہب سے لاعلمی مراد لیتے ہیں۔ چاہے پُرانے عربوں کے علم عروض کا پایہ کیسا ہی بلند کیوں نہ ہو مگر اس سے انہوں نے کوئی تمدنی۔ اخلاقی اور مذہبی اصُول حاصل نہیں کئے۔ ان میں اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینے کی وحشیانہ رسم اور ایک عورت کے کئی شوہر ہونے کے رواج کے سب قائل ہیں۔ ان میں حبالۂ نکاح بہت کمزور اور ڈھیلا ہوتا تھا کیونکہ شوہر جس وقت وہ چاہے اپنی بیوی کو الگ اور رد کر سکتا تھا۔ عورت کا درجہ بہت کمتر تھا۔ اور کسی وقت وہ خاوند کی ملکیت کا ایک حصہ خیال کیجاتی تھی۔ وہ وراثت کا ایک حصہ تھی چنانچہ متوفی کا وارث اور دوسری چیزوں کے ساتھ اسکی عورت پر بھی قبضہ کر لیتا تھا۔ اسی وجہ سے سوتیلے بیٹے کے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لینے کی وحشیانہ رسم جاری تھی۔ جس رسم کو قرآن شریف نے قطعاً نابود کر دیا۔ زناکاری نہایت صد درجہ پہنچی ہوئی تھی۔ شراب نوشی بالکل عام تھی۔ اور جوا بازی کی قبیح عادت یہانتک زور پکڑ گئی تھی کہ ایک آدمی اپنی تمام ملکیت ہار جانے کے بعد اپنی آزادی پر شرط لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔ اور جس کو ہار جانے کی صورت میں وہ دوسرے کا غلام ہو جاتا تھا۔ تمام تمدنی اور اخلاقی قانونوں کے ناپید ہونے کی حالت میں یقیناً ہم ایسی سوسائٹی کو سوسائٹی کے اصل مفہوم میں نہیں ملا سکتے۔

زمانۂ جاہلیت کے عربوں کا مذہب اور زیادہ صاف طور پر ان کے فوق العادت چیزوں کے متعلق جاہلانہ خیالات اور ان سے لاعلمی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کا مذہب چند لفظوں میں اس طرح

اد اہنو کتا ہی لعل بت پرستی جو کہ بڑی گہری جڑیں پکڑ گئی تھی۔ دوئم ذی رُوح اور غیر ذی رُوح چیزوں کی پوشیدہ طاقتوں سے ڈرنا اور ان کی عزت اور عبادت کرنی۔ وہ صرف بتوں کو ہی نہیں پوجتے تھے جنمیں سے ۳۶۰ صرف خانہ کعبہ میں ہی رکھے ہوئے تھے۔ بلکہ وہ قدرت کی طاقتوں مثلاً سورج۔ چاند ستاروں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ یہانتک کہ پتھر۔ درخت اور ضمیر کی لا یعنی شکلیں اور اور کئی چیزیں بھی اُن کے معبود ہونے کا شرف رکھتی تھیں"۔

جب کوئی خوبصورت پتھر ان کو ملتا تھا۔ تو اسکی پرستش کرنے لگتے تھے۔ اور اگر یہ ہاتھ آئے تو ریت کے ایک تودے پر اونٹ کا دودھ دوہ دیتے تھے اور اسکی پوجا کر لیتے تھے"۔ زن من النسان کی قربانی بھی مفقود نہ تھی۔ کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے دیوتاؤں کی مرضی تیروں کے ذریعے پیشینگوئی کرنے سے معلوم کیجاتی تھی۔ ان سب عقیدوں اور توہمات کے ہوتے ہوئے بھی عرب لوگ ایک لا مذہب قوم تھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کہ کسی آیندہ زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے اور ان کے خیالات ایپیکوریئن (epicureans) کی طرح نفس پرستی اور عیش پر مبنی تھے۔ اور وہ جو کسی آیندہ زندگی پر یقین کرتے تھے۔ سو وہ مردے کی قبر پر ایک اونٹ کو رسی سے باندھ دیتے تھے۔ تاکہ وہ بھوک سے مر جائے۔ اور حشر کے دن اس متوفی کی سواری کے کام آئے۔ بوسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) لکھتا ہے کہ "ایک عجیب پُر از سحر وہم ان میں پھیلا ہوا تھا۔ کہ مُردے کی رُوح اسکی قبر پر ایک اُلّو کی شکل میں منڈلاتی رہتی ہے۔ اور اگر وہ شخص مقتول ہوا ہے۔ تو وہ اُلّو "اسقونی۔ اُسقونی" یعنی (مجھے پینے کو دو۔ مجھے پینے کو دو) چلاتا پھرتا ہے۔ اور وہ برابر چلاتا رہتا ہے جب تک کہ اسکے قاتل کا خون نہ گرایا جائے۔ کئی دفعہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ عرب لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا عقیدہ بھی صرف کہنے کی بات تھی۔ ہر ایک دیوی اور دیوتا کے فرائض بھی جدا جدا تھے۔ اور اُن کی پرستش بھی مختلف مطالب اور مدعاؤں کو حاصل کرنے کیلئے کیجاتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اس طرح نہیں۔ بلکہ اُن کا خیال تھا کہ وہ سب دیوی دیوتاؤں پر حکمران ہے۔ اور دنیاوی معاملات کی باگ اُن کے ہاتھوں میں دیدی ہے۔ گویا کہ قومی طریق عبادت سوائے اصنام پرستی کے جو کہ بڑی گہری جڑیں پکڑ گئی تھی اور تمام ذی رُوح اور غیر ذی روح چیزوں کی

عزت اور عبادت کے سوا اور کچھ نہ تھی - یہ مذہب تھا اور یہ عرب کی تمدنی اور اخلاقی حالت تھی -
اور کوئی آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ یہ ایک سخت جہالت اور گمراہی کا زمانہ تھا -
زمانۂ جاہلیت کے عربوں کا تمدنی - اخلاقی اور مذہبی مطلع بدکاری - توہمات اور لڑائی اور
جھگڑوں کی وجہ سے سخت تاریک ہو گیا تھا - اس سیاہ اور تاریک رات میں سرزمین عرب
پر سیاہ اور گہرے بادل چھائے ہوئے تھے - اور عربوں کے علم عروض سے محبت اگر اسکی کچھ بھی
قدر و قیمت تھی تو وہ ایک دھندلے ستارے کی طرح تھی جو کسی پھٹے ہوئے بادل میں سے چمک رہا ہو ۔
عیسائی اہل قلم بعض وقت اس نامکمل عیسائیت کے خوشگوار اثر کی طرف اشارہ
کرتے ہیں - جو کہ اس وقت ملک عرب میں موجود تھی - مگر یہ ایک قابل بحث امر ہے کہ کیا
عیسائیت نے اپنے شروع کے زمانے میں دنیا پر کوئی مہذب اثر ڈالا ہے غیر متعصب
سوچنے والوں نے اس کے متعلق بھاری شکوک کا اظہار کیا ہے - اور جہانتک کہ تاریخ پہلی صدی کا
تو الگ رہی تو دوسری صدی کے عیسائیوں کی حالت کو ظاہر کرتی ہے وہ بجائے دلکش ہونے کے
نہایت ہی قابل نفرت ہے - میں پورے طور پر نہیں کہہ سکتا - کہ عرب میں اسلام سے پہلے شراب نوشی
اور قمار بازی کا عالمگیر مرض کہاں تک عیسائیت کے اثر سے پھیلا ہے - اور عیسائیت کہانتک
اسکی ذمہ دار ہے - مگر چند الفاظ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمائے تھے ظاہر
کرتے ہیں - کہ یہ کسی نہ کسی حد تک درست ضرور ہے - جیسا کہ ڈوزی ([illegible])
کہتا ہے حضرت علیؓ نے بالکل مبالغہ نہیں کیا جبکہ آپ نے ایک قبیلے کی نسبت جسمیں
عیسائیت اپنی جڑ پکڑ گئی تھی یہ فرمایا "بنو تغلب عیسائی نہیں ہیں - اور اگر کوئی چیز
انہوں نے اس مذہب سے لی ہے تو وہ شراب نوشی ہے" - زمانۂ جاہلیت میں عیسائی شعراء بھی تھے
اور انکی نظمیں اس بات کی کافی اور شافی شہادت دیتی ہیں - کہ وہ اس وقت کی عام برائیوں
مثلاً جوا بازی - زناکاری - اور شراب نوشی میں ویسے ہی ڈوبے ہوئے تھے - جیسے کہ انکے
بت پرست اور کافر پڑوسی - سر ولیم میور جیسا متعصب مؤرخ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا
ہے کہ ساتویں صدی میں عیسائیت بحثیت بہت ضعیف اور گندی تھی - اور آپس کے
اختلافات اور جھگڑوں سے اسکی تمام طاقتیں سلب ہو گئی تھیں - اور اگلے زمانے کے پاک

صاف اور وسیع مذہب کی بجائے اب بدعت اور دین باطل کے چھچھورا پن اور اوچھے پن نے جگہ لیلی تھی +

بعض دفعہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ عیسائیت کے عقیدہ وحدانیت نے عربوں کے دلوں پر اپنا اثر کیا۔ اور یہ اس اثر کی وجہ تھی کہ بعض لوگ جو کہ حنیف کہلاتے ہیں۔ سچے مذہب کی جستجو میں روانہ ہو گئے۔ مگر واقعات اس دعوے کی تائید نہیں کرتے" خدائے واحد" اللہ تعالیٰ کا علم اُس وقت کی عیسائیت کو بہت کم تھا۔ وہ قریباً قریباً اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی بیگانہ تھی۔ کیونکہ جس خدا کی وہ پرستش کرتے تھے وہ ایک فانی ہستی تھی۔ اور یہ جناب مسیح اور اسکی اُلوہیت تھی جس کی بابت عیسائیت کے مختلف فرقے آپس میں جھگڑے اور بحث مباحثے کر رہے تھے عیسائیت اللہ تعالیٰ کی تعلیم نہیں دیتی تھی۔ بلکہ یسوع مسیح کی اُلوہیت منواتی تھی۔ اور فرقہ حنیف نے مسیح کو کبھی خدا نہیں مانا۔ یہ حقیقت ہے کہ عیسائیت نے کبھی بھی عربی چال چلن پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈالا۔ وہ ایک ایسے انسان کے خدا ہونے کی تعلیم دیتی تھی۔ جو کہ (انکی نظروں میں) ان کے منظور نظر اور آباؤ اجداد کے بتوں پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ قرآن شریف مکہ کے بت پرستوں کے اس تنازعہ پر مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کرتا ہے:۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ترجمہ۔ اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی۔ تو لبس تمہاری قوم کے لوگ اُس (کو سن کر ایکدم) سے کھلکھلا پڑے۔ اور لگے کہنے کہ (اس صورت میں) ہمارے معبود اچھے (ہیں) یا عیسیٰ۔ ان لوگوں نے عیسیٰ کی مثال جو تمہارے سامنے لا ڈالی تو صرف کٹ حجتی کے طور پر۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو"

کیونکہ عرب لوگ فرشتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اسلئے وہ کہتے تھے کہ ہمارے دیوتا یسوع مسیح سے بہتر ہیں۔ جو کہ باوجود عیسائیوں کے اُسکو خدا ماننے کے آخر انسان تھا۔ اُن کا عیسائی مذہب کے متعلق شک اور وہم اور اس پر طعن اور ہنسی اُڑانا اس واقعہ سے خوب ظاہر ہوتا ہے:۔

"چند نسطوری پادریوں کے ۵۱۳ء سن میں منذر ثالث بادشاہ حیرہ کو عیسائی بنانے کی کوشش کرنے پر اُن کو یہ تلخ تجربہ حاصل ہوا۔ جبکہ کچھ دیر بادشاہ اُن کے کلام کو غور سے سُنتا رہا۔ تو اُس کے افسروں میں سے ایک نے کان میں کچھ آہستہ سے کہا جس پر منذر نے فوراً ایک نہایت اُداس اور غمگین چہرہ بنا لیا۔ اور جب پادریوں نے نہایت ادب سے اُس کے غمگین ہونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔ کہ ملک الملکوت میکائیل فوت ہو گئے ہیں"۔ پادریوں نے کہا۔ "نہیں بادشاہ آپ غلطی پر ہیں فرشتے غیر فانی ہستیاں ہیں"۔ اِس پر بادشاہ نے چلّا کر کہا "غیر فانی۔ اور تم مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔ کہ خدا خود مر گیا"۔ سو اِس طرح باوجود عیسائیت کے موجود ہونے کے۔ ملک عرب اپنی پُرانی حالت پر ہی قائم رہا۔ اور بجائے اسکے کہ عیسائیت کے اُس عُمدہ اثر سے جس پر اِتنا زور دیا جاتا ہے۔ اُن کا وحشیانہ پن کچھ کم پڑتا۔ اُلٹا اُن بُرائیوں کی وجہ سے جو انہوں نے عیسائیت سے حاصل کیں۔ ان کا چال و چلن اور بھی ابتر اور بدتر ہو گیا +

جانوروں سے نرمی اور رحم کا سلوک

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (سورۃ انعام رکوع ۴) ترجمہ۔ اور جتنے حیوانات زمین میں (چلتے پھرتے ہیں) اور جتنے پرند اپنے دو پروں پر اُڑتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں لوحِ محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے سے کوئی چیز فروگذاشت نہیں کی۔ پھر (قیامت کے دن یہ سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں لا حاضر کئے جائینگے" +

مسلمانوں کے خیال کے مطابق اور جیسا کہ اُوپر کی آیت ظاہر کرتی ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک حیوانی زندگی اور انسانی زندگی ایک جیسی ہی اہمیت رکھتی ہیں "سپرٹ آف اسلام" کا لائق مصنف یوں رقمطراز ہے "عیسائی اقوام کو حیوانی مخلوقات کے متعلق فرائض سے آگاہ ہونے میں کئی صدیاں لگیں۔ اور اِس زمانے سے بہت پہلے جبکہ عیسائیوں کو جانوروں سے نرمی اور رحم کا سلوک کرنے کا خواب و خیال تک بھی نہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت دردناک الفاظ میں انسانوں کو اُن فرائض سے آگاہ کیا جو کہ انکے بے زبان اور مسکین غلاموں (یعنی جانوروں) سے متعلق ہیں اسلامی دُنیا کی روزمرہ زندگی میں انہی کے احکام پر جو کہ نہایت محبت اور حفاظت کے ساتھ محفوظ رکھے گئے ہیں پورے طور پر عمل ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی واقعی اس آیت شریفہ کی مصداق ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین +

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ایک سرسری نظر

نبئ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) ۵۷۰ء عیسوی میں مکہ کے ایک قریشی گھر میں پیدا ہوئے آپؐ کے والد ماجد عبد اللہ آپؐ کی ولادت سے چند ماہ پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کے قریب ہونے آئی تو آپؐ کی والدہ کی وفات نے آپ کو کامل یتیم کر دیا۔ اس غریب یتیم لڑکے کی پرورش اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پروں تلے ہو رہی تھی کیونکہ اسکی قسمت میں ایک اتنا بڑا کام کرنا لکھا تھا۔ جو کہ تاریخ دنیا کی رَو کو بدل دیگا۔ مگر کیا آپؐ نے اتنے بڑے اور اہم کام کے مطابق تعلیم حاصل کی؟ اور کیا آپ ایک اُمی نہیں تھے؟ ہاں ایک سطحی نظر سے دیکھنے والے کی آنکھوں میں آپؐ ایک جاہل اور اَن پڑھ آدمی تھے۔ مگر حقیقت میں آپؐ علم کا سر چشمہ اور عقل و دانائی کی کان تھے۔ اور یہ سب چیزیں خود حاصل کردہ نہ تھیں۔ بلکہ محض عطاء الٰہی تھیں۔ چند ہی سال کے بعد ہم آپؐ کو ایک نوجوان۔ طاقتور اور خوبصورت اور مستقل مزاج آدمی پاتے ہیں۔ جس کے چہرے سے کامل سنجیدگی اور متانت ٹپکتی تھی +

نبوت پر مامورّیت

شہر کے شور و شغب سے دُور۔ غار حرا کی تنہائی میں آپؐ اکثر زندگی و موت اور انسان کی عاقبت کے متعلق گہرے خیالات میں منہمک رہتے تھے ایک نہایت دلربا کشف کی حالت آپؐ پر طاری ہوتی ہے اور ایک آواز سُنائی دیتی ہے۔ سو اس عجیب طریقے سے آپؐ نے اپنا پہلا سبق سیکھا ایک ناتوانی اور خوف کی حالت میں آپؐ اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے ہیں۔ اور چلا کر کہتے ہیں "زملونی۔ زملونی" (مجھے کمبل اُڑھا دو۔ مجھے کمبل اُڑھا دو) آپؐ کی بیوی فرماتی ہیں۔ خوش ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کریگا۔ کیا آپؐ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک نہیں کرتے؟ اور اپنے پڑوسیوں پر مہربان نہیں ہیں۔ اور اپنے عہد کے پورے اور حق بات کے محافظ نہیں ہیں؟ آپؐ کے چال و چلن کے متعلق کیسی اعلیٰ اور عمدہ شہادت ہے اور وہ بھی

آپ کی بیوی کے مُنہ سے استعداد نبوت کو مکمل ہونے میں چالیس سال لگے خلعت نبوت کو پہننے کا اگر کوئی وقت تھا تو اب تھا۔ آپ کو ایک کڑکتی ہوئی آواز آتی ہے۔

یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَأَنذِرْ ۰ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۰ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۰ (سورۃ المدثر۔ رکوع ۱) ترجمہ۔ اے کپڑا اوڑھنے والے اُٹھو اور لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک و صاف کرو۔ اور نجاست سے الگ رہو۔" آپ لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہوگئے آپ نے اپنا پیغام اپنے ارد گرد کے لوگوں کو سُنانا شروع کر دیا۔ آپ کی بیوی خدیجہؓ اور عم زاد بھائی علیؓ۔ اور آپ کا غلام زیدؓ بن حارث۔ اور آپ کے مُعمر دوست عبداللہ بن ابی قحافہ (ابو بکر) آپ کے مشن اور کوششوں کے پہلے ثمرات تھے۔ ایک طرف تو کیا ہی یہ عمدہ سبق ہے کہ جس پر ہمیں کاربند ہونا چاہئے۔ یعنی عمل نیکی کے کام کی ابتدا گھر سے ہونی چاہئے۔ دوسری طرف یہ واقعی اُن کی متدینانہ زندگی اور پاکیزگی مقصد کا اعلےٰ ثبوت ہے۔ ایک دن آپ چند رشتہ داروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر بلا کسی قسم کی تمہید کے بالفاظ ذیل پیغام ربّی انہیں دے دیتے ہیں:۔

"یا ابناءِ عبد المطلب میں تمہیں وہ بشارت دینے لگا ہوں جس سے تم اس دُنیا میں بھی اور آیندہ میں بھی خیر و برکت کے مالک ہو جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسکی خدمت کے لئے بُلاؤں تم میں کون ہے۔ جو میری اس دعوت کا بوجھ اُٹھائے"۔ سُبحان اللہ فی الواقعہ بڑی بھاری دعوت ہے۔ الفاظ تو اسی محمدؐ کے مُنہ سے نکلے ہیں جس سے وہ آشنا ہیں لیکن آج اس کا انداز ہی نرالا ہے۔ حاضرین پر ایک رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے لب و لہجہ اور انداز میں ایک ہیبت اور رعب پاتے ہیں۔

تین برس کی محدود وعظ و نصیحت کے بعد وہ وقت آیا کہ گھر کی چھت سے بلکہ پہاڑ کی چوٹی سے حق اور سچائی کے اعلان اور مشتہر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ نے لوگوں کو کوہ صفا کے پاس بُلایا۔ اور وہ آپ کے کہنے کے مطابق وہاں آ جمع ہوئے۔ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک کڑکتی ہوئی آواز سے اُن کو اپنا پیغام سُنایا:۔

مَیں تمہیں ایک نہایت خوفناک عذاب کی خبر دینے اور اس سے متنبہ کرنے آیا ہوں ....
اور مَیں تمہیں اس خوفناک انجام سے بچا نہیں سکتا جبتک کہ تم لا الٰہ الا اللہ نہ پڑھو۔
ایک ایسے لوگوں کو جو کہ بُت پرستی۔ گمراہی اور توہمات میں ڈوبے ہُوئے تھے۔ یہ پیغام
نہایت ناگوار معلوم ہؤا۔ چنانچہ اُنہوں نے رسُول اللہ صلعم پر پتھروں کی بارش کردی
اور آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا۔ جب آپ سے یہ کہا گیا کہ اُن پر لعنت کرو تو آپ نے
ہاتھ ہلا کر فرمایا "نہیں ہر گز نہیں۔ مَیں بنی نوع انسان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں
نہ کہ اُن پر لعنت کرنے کے لئے"۔ آپ کے قلب کو تو دیکھو۔ آیا محبت اور شفقت کا سمندر
موج زن ہے +

ایذا رسانی اور ظلم و ستم

اِس کے بعد جیسا کہ اکثر ہوتا ہے لوگوں نے آپ کو ایذا پہنچانی شروع کی۔ مگر اللہ تعالےٰ
کے بہادر سپاہی اس کے جھنڈے کو برابر ہؤا میں لہراتے رہے۔ اور اُنہوں نے
نہایت اطمینان اور صبر سے تمام بدنامی، خطرات اور ظلم و ستم کو برداشت کیا۔ اکثروں
کو کانٹوں کے تاج پہنائے گئے۔ مگر اُن کے خون نے اُن کے رشتہ مذہب کو اور بھی زیادہ
مضبوط کر دیا۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ بال بال بچ گئے +

کافروں کا لالچ اور طمع دلانے کی کوشش کرنا

آپ نے دشمنوں میں سے ایک نے کہا "آؤ! اِس بدعتی اور مُلحد (نعوذ باللہ)
کو لالچ اور طمع دلانے کی کیوں نہ کوشش کریں"۔ چنانچہ عتبہ اس ڈیپوٹیشن کا سردار
بن کر خانہ کعبہ میں جہاں کہ نبی کریم صلعم بیٹھے ہُوئے تھے گیا۔ اور کہنے لگا "اے محمد تمہاری
اِس نئے مذہب کو نکالنے کی کیا غرض اور مقصد ہے؟ کیا تمہیں مال و دولت کی خواہش
ہے؟ اگر ہے تو ہم اپنا مال و دولت تمہارے قدموں میں رکھنے کو تیار ہیں۔ کیا تم حکومت
اور طاقت چاہتے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو ہم تجھ کو اپنا سردار بنانے میں رضا مند
ہیں۔ مگر مہربانی فرما کر اپنے اس نئے مذہب کی تلقین کرنی چھوڑ دو" + نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "کیا تم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے ہو"۔ انہوں نے کہا "ہاں" تب آپ نے کہا ؎"۔۔

میرا جواب سن لو۔ اور آپ نے قرآن شریف کی آیتوں کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ڈیپوٹیشن نہایت ناکام اور بددل ہو کر واپس آیا ✦

اِس کے بعد ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک عجیب مشکل اور دقت میں پاتے ہیں۔ کافروں نے آپ کے دیرینہ سال چچا ابُوطالب پر زور ڈالنا شروع کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے۔ چنانچہ اس نے آپ سے کہا تو اپنے اِس مشن کو چھوڑ دو یا مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ نبی کریم صلعم نے دُنیا سازی یا زمانہ سازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ اگر وہ سُورج کو میرے دائیں ہاتھ اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی میں ایسا کرنے سے نہیں رُکونگا۔ مگر آپ نے چچا سے جُدا ہونا بھی بڑا شاق گذرتا تھا۔ چنانچہ جس وقت آپ جانے لگے۔ تو فرطِ غم سے آپ کے آنسو نکل پڑے۔ بوڑھے آدمی نے چلا کر کہا "میرے بھتیجے واپس آؤ۔ اور بالکل اطمینان اور دلجمعی سے رہو۔ اور جو تمہارا جی چاہے کرو اور کہو۔ میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑونگا" ✦

ایک عیسائی بادشاہ کا آپؐ کے کام کا مشاہدہ کرنا

کافروں کی ایذا دہی دن بدن بڑھتی گئی۔ اور مکہ کی زندگی ناقابل برداشت ہو گئی ۸۳ آدمی اور ۱۸ عورتوں نے چُپ چاپ بحیرۂ قلزم کو عبور کیا۔ اور نجاشی بادشاہ ابی سینیا کی پناہ جا پکڑی۔ مگر قریش نے اُن کا وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ جب اس نئے مذہب کو بیان کرنے کیلئے یہ سب لوگ بُلائے گئے۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ نبی کریم کے بھتیجے تھے۔ ان پناہگزینوں کے گروہ کے ترجمان بن کر آگے بڑھے اور کہا:- "اے بادشاہ۔ ہم جہالت۔ بُت پرستی اور بدکاری میں ڈوبے ہُوئے تھے۔ کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک نبی کھڑا کیا جس نے ہمیں خدائے واحد کی پرستش۔ راستگوئی۔ ایفائے عہد۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک۔ اور ہر بُری چیز سے اجتناب کرنے کی تعلیم اور تلقین کی۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اُس کے پیچھے چلنے لگے ہمارے اہل مُلک نے ہمیں طرح طرح کی ایذائیں پہنچانی شروع کیں۔ چنانچہ اب ہم ان سے تنگ آ کر تیری پناہ کو ڈھونڈنے آئے ہیں۔ کیا تم ہماری حفاظت نہ کرو گے" ✦

ہجرت

اہلِ مکہ نے ایذا رسانی کو نہ چھوڑا۔ چند اہلِ مدینہ آدمی رات کو مکہ میں آئے۔ اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور آپ کو مدینہ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۱۶ جون ۶۲۲ء کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پاپیادہ مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ یہاں سے سن ہجری کا آغاز شروع ہوتا ہے۔ اہل مدینہ اہل مکہ کی طرح نہ تھے۔ انہوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اور خوش آمدید کہا۔ ایک مٹی کی مسجد تعمیر کی گئی۔ ایک واحد خانۂ خدا جو کہ عرب کیا تمام دُنیا کے رُوحانی صحرا میں ایک ہی نخلستان تھا۔ اب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیکس و لاچار پناہ گزینوں منافقوں اور یہودیوں سے واسطہ آپڑا۔ اور آپ کی حیثیت ایک حاکم یا بادشاہ سے کم نہ تھی۔ مگر کیا اس بات سے آپ کی طرزِ معاشرت و زندگی میں کوئی تغیر و تبدل ہؤا؟ نہیں بالکل نہیں وہی سادہ۔ غریبانہ زندگی جو پہلے تھی سو اب بھی تھی +

فتح مکہ بلا خونریزی کے

اللہ تعالیٰ کے سپاہیوں کی تعداد گروہ در گروہ بڑھنی شروع ہو گئی۔ اور قریش کی اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی تمام کوششیں بالکل بے سود اور ناکام ثابت ہوئیں۔ دس سال کی عارضی صلح ہو گئی۔ چھٹے سال ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اور تین دن تک وہاں حج کی رسوم ادا کرتے رہے۔ اور اس کے بعد نہایت امن و آرام سے واپس آ گئے۔ اہلِ مکہ ان کے تحمل اور بُردباری پر حیران تھے۔ آخر کار قریش نے عارضی صلح کو پہلے پہل توڑا۔ چنانچہ آٹھویں سال ہجری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مع دس ہزار اصحاب کے مکہ معظمہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اہل مکہ معافی کے خواستگار ہوئے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ تمام شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائیگی اور قتل عام کا حکم دیدیا جائیگا۔ مگر یہ کیا ہؤا؟ کہ کوئی خونریزی نہیں ہوئی۔ اور تمام قریش کو جو کہ آپ کے خون کے پیاسے تھے معافی دیدی گئی۔ مؤرخ لین پول (Lane Pool) کا کہنا بجا ہے۔ فتوحات

کی تمام تاریخ میں کوئی فاتحانہ داخلہ اس مکہ کے داخلے کا لگا نہیں کھا سکتا" +

آپؐ کے آخری الفاظ اور نصیحت

اس فتح مکہ سے دو سال کے بعد آپؐ کے رفیق الاعلےٰ سے ملنے کا وقت آن پہنچا اور منا کی وادی میں چالیس ہزار حاجیوں کا جمگھٹ ہوگیا۔ اور آپؐ کے آخری پرمعنی الفاظ وادی منا کی فضا میں اس طرح گونجے:۔

اے لوگو میرے لفظوں کو غور سے سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا۔ کہ میں پھر آپ لوگوں سے مل سکوں یا نہ مل سکوں۔ تمہارے حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں جیسا کہ انکے تمہارے اُوپر حقوق ہیں۔ اپنی عورتوں سے نیک سلوک کرو۔ اور اپنے غلاموں سے بھی نیک برتاؤ کرو۔ ان کو اپنے کھانے جیسا کھانا دو۔ اور اپنے پہننے جیسا کپڑا پہننے کو دو اور اُن پر ظلم نہ کرو۔ اور اس بات کو جان رکھو کہ تم سب برابر ہو۔ اور ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو" +

اس کے بعد آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ ڈالی۔ اور کہا "اے اللہ تعالیٰ میں نے اپنے مشن کو پُورا کر دیا ہے۔ تُو اس پر شاہد رہیو" تب آپؐ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور لوگوں کے لئے دُعائے خیر مانگی۔ آپ اس کے بعد چند ماہ ہی زندہ رہے۔ اور آخر اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ خدا تعالیٰ کی ہزار ہزار برکتیں اور رحمتیں آپ پر ہوں آمین ثم آمین

اسلامک ریویو:۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق آپؐ کے آخری الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ مگر پھر بھی نادان لوگ کہتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کے رُتبے اور عزت کو پامال کر دیا ہے۔ ابھی مغربی تہذیب نے اس بلندی رُتبہ کو پہنچنے میں بہت مراحل اور منزلیں طے کرنی ہیں جو کہ اسلام نے عورتوں کو عطا فرمایا ہے +

سیرت نبوی

(از قلم جناب محمد مارمیڈیوک پکتھال صاحب)

اکثر سیدھے سادے بھولے بھالے اور بے قصور انگریز اب بھی اُن پادریوں کے ناپاک الزاموں اور بہتانوں کو سچ خیال کرتے ہیں۔ جنہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کینہ ور اور شہوتی انسان (نعوذ باللہ) کہا ہے۔ امید ہے آپ مجھے معذور خیال کرینگے۔ اگر میں ایکدفعہ پھر سے بات پر زور دوں کہ آپ ایک نہایت حلیم اور بُردبار انسان تھے۔ اور ہر بات کے افراط سے متنفر تھے۔ اگر مجھ کو آپ کے پرائیویٹ چال وچلن کے متعلق صرف ایک ہی صفت بیان کرنے کو کہا جائے تو میں کہونگا "نہایت ہی پیارا"۔ محمد رسول اللہ صلعم کی اپنی شخصیت پنگھوڑے سے لحد تک نہایت ہی پیاری تھی۔ اور اس دُنیا میں کسی شخص سے بھی اُن سے بڑھ کر سچی محبت نہیں کی گئی۔ آپ سے وہی لوگ محبت نہیں کرتے ہیں جو کہ آپ سے ہمکلام ہوتے یا آپ کو جانتے تھے اور جنکی محبت کی جھلک اب تک ان کے الفاظ میں نظر آتی ہے۔ بلکہ وہ لاکھوں کروڑوں انسان جنہوں نے آپ کا جسم مبارک کبھی نہیں دیکھا۔ اور جن کے پاس صرف آپ کی سوانحمریاں اور تعلیم و حدیث ہیں۔ وہ بھی آپ پر فدا ہو ہو جاتے ہیں۔ آپ رسول نبی مقنن۔ روحانی ہادی۔ اور نائب خدا سبھی کچھ تھے مگر میں ان حیثیتوں میں آپ کے متعلق کچھ نہیں لکھنے لگا۔ بلکہ صرف ایک پڑوسی اور دوسروں کے دوست اور سچے خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے میں آپ کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں +

کیا تم یہ فرض کرتے ہو کہ اسلام صرف تلوار کے ہی ذریعے پھیلایا گیا ہے بارہ سال تک پہلے اصحاب نبی سخت دردناک اور خوفناک تکلیفیں اہل مکہ کے ہاتھوں برداشت کرتے رہے۔ مگر پھر بھی انکی تعداد روز بروز بڑھتی رہی۔ مگر یہ سب جماعت منتشر تھی۔ اور اکثر ان میں سے جلاوطن ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی یہ تعداد میں بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ اس مبارک جماعت کے افراد کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مگر پھر بھی بہت ہی کم مرتد ہوتے تھے۔ مگر خدائے واحد کے دین میں اور بہت سے داخل ہوتے جاتے ہیں۔ کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا

جو کہ تمام دنیا میں اپنی دلربائی میں یکتا ہے اس روز افزوں اور پائدار ترقی پر کوئی اثر نہ تھا
اس جواب کو غور سے سنو۔ جو کہ آپ کے ایک صحابی نے اپنے ایذا رسانوں کو دیا۔ جبکہ وہ اُسے
سخت دُکھ اور ایذا دے رہے تھے۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اس وقت
محمدؐ تمہاری جگہ پر ہوتا" مگر اس تکلیف کی حالت میں وہ مظلوم چلا اُٹھا" مجھے اپنے
خاندان! اپنی دولت اور اپنی اولاد کی کچھ پرواہ نہیں بر خلاف اسکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو ایک کانٹا بھی چبھے"۔ یہ اُس عزت اور عظمت سے جو کہ لوگ پیغمبروں کی کرتے ہیں۔ اور
اُس وفاداری سے جو کہ وہ بادشاہوں سے برتتے ہیں ایک بالکل جُداگانہ چیز ہے۔ یہ دلی اور سچی محبت
کے کرشمے ہیں۔ ایک آپ کے ذاتی غلام کا یہ قول ہے "میں نے محمد رسول اللہ صلعم کی دس برس
خدمت کی ہے مگر اس عرصے میں آپ نے کبھی مجھے اُف! تک نہیں کہا" ہمیں اس قسم کی دلی
محبت کی اور بہت سی شہادتیں ملتی ہیں۔ اور وہ بھی اُن لوگوں کی ہیں جو کہ آپ سے ذاتی
واقفیت رکھتے تھے۔ بعض عیسائی مورخوں نے جنہوں نے آپ کی سوانح عمری لکھی ہے یہ خیال
ظاہر کیا ہے۔ کہ جب آپؐ کو طاقت اور حکومت حاصل ہو گئی۔ تو آپ کا چال چلن پہلے کی
نسبت ارذل ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ سنجیدگی اور نرمی جو پہلے تھی وہ حکومت کے
حاصل ہونے پر زائل ہو گئی۔ مگر مجھے اس خیال کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔
دُنیا کے تمام شہنشاہوں اور فاتحوں میں سے صرف ایک محمد رسول اللہ صلعم ہی تھے جنہوں نے
شخصی حکومت اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے آپ کو بادشاہ بھی نہیں بنایا۔ آپ کو جنگ
کرنے کی مطلقاً کوئی خواہش نہ تھی۔ مگر جب دشمن حملہ کر کے آپؐ کو اور آپ کے سچے مذہب کو
کو نیست و نابود کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ تو مجبوراً آپؐ کو بھی لڑنا پڑتا تھا۔ اسلام کی غرض
اور مقصد امن اور صلح ہے نہ کہ لڑائی اور جنگ۔ اور تاریخ میں عربوں کو جنگجو ہونے کی جو شہرت
حاصل ہوئی وہ محض ایک اتفاق سے حاصل ہوئی۔ اور اسکی وجہ دوسرے مذہبوں کا تعصب اور مذہبی
قیود ہیں۔ وہ لوگ جو کہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام محض تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ وہ ہمارے
مذہب کی حقیقت سے محض ناآشنا ہیں۔ اور جو خوشی اور تسکین قلب اس سے حاصل ہوتی ہے وہ اس سے
بیخبر ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کو قرآن شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کوئی

مس تک نہیں +

ایک ایسے زمانے میں جبکہ ذات پات اور فرقہ بندی کا خیال بہ نسبت موجودہ زمانے کے زیادہ سخت تھا۔ اور جبکہ قومیں شریف اور آزاد مردوں اور غلاموں میں منقسم ہو رہی ہوئی تھیں۔ اس وقت نبی کریم صلعم بھائی بندی۔ اور مساوات کا حکم لوگوں کیلئے لیکر آئے۔ اور تمہارے غلام۔ اُن کو وہی کھانے کو دو جو تم خود کھاتے ہو۔ اور وہی کپڑا اُن کو پہننے کو دو۔ جو کہ تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی ایسا قصور کر بیٹھیں جو کہ ناقابل گذر ہو۔ تو ان کو الگ کر دو۔ کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اور اُن سے بُرا سلوک کرنا روا نہیں ہے" +

"وہ غلام جو کہ نماز پڑھتے ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں" +

"اے لوگو۔ میری بات کو سنو۔ اور اسکو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور یہ بات کو جان رکھو کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم سب ایک برادری میں منسلک ہو تمہارے لئے کوئی چیز جو کہ تمہارے بھائی کی ملکیت ہو استعمال کرنی جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنی کامل رضامندی سے تمہیں اجازت نہ دیدے۔ اور بے انصافی کرنے سے ہمیشہ بچتے رہو۔ اور اس سے محترز رہو"۔

یہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایسا فرماتے ہیں۔ اس عالمگیر برادری اور یگانگت کا سبق صرف آپ نے لفظوں میں ہی نہیں سکھایا۔ بلکہ عملاً اپنے ذاتی نمونے سے بھی اسکو ثابت کر دکھایا۔ آپ نے کسی ذی روح یا انسان کو اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی کوئی دُکھ نہیں پہنچایا۔ آپ شہنشاہ عرب ہو جانے کے بعد بھی اپنے تمام پیروؤں سے ویسا ہی برادرانہ اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے ویسے ہی خادم اور بندے تھے جیسے کہ دوسرے مسلمان تھے۔ مگر رسول خدا ہونے کی وجہ سے آپ کی بات کو دوسروں پر فوقیت حاصل تھی اور وہ عزت اور ادب سے سُنی جاتی تھی۔ آپ اپنے گرد کوئی محافظ یا باڈی گارڈ نہ رکھتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں میں نہایت آرام اور بےفکری سے ایک ہادی۔ مصلح اور قابل اعتبار دوست کی حیثیت سے چلتے پھرتے تھے۔ آپ کی طرز معاشرت ایسی سادہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے سے نہ کہ خود آپ نے لوگوں کو متنبہ کیا۔ کہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو شور و غل مت کیا کریں۔ اور کھانے کے وقت تمام کے تمام آپکے مکان پر نہ جمع ہوا کریں۔ اگر چہ یہ باتیں سلیقہ

اور نسا فسلی کے چند اں خلاف نہ تھیں۔ مگر یہ دن بدن بڑھتی جاتی تھیں۔ کیونکہ ہر ایک شخص جو آپ سے ملنے آتا تھا یہی چاہتا تھا کہ آپ اس سے گفتگو کریں اور آپکی باتوں کو سنیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے جو آپ کو محبت تھی اس کے متعلق میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں آپ کو جو اپنی دوسری بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے محبت تھی وہ اگرچہ دوسرے رنگ کی [illegible] مگر پھر بھی کچھ کم نہ تھی۔ حضرت عائشہ کا نکاح بچپن میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا تھا [illegible] حضرت ابوبکر صدیق کی خواہش تھی کہ جسقدر بھی جلد ہو سکے یہ مبارک تقریب عمل میں آجائے۔ آپ کی [illegible] بیاں یا تو شفقت رحم کی وجہ سے اور دوسروں کا دل رکھنے کیلئے تھیں یا وہ سلطنت کی [illegible] کے ماتحت عمل میں آئیں۔ مگر ہر حالت میں آپ اپنی بیویوں سے نہایت محبت اور انصاف کے ساتھ [illegible] اور ان کے ہر [illegible] کا خیال رکھا۔ آپ ایک خاوند۔ باپ۔ پڑوسی۔ دوست۔ حاکم اور [illegible] کی حیثیت سے [illegible] زمانے اور تمام آنیوالے زمانے کیلئے ایک بہترین نمونہ تھے اور ہیں [illegible] آپ کی بابرکت شخصیت ہمیشہ [illegible] لیا ایسی شخصیت جو دوسروں کی [illegible] میں رہنے کا باعث تھی۔ آپ کا ایک لفظ بھی [illegible] دکھیلوں کو چپ کرانے [illegible] ملین لوگوں کو [illegible] بہلانے اور زخمی دلوں پر مرہم کا پھایا رکھنے کیلئے کافی تھا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے برخلاف منصوبے باندھتے تھے جب سامنے آتے تھے تو بالکل سیدھے ہو جاتے تھے۔ اور زر خرید غلام بن جاتے تھے +

آپ کی مظلوموں اور حاجتمندوں پر مہربانی اور انکی حاجت روائی کرنے۔ اور لوگوں سے منصفانہ برتاؤ کرنے بچوں سے محبت اور شفقت برتنے۔ اور بے زبان جانوروں پر مہربانی کرنے کے متعلق میں سینکڑوں کہانیاں آپ کے سامنے بیان کر سکتا ہوں۔ آپ بلیوں کو بوجہ انکی صفائی اور پاکیزگی کے بہت پسند فرماتے تھے۔ ایکدفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار لگا۔ [illegible] ہوئے تھے رستے میں ایک بلی آئی اور آپکے کرتے کے دامن پر آ کر لیٹ گئی اور سو گئی۔ جب بہت دیر ہو گئی اور آپ کو اٹھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو آپ نے مجبوراً اپنے کرتے کا دامن کاٹ ڈالا۔ تاکہ بلی کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اور خود اٹھ کر چلے گئے۔ آپنے سب لوگوں کو جانوروں پر سختی کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آپ کو قدرت کی ہر شے سے ایسی محبت تھی۔ کہ یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں کہ آپکے بعض صحابی بھی

پیرو یہ سمجھ لیتے تھے کہ تمام قدرت کی اشیاء ایک حد تک آپ کا حکم مانتی تھیں اور آپ سے محبت رکھتی تھیں۔ مگر آپ انکو ایسا خیال کرنے سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ اور یہ اُن کو جتلاتے تھے کہ آپ بھی انکی طرح ایک بشر ہیں صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیغام لوگوں کو پہنچانے کے لئے چُن لیا۔ کیا تاریخ میں ایسے کیریکٹر کا کوئی اور شخص نظر آتا ہے۔ اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ کہ پُرانے زمانے کا ایک مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرتے ہوئے یہ بول اُٹھے۔ چاہے تم ہر ممکن طریقے سے آپ کی بڑی سے بڑی تعریف کیوں نہ کرو۔ تب بھی تم آپ کی اعلیٰ و افضل صفات اور خوبیوں کو بیان نہیں کر سکتے۔ مگر اُس قسم کی تعریف اس میں شامل نہیں جو کہ عیسائی لوگ اپنے پیغمبر کی کرتے ہیں (یعنی اُسکو خدائی مرتبے پر پہنچایا)۔

صلوٰۃ علیہ وسلم

ابوالارتقا وابن الارتقا

نبی اور ریفارمر میں مابہ الامتیاز

تھیوری آف ایولیوشن یعنی مسئلہ ارتقا کے دلدادہ ایک نبی کو بھی اسی قسم کا مُصلح سمجھتے ہیں۔ جسے دُنیا کی وقتی ضرورت کسی نہ کسی ریفارمر کو پیدا کرلیا کرتی ہے لیکن یہ عدم تدبر کا باعث ہے مسئلہ ارتقا ایک سچا مسئلہ ہے۔ فطرت کا ذرہ ذرہ اس پر شاہد ہے کس طرح ایک بیج درخت ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح ایک قطرہ انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس میں شک نہیں کہ دُنیا کی تمدنی۔ اقتصادی سیاسی۔ الغرض ہر قسم کی علمی ترقیات بھی اسی مسئلہ ارتقاء کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ ایک نسل کی علمی تحقیقیں اور اخلاقی معلوم کردہ صداقتیں ورثتاً دوسروں کو ملجاتی ہیں۔ اور دوسری نسل اسکی اضافہ کردیتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کے متعلق ابھی آج لوگ یہ قیاس کرتے ہیں۔ کہ انبیاء کی اصلاحیں بھی اسی ارتقائی رفتار کی ایک ممتاز منزل ہوتی ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام بھی جو علوم دنیا کو دیتے ہیں۔ وہ دراصل ورثتاً وہ گذشتہ

نسلوں سے حاصل کر کے اس پر مناسب ایزاد کر دیا کرتے ہیں۔ یہ امر جہاں تک دنیوی ریفارمر ہوتے ہیں۔ بلکہ صحیح ہے۔ اور اگر اس قاعدہ کلیہ میں کسی وجود کی استثنا ہو سکتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کا ہی وجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام ان ریفارمروں کی طرح ارتقا کے فرزند نہیں ہوتے۔ بلکہ ارتقا کے جدامجد ہوتے ہیں +

مسئلہ ارتقاء یعنے تھیوری اوف ایولیوشن کے دلدادوں کے لئے یہ امر قابل غور طلب ہے۔ کہ جب اُن کے نزدیک دنیا کی رفتار ترقی میں ہر ایک نیا مرحلہ موجودہ حالات میں سے ہی پیدا ہؤا کرتا ہے اور نئی تحریکیں علی العموم انہیں خیالات کا عکس ہوا کرتی ہیں جو پہلے سے چاروں طرف مستعد طبائع میں پیدا ہو چکی ہوں۔ تو ساتویں صدی عیسوی کا وہ تاریک زمانہ جس نے ہر طرف فطرت انسانی کو پستی کی تہ میں پہنچا دیا تھا۔ عرب جیسے تاریک ترین سرزمین میں کمال انسانی کی معراج پر پرواز کرنیوالی فطرت کس طرح پیدا کر سکتا تھا +

اِس عقیدے کے ماننے والے یہ رائے رکھتے ہیں۔ کہ زمانہ میں جس وقت کوئی تبدیلیٔ خیالات یا انقلاب آرائے یا کوئی اصلاح ہونے لگتی ہے۔ تو یہ کسی خاص وقت کا یا کسی خاص ایک دماغ کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس نئی تحریک کے مناسب حال طبائع پہلے سے ہی طیار ہو جاتی ہیں۔ مختلف اسباب صدیوں آہستہ آہستہ کام کرتے آتے ہیں علم و فن کی ترقیات معلومات کی وسعت قدیمی مروجہ خیالات کے نقص اپنی اپنی جگہ کام کرکے لوگوں میں ایک قسم کا انتشار اور ہیجان پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں طبائع میں اضطراراً اسی ایک امر کی طرف میلان ہوتا ہے۔ دلوں میں اِس مقصد کے حصول کیلئے ایک مجہول الکنہ طریق پر اُمنگیں جوش مارتی ہیں۔ الغرض چاروں طرف خیالات میں ایک قسم کی طیاری ہو جاتی ہے ایسے وقت میں کوئی حکیم مزاج لیکن دل کا جری انسان پیدا ہو کر ان خیالات کو ایک مرئی قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ باتیں جو لوگوں کے دلوں میں اندر ہی اندر پک رہی ہوتی ہیں وہ انہیں الفاظ کا لباس پہنا کر زمانہ کی بالقوہ استعدادوں کو بالفعل کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر دوسروں پر فوقیت ہو سکتی ہے تو صرف اِس ایک بات میں کہ اُس میں ان امور کے اظہار کی

قابلیت اور جراأت ہوتی ہے جو طبائع میں تنہ پہلے سے ہی مرکوز ہوتی ہیں۔ لوگ اُسکی مضبوطی دلائل کے آگے سر نہیں جھکاتے بلکہ اُس کے دلائل میں وہ اپنے نصب العین کو دیکھ کر اُنہیں فی الفور قبول کر لیتے ہیں۔ لاریب یہ باتیں جو قائلین مسئلہ ارتقاء پیش کرتے ہیں معقولیت سے باہر نہیں۔ بلکہ واقعاتِ عالم اُن کے مؤید ہیں۔ چنانچہ عیسوی کلیسیا کے مصلحین یعنی لوتھر اور کالوین کے حالات اسی مسئلہ ارتقاء کے ماتحت آجاتے ہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یونانی علوم کی ترویج وغیرہ ایسا ہی دیگر فنون کی ترقیات نے ایک طرف اور خانقاہ نشین پادریوں کے برخلاف روز افزوں نفرت نے دوسری طرف بانیان ریفارمیشن (اصلاح کلیسیہ) کے پیدا ہونے سے پہلے اُن کی سڑک صاف کر رکھی تھی۔ لوگ پہلے سے ہی اسبابات کے لئے طیار تھے۔ جو ان بزرگوں نے تعلیم کی۔ یہی حال ہم سوامی دیانند جی مہاراج کا دیکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی زمانہ کی نبض شناسی میں غلطی نہیں کی اصلاح ملک کے لئے وہ نسخہ طیار کیا۔ کہ جس کی قبولیت کے لئے طبیعتیں مختلف اسباب کے ماتحت پہلے سے طیار ہو چکی تھیں۔ اصلاح کا جو رستہ انہوں نے تجویز کیا اُس پر ملک کے تعلیم یافتوں کا ایک حصہ پہلے سے قدم مار رہا تھا۔ آفتابِ اسلام کی تیز شعاعوں نے ایک طرف اور جدید علوم کی روشنی نے دوسری طرف شرک کے اندھیرے کو مٹانا شروع کر دیا ہوا تھا۔ بُت پرستی سے نفرت اور پرانی تعلیم سے وحشت پیدا ہو رہی تھی۔ برہمنوں کے خانہ ساز اصولوں سے طبیعتیں رُک رہی تھیں۔ توحید کے عشاق تو اسلامی جادہ پر چل رہے تھے لیکن وہ جو ابھی تذبذب میں تھے یعنی ایک طرف قدیمی شرک کے اثروں سے پورے باہر بھی نہ تھے اور دوسری طرف توحید نے اپنا دھندلا سا نقش اُن کے لوح دل پر ابھی جمانا شروع کیا تھا انہوں نے توحید کی اس نئی مگر کاذب اشتہا کو عیسائیت کی توحید فی التثلیث سے تسکین دی۔ پھر ایک لاتعداد جماعت نے وید چھوڑ کر وحدہٗ لاشریک براھم کے لئے براھمو مندر بنائے جنہیں سے بُتوں کو قطعاً نکال دیا گیا۔ مگر عام طور پر لوگوں کا آبائی مذہب جلدی چھوڑ دینا یا قومی عقائد کو ترک کر کے اپنے عزیزوں سے الگ ہو جانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا یہ

امر تو ایسی بھاری قربانی چاہتا ہے۔ کہ جس کیلئے مدت مدید کی طیاری درکار ہوتی ہے۔ اسلئے ایسے انقلاب کے وقت انسانوں میں ایک قسم کی حرکت مذبوحی پیدا ہو جاتی ہے۔ نئے خیالات کی دلفریبی اور پرانے تعلقات سے وابستگی ایک درمیانی راستہ تجویز کر لیتی ہے۔ انسان ایسے وقت نئی صورتوں کو اسی اپنے پرانے لباس میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جو نئی باتیں اُسے پسند آگئیں وہ ہو نہ ہو اسکی آبائی تعلیمات میں سے نکل پڑیں۔ اور وہ امور جن سے وہ متنفر ہو چکا ہے وہ کسی نہ کسی طریق سے پرانے اصلی عقائد پر الحاق شدہ ثابت ہو جائیں +

توحید کی صداقت جو اسلام ہندوستان میں لایا بُت پرستی کی بُنیاد ہلا چکی تھی لیکن آبائی تعلقات قبولیت اسلام کے مانع تھے۔ اسلئے مذکورہ بالا قدامت پرست طبائع نے چاہا . . . . کہ تعلقات قدیمہ کے قیام کے ساتھ ساتھ جدید باتیں اختیار کی جائیں۔ برامھو سماج بھی دراصل اُس انسانی کمزوری کا ایک نتیجہ تھا۔ لیکن برامھو سماج کا وید کو چھوڑ دینا اس کی اشاعت عامہ کی راہ میں روک تھا۔ وید کے پرستار راجہ رام موہن رائے کی بجائے کسی ایسے مہاپُرش کو قبول کرنے کی تیاری کر رہے تھے جو وید کو بھی قائم رکھے اور عناصر پرستی بُت پرستی اور دیگر شرک کی صورتوں کو بھی خارج از وید ثابت کر دکھلائے۔ شرادھ وغیرہ کو بدعات اور ذات پات کے امتیاز کو برہمنوں کی مخترعات بتلائے۔ اِس ضرورت کو سوامی دیانند جی نے پُورا کیا۔ اُس نے اسی امر کا پرچار کیا کہ جس کی پیاس اسلامی روشنی نے تعلیم جدید کے ساتھ ملکر ہندو صاحبان کے دلوں میں پیدا کر رکھی تھی۔ اِسی لئے نئی تعلیم یافتہ جماعت نے ہی سب سے اول سوامی جی کو خوش آمدید کہا۔ سوامی جی نے نہ صرف توحید کو مغز وید ثابت کرنا چاہا۔ بلکہ اُس نے ہر ایک موجودہ ترقی کی اصل شکل وید کے الفاظ میں دکھلانے کا اقدام کیا۔ اس نے ہون کے دھوئیں میں جو اگنی کی پرستش میں کیا جاتا ہے موجودہ انجنوں کی سٹیم اور اندر کے ہوائی کرہ والی سواری میں بیلون دیکھے۔ زمین کی تہ یعنے پاتال میں اُسے امریکہ نظر آیا۔ اور بندروں کی بستی میں اُسے یورپ دکھلائی دیا۔ الغرض اس مہاپنڈت نے ملک کی نبض شناسی کر کے انہیں خیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا۔ جو تعلیم یافتہ

حیوانات میں چاروں طرف موجود ہوتے تھے لہذا ایسے واقعات پر مسئلہ ایوولیوشن کے دلدادوں کا یہ کہہ دینا بالکل بجا ہے کہ لوتھر اور کالون کا وجود یورپ میں اور دیانند جی کی شخصیت ہندوستان میں ارتقاء کے ہاتھ کا ایک کامل کرشمہ ہے۔ اسیطرح دنیا کے دیگر انقلابات بھی اسی مسئلہ کی تائید میں زبردست شہادتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر مسئلہ ارتقاء کے ایک قاعدہ عام ہونے میں اگر زمانہ کی تاریخ نے استثنائیں بھی پیدا کی ہیں۔ تو یہ استثنائیں اُن انقلابات میں پائی گئی ہیں جو انبیاء کے وجود نے وقتاً فوقتاً دنیا میں پیدا کی ہیں اور جن کی کامل تشریح حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں نظر آتی ہے +

اس امر کے متعلق اس جگہ میں صرف اس ایک اصلاح کا ذکر کرونگا جو آنحضرت صلعم نے بت پرستی کے متعلق عرب میں شروع کی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تحریک جو آپ کے دل میں پیدا ہوئی وہ ہمعصروں کے خیالات کا عکس تھا یا وہ زمانہ مطلق اس امر کیلئے طیار نہیں تھا۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس وقت توحید پر کامل موت وارد ہو چکی تھی ہندوستان۔ ایران۔ تمام فرنگستان بت پرستی۔ عناصر پرستی۔ اجرام پرستی اور سب سے آخر انسان پرستی کے غلام ہو رہے تھے عزت اور اور حرمت کے بلند سے بلند مقام پر بتوں کا تختگاہ تھا۔ اس وقت بھی دنیا سے وہ لٹریچر معدوم نہیں ہوا جو ہندوستان۔ ایران اور فرنگستان نے اُس وقت پیدا کیا تھا۔ اُن سب کی سب کتب میں علی العموم ہم اس آتش معرفت کی ہلکی سی چنگاری تک بھی نہیں دیکھتے کہ جس نے عنقریب فاران سے نکل کر جنگل کے جنگل ترس کے بھسم کر دینے تھے پھر ہم کیسے مان لیں کہ وہ توحید جسے شارع اسلام علیہ السلام نے از سر نو دنیا میں زندہ کیا وہ نتیجہ ارتقاء کی ظلمکاری تھی۔ اس موقعہ پر آپ کی دس گیارہ سالہ زندگی کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ہے جو شاید اس معاملہ زیر بحث پر کافی روشنی ڈالدے۔ آپ اس بچپن کی عمر میں ابو طالب اپنے چچا کے ہمراہ سفر شام کو جا رہے تھے راستہ میں ایک راہب کے ہاں قیام ہوا۔ اثنائے گفتگو میں عرب کے عظیم الشان اور نہایت ہی مقتدر دو بتوں یعنی لات اور ہبل کا ذکر آگیا۔ اس پر آپ نے بیساختہ فرمایا۔ کہ جس قدر نفرت اور عداوت قلبی مجھے لات و ہبل سے ہے وہ کسی چیز سے نہیں +

اللہ اللہ وہ زمانہ جسمیں کُل دُنیا بتوں کی مہما کر رہی ہو۔ عرب کے گرد و نواح کے تمام سب بتوں کے تسلط میں ہوں۔ وہ تعلیمات قدیمہ جو بت پرستی کے خلاف کبھی نازل ہوئی تھیں عرب اُن کے دائرہ اثر سے ہمیشہ باہر رہا ہو۔ بلکہ وہ تعلیمیں بھی اپنی جگہ بذاتِ خود متروک و مردود ہو چکی ہوں پھر اہل عرب کے نزدیک لات و ہبل کُل دُنیا کے بتوں کی ناک سمجھے گئے ہوں اور خدا کے ہاتھ میں پرورش پانیوالا بچہ اس خاندان سے ہو کر جس کی شرافت اور عزت اسی لات و ہبل کے گھر کی تولیت سے ہو۔ اُس کی نو آموز آنکھ اور کان نے ہمیشہ اُسی لات و ہبل کی تعظیم و تکریم ہی دیکھی اور سُنی ہو۔ اُسکی قوم و ملک کی مشکل کُشائی اُسی لات و ہبل کے ہاتھ سے سمجھی گئی ہو۔ جس کرۂ ہوا میں اُس معصوم بچہ کا ابتدائی اُٹھان ہُوا ہو وہ لات و ہبل کی عظمت و محبت سے معمور ہو +

الغرض اُس سلیم الفطرت بچہ کے گرد و پیش ایسے ہی سامان ہوں کہ جس سے اُس کے دل میں لات و ہبل کی عظمت و عزت اور محبت جم سکے لیکن جونہی اُن دونوں کا نام اس کے سامنے لیا جاوے۔ وہ اُن کے پرستاروں کی ذرا سی پرواہ نہ کرکے اپنی نفرت و حقارت کا اظہار کرے۔ اور آئندہ کے واقعات یہ ثابت کردیں کہ یہ نفرت و عداوت فی الواقعہ اُسکی پاک فطرت میں گڑی ہوئی تھی۔ اب کیا یہ نفرت عداوت اُسے ورثہ میں یا خون کے ذریعہ ملی۔ اُس کے آبا و اجداد تو ان بتوں کی محبت و عشق میں سرشار رہتے۔ بلکہ وہ خطرناک مخالفت جو بعد میں اُس کے عزیز و اقارب نے لات و ہبل وغیرہ کی حمایت میں اُٹھائی۔ وہ اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی مسئلہ ارتقاء کی بوالعجبیاں اپنے ساتھ لئے ہُوئے نہ تھی۔ اگر آپؐ کی تعلیم ایوولیوشن کا نتیجہ ہوتی تو پھر آپؐ کا بت پرستی کے خلاف کھڑا ہونا تو دراصل اُنہیں خیالات کا اظہار ہوتا جو اُس کے معاصرین کے دلوں میں پیدا ہو چکے تھے لیکن عرب نے جو خطرناک مخالفت آپؐ کی کی۔ اور پھر بتوں کے خلاف آپؐ کی تیرہ سالہ جانکاہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف معدودے چند ہی دلی آنحضرتؐ کے ساتھ ہوئے۔ یہ اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ تحریک جو آنحضرتؐ کے دل میں موجزن تھی وہ نواحی خیالات کا عکس نہ تھی۔ بلکہ وہ آسمانی تحریک تھی +

اسمیں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے چندہی برس پہلے سرزمین عرب میں دو تین اور شخص بھی بُت پرستی سے متنفر نظر آتے ہیں لیکن ان کی ہستی سے آپ کی شخصیت کا ارتقائی طریق پر پیدا شدہ تسلیم کرنا اِس مسئلہ کے ضروری لوازمات کو نظرانداز کرنا ہے۔ ارتقائی رفتار ہمیشہ تدریج اور آہستگی کو چاہتی ہے۔ اس کے ماتحت عالم کی کایا پلٹنے والی کسی نئی اصلاح کے وجود میں آجانے کے لئے تیس چالیس کیا پچاس برس بھی حقیقت نہیں رکھتے واقعات عالم اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ کسی خاص قسم کے خیالات یا آرائے کا قائم ہوجانا اور پھر اُن کے متضاد خیالات یا آرائے کا دُنیا سے مٹ جانا ایک لمبے عرصہ اور پشتہا پشت کی متواتر کوششوں کو چاہتا ہے۔ اول اوّل کسی خاص تحریک سے ایک نیا خیال دُھندلی شکل میں بیج کے طور پر کسی طبیعت میں پیدا ہوجاتا ہے جس پر اور صدہا ملتے جُلتے واقعات آبیاری کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر صدیوں بعد وہ خیال دن بدن مضبوط ہوتے ہوتے اور متضاد خیال کو روز بروز کمزور کرتے کرتے کسی زبردست ہاتھ سے مشہودی و مرئی شکل اختیار کرکے طبائع عالم پر بتدریج غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ دُنیا نے کوئی انقلابی تحریک ایسی نہیں دیکھی جس نے ارتقائی دور پر تو پیدائش حاصل کی ہو اور پیدائش سے پہلے صدیوں تک مادر گیتی کے حمل میں نہ رہی ہو الغرض پیدا ارتقاء کے کارناموں کا تمیزی نشان یہ ہوتا ہے۔ کہ جس بات نے اُس کے ماتحت پیدا ہوکر آخرکار دُنیا میں زبردست انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہے وہ صدیوں پہلے پیدا ہوکر ایک طرف آہستہ آہستہ اپنا سکہ طبائع عالم پر جماتی جاتی ہے اور دوسری طرف اس امر کو کمزور کرتی جاتی ہے کہ جس کی بیخکنی اس نئے امر سے متصور ہوتی ہے۔ جن واقعات نے لوتھر اور کالون جیسے مصلحین فرنگستان میں پیدا کر دیئے۔ ان کا آغاز اگرچہ فتح قسطنطنیہ سے مانا گیا۔ لیکن میری تحقیق میں اس کا اصلی سبب فتح قسطنطنیہ سے کئی صدیاں پہلے دُنیا میں پیدا ہوچکا تھا۔ فتح قسطنطنیہ نے جن رُومی اور یُونانی مُتقفل علوم کو یُورپ میں پہنچایا وہ اِس قدیمی خیال کے مُؤیدات سے تھے +

اصل اصول ریفارمیشن (اصلاح کلیسیا) کا یہ تھا۔ کہ امور دینیہ میں کسی خاص شخص

کسی رائے یا اجماع کی پرواہ کیے بغیر - بلکہ ہر شخص کی رائے پر کلام الٰہی کو ترجیح دیجائے
رومن کیتھولک کلیسیہ نے پوپ کو پطرس کا جانشین قرار دیکر اس کے اجتہاد اور احکام
پر چلنا عیسائیت کا اصلی اصول قرار دیدیا تھا۔ وہ اسی بات کی سخت مخالفت کرتا تھا
کہ کتب مقدسہ کے معانی اور مطالب سے کوئی ادنیٰ تغیر جائز نہ ہو۔ اور اس کے مقابل
لوتھر اور کالون نے ہر انسانی اجتہاد پر کلام الٰہی کو ترجیح دینے کے لئے ترجمۂ انجیل پر اور
اس کے مطالب کو عام فہم کرنے پر زور دیا۔ اب امر تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ خیال کہ امور ملیہ میں
میں ہر امر متنازعہ شخصی اجتہاد کے مقابل کلام الٰہی کو ترجیح دی جائے یورپ میں کہاں سے پیدا
ہوا۔ اس کو تجدید و ترویج علوم یونانی و روما کی طرف منسوب کرنا اسی صورت میں درست
ہو سکتا ہے جب اس لٹریچر میں یہ اصول کسی نہ کسی رنگ میں پایا جائے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے
کہ یونانی و رومی علم ادب زیادہ تر انہیں کے فہم و دماغ کا نتیجہ ہے کہ جن کے سامنے یہ سوال ابھی پیدا
نہیں ہوا۔ وہ تو بت پرست مشرک اقوام سے تھے۔ انہیں الٰہیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ معقولات کے
بیشک وہ بادشاہ تھے لیکن حق اللہ و حق العباد کے معاملات انکی نگاہ سے بہت ارفع تھے۔ اسلئے امر زیر بحث
کو ان کی طرف منسوب کرنا ایک بھاری مورخانہ غلطی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے - کہ ان
یونانی رومی حکماء کے طریق استدلال نے علمی تحقیق کا ذوق سلیم یورپین دماغ میں پیدا کر کے اہل یورپ
کو پوپ کی غاصبانہ حکومت سے آہستہ آہستہ متنفر کر دیا۔ اور دیگر معاملات دنیوی کی طرح امور
مذہب میں بھی پوپ کے جوتے کے نیچے گردن رکھنے کی بجائے ہر ایک اہل الرائے کو خود غور و
فکر کرنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ شخصی اجتہاد کا دائرہ وسیع
ہو جاتا اور پوپ کے ماسوا اوروں کو بھی معاملات ملیہ میں رائے زنی کا حق ہو جاتا - نہ یہ کہ کلام
الٰہی کی تلاش اور تجسس ان معاملات میں پیدا ہوتی اور ہر مسئلہ میں کلام الٰہی کے الفاظ کو
انسانی الفاظ پر ترجیح دیجاتی۔ یورپ کے مذہبی علم کلام میں یہ ایک نیا امر تھا اور اس کی اصل
کو یونانی رومی حکما کی تحریر میں تلاش کرنا ایک بے سود کوشش ہے ہم کیوں اس تجدید کو علوم یونانیہ
کا ایک اتفاقی نتیجہ قرار دیں جس صورت میں یہ اصول انہیں الفاظ میں ہمیں اسلام کے ساتھ وابستہ
نظر آتا ہے۔ قرآن نے ہی کتب مقدسہ میں سب سے اول الٰہیات کے اس زریں اصول کو قائم کر کے

کتاب اللہ کے محکم اور متشابہ کے آگے ہر انسانی اجتہاد کی گردن جھکا دی۔ اس اصول نے
اندلس کی راہ سے یورپ میں اپنا راستہ پیدا کیا۔ اور اس اسلامی عقیدہ نے آخر کار پوپ کے کلاوحی
احکام و اجتہاد پر الفاظ اناجیل و ملفوظات مسیح کو ترجیح دینے کا خیال پیدا کر کے لوتھر جیسے لوگوں میں
لوتھر سے بھی پہلے مطالعہ انجیل اور ترجمہ انجیل کی طرف طبائع کو پھیر دیا۔ چنانچہ لوتھر کی اس تعلیم نے
کہ الفاظ انجیل کو پوپ کے اجتہاد و احکام پر ترجیح ہونی چاہئے۔ لوتھر کو کلیسیا روما کے پادریوں سے
محمدی کتا کہلوایا۔ کیونکہ کلیسیہ مذکورہ کے علم و یقین میں لوتھر کا یہ طریق عمل محمدی تعلیم فردوا الی اللہ والرسول
سے اخذ شدہ تھا یعنی امور متنازعہ میں تم کل انسانی اجتہادوں کو چھوڑ کر خدا اور اس کے
رسول کے کلام کی طرف رجوع کرو۔ الغرض جن خیالات نے لوتھر کو پیدا کر کے اس کے سر پر
مقبولیت عامہ کا تاج پہنایا۔ وہ لوتھر سے صدی پہلے نہیں بلکہ کئی صدیوں پہلے
اسلام سے یورپ میں آ گئے۔ ہاں تجدید علوم یونانیہ نے اس خیال کی آبیاری کی
اور بالمقابل پوپ کی عظمت بھی تھوڑی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی جب سے
کا بیج اسلام نے بویا اور پھر آہستہ آہستہ یہ درخت بار آور ہوتا گیا۔ دن بدن ایک طرف توحید
زور پکڑتی گئی اور بت پرستی بالمقابل کمزور ہوتی گئی۔ راجہ رام موہن رائے اور کیشب چندر سین
اسی عمارت توحید کی تعمیر کے مزدور تھے۔ اور اسی کام کو کرنیوالا سوامی دیانند تھا۔ الغرض مسئلہ
ارتقاء کے پرستاروں کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح اصلاح کن امور ایک وقت پہلے طبائع
میں بیج کی طرح پیدا ہو کر آہستہ آہستہ اپنے کامل ظہور کی طرف قدم مارتے ہیں۔ اور دن
بدن ترقی کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح طلب امور کی طرف سے طبیعتیں
دن بدن متنفر ہوتی جاتی ہیں۔ گویا یہ دو متضاد امور بالمقابل معکوس رفتار چل کر آخر کار
قطعیت پر بتدریج آ جاتے ہیں۔ یعنی صاحب الصلوٰۃ والتحیاۃ کی تحریک توحید ان لوازمات ارتقاء
سے بالکل جدا ہے نہ آپ کی بعثت سے پہلے عرب میں یا دنیا میں بت پرستی کے خلاف کوئی
خاص تحریک پیدا ہو کر آپ کی پیدائش تک مضبوط ہوتی گئی۔ نہ توحید کی حمایت میں کوئی
خاص خیالات بتدریج ترقی کرتے گئے۔ آنحضرت صلعم کی اصلاح تو اس صورت میں ارتقاء کے ماتحت
آسکتی ہے جب یہ امر ثابت ہو جاوے کہ وہ توحید جو جناب موسیٰ یا جناب مسیح نے تعلیم کی تھی یا جو خیال آریہ سماجیہ

ویدمیں پائی جاتی تھی وہ تاریخ الہام سے دن بدن مضبوط ہوتی گئی۔ اور اس کے مقابل شرک روز بروز کمزور ہوتا گیا ہو لیکن معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ ہم کو تو تاریخ میں یہ پتہ لگتا ہے کہ گو مختلف مرسلین علیہم السلام نے توحید کا سبق دیا لیکن دنیا نے اُسے بہت جلد بھلا دیا اور جوں جوں اسلام کی پیدائش کے دن قریب آتے گئے شرک کا اپنا کامل تسلط دنیا پر بٹھاتا گیا حتٰے کہ نبی کریم کی بعثت پر چاروں طرف شرک ہی شرک نظر آتا تھا۔ بعثت نبوی سے سات صدی پہلے جناب مسیح نے ایک حصہ دنیا کو شرک کی نجاست سے پاک کرنا چاہا لیکن جوں ہی توحید کی یہ ندی یونان و روما کے راستے یورپ کے بحر شرک میں داخل ہوئی۔ اسی وقت اس ندی کا اس طرح نام و نشان مٹ گیا جس طرح بڑے سے بڑے دریا کا سمندر میں داخل ہو کر مٹ جاتا ہے۔ مسیح کے بعد ایک آدھ صدی تک تو عیسائیوں میں موحدین نظر آتے رہے و لیکن آخر کار یونانی اور رومی مشرکانہ خیالات نے عیسائیت کو اپنے رنگ میں رنگین کر دیا۔ جیو پیٹر اور ذی اوس کے پرستاروں نے یہ تبدیلی نام و مقام پرانی بت پرستی کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ جیو پیٹر کے تخت پر یسوع اور وینس کی کرسی پر مریم کو متمکن کیا۔ اور ان کے ماتحت جو جو دیوتا رومن اور یونانی مائی تھیولوجی میں مختلف جذبات و اشغال انسانی کی سرپرستی کے لئے پوجے جاتے تھے۔ اُن کی جگہ کیتھلک کلیسیہ میں مختلف سینٹوں کو دی گئی۔ الغرض تمام کی تمام پرانی مائی تھیالوجی (مذہبی افسانہ جات) نے عیسائی لباس میں ازسر نو ظہور کیا۔ لبن کا یہ مقولہ نہایت ہی نتیجہ خیز ہے۔ کہ یورپ نے مسیح کو بہت جلد اسلئے قبول کیا۔ کہ مشرک یورپ نے ازسر نو اس خدا کو انسانوں میں چلتے پھرتے دیکھا کہ جس کی بابت ان کے افسانے مملو تھے۔ وہ سنتے آتے تھے۔ کہ کس طرح قدیم سے قدیم زمانوں میں خدا جیو پیٹر اور ذی اوس کے نام پر انسانی سوسائٹی میں جلوہ افروز تھا کس طرح وہ انسانوں کے ساتھ ملتا جلتا اور ان کے معاملات میں دخل دیتا تھا۔ ان کی نگاہیں طبعاً الیڈ اور اوڈیسی[1] کے زمانہ کو ازسر نو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اسلئے انہوں نے مسیح کے حالات کو سنکر اس قدیمی جیو پیٹر اور ذی اوس کو نئے لباس میں آسمان سے نازل ہوتے دیکھا۔ اور مسیح کو خدائی رنگ میں قبول

---

[1] یہ دو یونانی رزمیہ کتابیں ہیں جنمیں مشرک یونانیوں کا خدا ہر ایک اہم انسانی معاملات میں دخل دیتا ظاہر کیا گیا ہے۔

کرلیا۔ ان مشرکانہ تعلیم کا ذمہ وار بہت حد تک پولوس تھا جس نے اسرائیلیوں سے قطع کر کے یونان میں مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے یونانی خیالات میں عیسائیت کو رنگین کرنا چاہا۔ وہ توحید جسے مسیح لایا پھر مٹ گئی۔ اور اس طرح عیسائیت کی مشرکانہ شکل ہی مشرک یورپ میں اس کی عظمت پھیلانے کا باعث ہوئی۔ الغرض جوں جوں آنحضرت صلعم کا زمانہ قریب ہوتا گیا توحید کا نقش دھندلا اور شرک کا منظر بین اور روشن ہوتا گیا۔ یہی حالت ہم ہندوستان میں اور اس کے مضافات میں دیکھتے ہیں۔ وید کی توحید نے جس شرک کا مٹانا چاہا کچھ عرصہ بعد وہ خود اس کا شکار ہو گئی۔ اگر ویدواوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے اصلی باشندگان ہندوستان کی زمین پر قبضہ پا لیا۔ تو قدیمی معبودوں نے ویدوالوں کے دلوں پر تسلط پایا۔ چنانچہ ترتیب وید کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ ابتدائی رنگ کی توحید جو ویدمنتروں میں بیان کیجاتی ہے عناصر پرستی میں ڈھل گئی اور شرک نے ڈیرا آ لگایا۔ اگرچہ عارف بدھ کی پیدائش نے پھر چند صدیاں رفتار شرک کو دھیما کر دیا۔ لیکن آخر کار انہیں خونخوار معبودوں نے جو ظہور وید سے پہلے اس ملک کے باشندگان پر حکمران تھے از سر نو درگا اور کالی وغیرہ کی شکل میں ملک کا بہت سا حصہ فتح کرنا شروع کر دیا حتےٰ کہ بہت جلد وہ توحید کی دھندلی روشنی جو کسی قدر وید کے ذریعہ ہند میں چمکی تھی فی الفور نابود ہو گئی اور ظلمت شرک کی جہان میں اسقدر پھیل گئی۔ کہ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آنے لگی۔ دنیا کا حال ایک تاریک ترین رات کی طرح ہو گیا۔ کہ جس کے خاتمہ پر آفتاب نے بصد آب و تاب جلوہ گر ہونا تھا۔ ایسی حالت میں اگر آفتاب اسلام کے طلوع سے کچھ پہلے عرب میں توحید کی روشنی نے چمک دکھلائی تو وہ اس روشنی کی طرح تھی جو شب دیجور کے خاتمہ پر صبح کاذب کے رنگ میں مطلع عالم پر پیدا ہو جاتی ہے لیکن جس طرح صبح کاذب کی روشنی ایک نے حقیقت چیز ہوتی ہے۔ وہی حال ان معدودے چند موحدین کا تھا جو آنحضرت صلعم سے ایک نسل پہلے عرب میں پیدا ہوئے۔ یہ موحدین تو اس آفتاب صداقت سے پہلے بطور ارہاص کے تھے کہ جس نے عنقریب نکل کر کل دنیا کو منور کر دینا تھا۔ تھیوری آف ایولیوشن کے ماتحت تو چاہئے تھا کہ بعثت نبوی سے مدتوں پہلے توحید مضبوط ہوتی جاتی اور

ترک بالمقابل کمزور ہوتا جاتا اور یہ دونوں امور بالمقابل معکوس رفتار پر چلکر قطعیت کا رنگ نبی عرب کے ہاتھ سے دیکھ لیتے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا بت پرستی کی بیخ کنی میں اسلامی تحریک کسی نہج پر بھی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ بت پرستی کا عرب جیسے ملک اور پھر خصوصاً مکہ سے دور کر دینا کوئی آسان امر نہ تھا۔ یہ کام خلق استقامت کا وہ انتہائی نکتہ کسی مصلح میں چاہتا تھا۔ کہ جس کا اظہار آنحضرت صلعم سے پہلے یا بعد میں تاریخ زمانہ کسی اور اولوالعزم انسان میں نہیں دکھلا سکی۔ کوئی محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز چیز ہمیں ایسی نظر نہیں آتی۔ جو آپ کو اور آپ کی اتباع میں صحابہ کرام کو اعلائے کلمۃ اللہ میں قربان نہ کرنی پڑی ہو۔ دراصل جسقدر خطرناک مخالفت کسی مصلح کی راہ میں ہوتی ہے اسیقدر وہاں استقامت کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشکل تو یہ تھی کہ بت پرستی اہل مکہ کو نہ صرف اسلئے عزیز تھی کہ یہ ان کا آبائی مذہب تھا بلکہ اسلئے بھی کہ اہل مکہ اور خصوصاً قبیلہ قریش کی عزت و وجاہت ان کا رعب ان کی دولت و ثروت ان کی وجہ معاش گویا ان کی سب محبوب ترین چیزیں ان کے علم و یقین میں صرف ایک بت پرستی کے قیام پر ہی قائم رہ سکتی تھیں بتکدۂ کعبہ نے مکہ کو عرب اور اسکے نواحی ممالک کا مرجع بنا رکھا تھا۔ ان نواحوں میں مکہ ہی بڑی بھاری تجارت کی منڈی تھی۔ قبیلۂ قریش کا رعب اگر کل عرب پر غالب تھا تو صرف اسی لئے کہ وہ بتکدۂ کعبہ کے متولی کاہن تھے اسلئے جو شخص مکہ کو بتوں سے خالی کر کے ملک سے بت پرستی چھڑانا چاہتا تھا وہ صرف اہل مکہ کے جدی مذہب پر ہی حملہ کرتا تھا بلکہ وہ اہل مکہ کو ان کے وہم و گمان میں انکی دولت ثروت رعب اور وجاہت سے محروم کرنے کی بھی فکر میں تھا۔ اسکی بہت ادنےٰ درجہ پر تشریح اسی کوشش سے ہو سکتی ہے جس کو کوئی شخص پانڈوں کے مقابل ہردوار میں جا کر گنگا ماتا کی پرستش کے اڑانے میں کرے۔ کیونکہ ہردوار کے پانڈوں کی عزت وجاہت اور معیشت بھی پرستش گنگا کے قیام پر منحصر ہے۔ حالانکہ اس وقت ہم اس سلطنت کے سایۂ رحمت میں پناہ گزین ہیں کہ جو ہماری جسمانی حفاظت کی ذمہ وار ہے اور جس کی سیاست ہر ایک حملہ کو روک سکتی ہے۔ لیکن اس پر بھی سوامی دیانند جی مہاراج نے ہردوار

چھوڑ کسی بادشاہ نے سر اوڈنی بُت پرستی کے مرکز میں بھی اپنی اصلاح کے کام کو استقلال کے ساتھ جاری کرنے کی جرات نہیں کی۔ انہوں نے تو اس نیک کام کے لئے اُسی گروہ کو انتخاب کیا جسے اسلامی روشنی اور تعلیم جدیدہ نے سوامی کی موحدانہ تحریک کے قبول کرنے کیلئے مدتوں پہلے طیار کر رکھا تھا۔ جس وقت ہم موجودہ آرام و آسائش والے اور پُرامن زمانہ کا مقابلہ اُس خطرناک زمانہ سے کرتے ہیں۔ جو عربوں جیسی خونخوار مطلق العنان اور خلیع اللجام قوم نے ملکِ عرب میں پیدا کر رکھا تھا۔ اور پھر اس مخالفت پر نگاہ دوڑاتے ہیں جو اس ملک کے کمزور دل کے انسانوں نے دیانند جی کے مقابل پر کی۔ تو ہم کو آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔ وہ انسان کیسا عظیم الشان جوہر استقامت اپنے اندر رکھتا ہوگا جس نے عرب جیسے ملک کو اپنے جیتے جی کُل کا کُل بُت پرستی سے پاک کر دیا +

ہرقل قیصر روم اور آنحضرت صلعم

حضرت نبی کریم صلعم کا مشن جناب مسیح اور موسیٰ علیہم السلام کے مشنوں کیطرح اپنی ہی قوم اور لوگوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کا مشن ہمہ گیر اور تمام نسل انسانی کے واسطے تھا۔ جب رسالت مآب کو دیگر مخصوص و اُلجھنوں سے کسیقدر اطمینان نصیب ہوا۔ تو اب یہ وقت آیا۔ کہ اسلام کا پیغام تمام دُنیا کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ تاکہ ان ارشادات آلٰہیہ کی کماحقہ تکمیل ہو۔ جن میں کہ آپ کو قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (یعنی تمام دُنیا کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہدو۔ کہ میں کسی خاص قوم کا رسول نہیں بلکہ اے دُنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) کہکر پکارا گیا۔ اور کہ جن کی پھر ارشاد آلٰہی اور بھی توضیح کرتا ہؤا فرماتا ہے! وما ارسلناک

* وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً (سورہ ۳۴۔ آیت ۲۸) +

کافۃ للناس - ہمنے تم کو صرف عرب کے لئے نہیں بھیجا - بلکہ تمام لوگوں - ہاں کل لوگوں کیلئے بھیجا ہے - اور اسی کے ہم معنے یہ آیت کریمہ بھی ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین - یعنی ہم نے تم کو تمام جہانوں اور تمام قوموں کیلئے رحمت بناکر بھیجا ہے - اور اب اس رحمت کی تمام دنیا جہان کو خبر دینا آپ کا سب سے بڑھکر فرض منصبی اور مشن تھا - اور اسی لئے اس فرض منصبی کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے ملک کی حدود سے باہر بھی پیغام حق ارسال فرمایا اور قرب وجوار کی اقوام کے سلاطین کو سفیر ارسال فرماکر اسلام کی دعوت دی +

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے آپ نے دحیۂ کلبی کو قیصر روم کے پاس دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا مسلم سفیر اس نامہ مبارک کو لئے اس وقت ہرقل قیصر روم کے پاس پہنچا - جبکہ ہرقل ایرانیوں پر شاندار فتح حاصل کرکے شکرانہ ادا کرنے کے لئے حمص سے بیت المقدس تک پیادہ پا سفر کرکے ایسی شان وشکوہ سے آیا تھا - کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے +

مسلم سفیر کا بڑی تزک واحتشام سے خیر مقدم کیا گیا - اور قیصر نے حضرت نبی کریم صلعم کے دعاوی کے سننے میں بہت اشتیاق ظاہر کیا - اور ساتھ ہی آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات نبوت کے متعلق اور معلومات بڑھانے کا متمنی تھا - اتفاقاً ملک عرب سے بعض مکی سوداگران کا ایک قافلہ اس جگہ آپہنچا - اور قیصر نے انہیں اپنے دربار میں بلا بھیجا - ابو سفیان جو آنحضرت صلعم کا عدو جان تھا - وہ بھی انہیں سوداگروں میں شامل تھا - اور آنحضرت صلعم کا وہی عدو جان اس ملاقات کی گفتگو کی صحت وصداقت کا ذمہ دار ہے - جو ہرقل قیصر روم اور ابوسفیان کے درمیان ہوئی - قیصر نے بڑی تزک واحتشام سے دربار منعقد کیا - اور خود تاج خسروی پہن کر تخت پر بیٹھا - اور تخت کے چاروں طرف قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں - اور پھر جب سوداگران عرب کا اس نصرانی شہنشاہ سے تعارف کرایا گیا - تو اس نے مترجم کے ذریعہ اہل عرب کو مخاطب کرکے پوچھا - کہ ان میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں - پھر اسکو ارشاد ہوا - کہ وہ قیصر کے پاس کھڑا ہو - اور اس کے

ساتھیوں کو جو اس کے پس پشت کھڑے تھے حکم ہوا ۔ کہ اگر وہ کسی بات میں کذب یا دروغ بیانی کرے ۔ تو تم اسکی تردید کر دینا ۔ پھر قیصر نے مترجم کی وساطت سے اس پر استفسارات کرنے شروع کیئے ۔ جو استفسارات اور جوابات ایک متلاشی حق کی اطمینان و تسکین قلب کیلئے کافی ہیں ۔ اور آنحضرت صلعم کے عدو جان کے منہ سے اس قسم کے کلمات کا نکلنا حضرت رسالت پناہ کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہیں اور غیر مسلم احباب بھی تعصب و ضد کی عینک کو اُتار کر اگر ان جوابات کو حق پژوہی کیلئے مطالعہ فرمائیں ۔ تو بہت کچھ منفعت حاصل کر سکتے ہیں +

(۱) **قیصر** ۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے ؟

ابوسفیان ۔ شریف ہے +

(۲) **قیصر** ۔ اس خاندان میں کسی نے دعویٰ نبوت کیا تھا ؟

ابوسفیان ۔ نہیں ۔

(۳) **قیصر** ۔ ان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے ؟

ابوسفیان ۔ نہیں ۔

(۴) **قیصر** ۔ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے ۔ وہ غریب و کمزور لوگ ہیں یا بااثر و متموّل ؟

ابوسفیان ۔ کمزور و نادار لوگ ہیں ۔

(۵) **قیصر** ۔ اسکے پیرو روز افزوں ترقی پر ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں ؟

ابوسفیان ۔ مسلسل بڑھتے جاتے ہیں +

(۶) **قیصر** ۔ اس کے پیرؤوں میں یہ مذہب قبول کر کے بھی کوئی پھر جاتا ہے یا نہیں ؟

ابوسفیان ۔ نہیں +

(۷) **قیصر** ۔ کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا تجربہ ہے ؟

ابوسفیان ۔ نہیں ۔

(۸) **قیصر** ۔ تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ کی ؟

ابوسفیان - ہاں -

(۹) **قیصر** - تم میں سے کون ظفرمند ہوا؟

ابوسفیان - کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ +

(۱۰) **قیصر** - تمہیں کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان - کہتا ہے - کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ - اپنے آباواجداد کی رسومات و بدعات کو ترک کرو - نماز پڑھو - زکوٰۃ دو - پاکدامنی اختیار کرو - اور سچ بولو - زنا بُری عادات سے اجتناب کرو صلہ رحم کرو +

اِن استفسارات کا جو قیصر نے ابوسفیان سے کئے - کیا مدعا تھا؟ اور مندرجہ بالا تسلی بخش جوابات کے پانے پر جس نتیجہ پر قیصر مذکور پہنچا - وہ خود اس کے اِن کلمات سے ظاہر ہوتا ہے - جو اُس نے اُس موقع پر کہے - قیصر نے کہا - کہ "میرے پہلے سوال کے جواب میں تم نے اُسے شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں کمینہ قوم کے افراد لوگوں میں ہردلعزیزی حاصل نہیں کر سکتے - کیونکہ اُن کا کمینہ قوم میں پیدا ہونا ان لوگوں کے ان کی پیروی کرنے میں رُکاوٹ بن جاتا ہے - جن لوگوں کی طرف وہ خدا کے رسول بناکر مبعوث کئے جائیں" +:

کمینہ لوگوں میں بھی متقی - پارسا اور پرہیزگار ہوتے ہیں لیکن جس شخص کو اللہ تعالےٰ لوگوں کے لئے پیغامبر منتخب کیا کرتا ہے وہ ہمیشہ اعلےٰ اور شریف النسب ہوا کرتے ہیں - دوسرے سوال کے متعلق قیصر نے کہا - کہ "اگر قریش میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا - تو یہ گمان کیا جا سکتا تھا - کہ خاندانی خیال کا اثر ہے" تیسرے استفسار کے متعلق قیصر نے کہا - کہ اگر اُس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا - تو یہ سمجھا جا سکتا تھا - کہ اُسے بادشاہت کی ہوس ہے" پھر ساتویں استفسار سے قیصر نے استنباط کیا کہ "اگر اس نے انسانوں کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولا - تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر جھوٹ باندھے - اور پھر باقیماندہ استفسارات کے جواب میں کہا ہے - اگر وہ بالکل سچ ہے - تو یاد رکھو کہ اس پیغمبر زمان کی صداقت میں کسی قسم کا شک و شبہ

نہیں۔ کیونکہ سچے پیغمبروں کی یہی نشانیاں ہوا کرتی ہیں۔ مجھے خود ایک آنے والے پیغمبر کا خیال تھا۔ جو کہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اور کہ جس کا قبضہ میرے قدمگاہ تک ہو جاویگا۔ کاش کہ میں وہاں جاسکتا اور خود اُس کے پاؤں دھوتا +

اِس گفتگو کے بعد قیصر نے خود نامۂ مبارک پڑھ کر معززاراکین دربار کو ارشاد فرمایا۔ کہ وہ مقام حنین شاہی دربار میں حاضر ہوں۔ جب وہاں پر شاہی دربار منعقد ہوا۔ تو قیصر نے نامہ مبارک کے الفاظ کو جو ذیل میں درج ہیں پڑھنے کا ارشاد کیا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الاریسین و یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا اربابا من دون اللہ فان تولوا فاشھدوا بانا مسلمون +	محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسُول ہے۔ نیطہ ہرقل کے نام ہے۔ جو رُوم کا رئیس اعظم ہے۔ اُسپر سلامتی ہو۔ جو ہدایت کی تتبع کرتا ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بُلاتا ہوں اسلام لا۔ تو سلامت رہیگا۔ خدا تجھ دُگنا اجر دیگا۔ اور اگر تُو نے نہ مانا تو اہل مُلک کا گناہ تیرے اُوپر ہوگا۔ اے اہلکتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی (خدا کو چھوڑکر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے۔ تو گواہ رہو۔ کہ مانتے ہیں۔

فرمان رسالت کے الفاظ پڑھے جانے کے بعد ہرقل قیصر رُوم نے اہل دربار کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ اے سرداران رُوم اگر تم اپنی سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو۔ تو عرب کے نبی کریم صلعم کی تتبع اختیار کرو۔ اس پر تمام اہل دربار سخت برہم ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی صلیبیں اُٹھالیں۔ اور ان کو ہوا میں اُونچا کھڑا کیا۔ اس پر سلیم الفطرت قیصر نے کہ جس کے قلب سلیم میں ایمان کی چنگاری سُلگ چکی تھی۔ اور اُس کے دل میں نور اسلام گھر کرچکا تھا۔ کہا۔ کہ مجھے تو فقط تمہارے ایمان کی آزمائش کرنی تھی۔ اور اب مجھے تمہاری

وفاداری۔ جاں نثاری اور استقلال پر کامل اطمینان ہے۔ گو قیصر کا دل تو نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا لیکن تخت و تاج کی لالچ ہی فقط اعلان اسلام میں حائل ہوئی +

ایک باکمال و قابلِ نمونہ خاوند

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بدنام کنندہ تک بھی اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ آپ واقعی ایک باکمال و قابلِ نمونہ خاوند تھے۔ اگرچہ عربوں میں ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی رسم تھی۔ مگر پھر بھی نبی کریم صلعم ایک ہی بیوی یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ہی قانع رہے۔ اور انکی وفات تک آپ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حالانکہ حضرت خدیجہ ایک بیوہ عورت تھیں۔ اور حضرت نبی کریم صلعم سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو حضرت خدیجہ سے بڑی گہری محبت تھی۔ اور آپ انکی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی عین حیات میں آپ اپنی محبت میں بڑے ثابت قدم رہے۔ اور انکی وفات کے بعد جب کبھی بھی انکا ذکر آتا تھا۔ تو آپ کا دل بھر آتا تھا۔ ایک موقع پر آپ نے اپنی پیاری بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ "کہ خدیجہ سے بہتر میں نے کوئی بیوی نہیں دیکھی۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں جبکہ تمام لوگ مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ اور جبکہ میں غریب تھا تو وہ میری ضروریات زندگی کی کفیل ہوئیں"۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ مجھے حضرت خدیجہ کے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور بیوی پر کبھی رشک نہیں آیا۔ حالانکہ حضرت خدیجہ کبھی کی فوت بھی ہو چکی تھیں۔ اور میں نے انہیں کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پھر بھی نہایت محبت اور تعظیم سے آپ کو یاد کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی آپ کوئی بکرا حلال کرتے تھے تو گوشت کے ٹکڑے حضرت خدیجہؓ کی پرانی سہیلیوں کو بھی ضرور بھجوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ کبھی کبھی میں نبی کریم صلعم سے نہایت تعجب سے پوچھتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہؓ کوئی دنیا میں یکتا اور نرالی عورت تھیں۔ تو آپؐ فرماتے

تھے کہ واقعی وہ ایک بے نظیر عورت تھیں" +

اسباب کا خیال دل میں ضرور رکھنا چاہئے کہ اگرچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت تھی۔ مگر اس وجہ سے آپؐ کے اپنی دوسری بیویوں سے سلوک میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ نبی کریم صلعم اکثر اپنی بیویوں کا گھر کے کام وکاج میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اور آپؐ کی بیوی حضرت میمونہؓ اکٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ دونو کے سر پر ایک ہی کپڑا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ کی بیوی حضرت صفیہؓ اُونٹ پر چڑھنے لگیں تو آپ نے اپنے گھٹنے کا زینہ بنا دیا جس پر وہ پاؤں رکھ کر وہ اُونٹ پر چڑھ گئیں۔ آپؐ کھانا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ہی کھایا کرتے تھے۔ اور اُسی گلاس سے پانی پیتے تھے جس سے وہ پیتی تھیں۔ کبھی آپؐ اپنی بیویوں سے نہایت پاک مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ مذاقاً دوڑا بھی کرتے تھے۔ کہ دیکھیں کون آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کی گودی میں سر رکھ کر قرآن شریف کی آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے +

یہ ناممکن ہے کہ آدمی محسوس نہ کرے کہ یہ بے نظیر انسان ایک نہایت سادہ مزاج۔ نرم دل۔ اور فرشتہ سیرت انسان تھا۔ جو کہ ایک ہی وقت میں رسُول امام و پیشوا اور شہنشاہِ عرب تھا۔ اور جس نے کہ چند ہی سال میں عرب کی طرز معاشرت و زندگی کی رَو کو بالکل بدل دیا۔ اور دُنیا کو ایک نیا اور مکمل مذہب عطا فرمایا +

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

اور اخلاق کے متعلق آپ کی بیوی

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شہادت

جبکہ فرشتہ خدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلی وحی الٰہی لیکر آیا تو اس کے بعد آپ اپنی بیوی خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور اپنی جان کے خطرے کو ظاہر کیا۔ اس وفادار بیوی نے فرمایا "کبھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی بھی ضائع نہیں کریگا۔ آپ حق قرابت کی حفاظت کرتے ہیں اور صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ آپ بے خانمان غریب بے یارو مددگار لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ آپ مفلس اور غریب لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ نہیں فروگذاشت کرتے۔ اور مصیبت زدہ اور ایذا رسیدہ لوگوں کی ہر طرح مدد فرماتے اور انکو تسلی دیتے ہیں" +

عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ میاں اور بیوی سے بڑھ کر اور کسی دو شخصوں میں ویسی بے تکلفی اور ایک دوسرے سے گہری واقفیت نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسرے سے پیوستہ ہونا تسکین اور خواہشات کا مسکن ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں کسی شخص کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دوسرے کے پوشیدہ اور مخفی تر رازوں سے واقف ہے تو وہ شخص وہ مرد ہے یا عورت ہے جنمیں تعلقات زن و شوہر قائم ہیں۔ پندرہ برس تک حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلعم کے ساتھ رہیں اور اس اثنا میں آپکے لڑکے اور لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔ آپ نبی کریم صلعم کی نیک خصلت اور مزاج اور دلیرانہ طبیعت کی پورے طور پر مداح تھیں۔ جن باتوں کو آپ کی چُپ چاپ اور غور و فکر کرنے کی عادت دوسرے لوگوں سے چھپا سکتی تھی۔ مگر آپ کی بیوی سے نہیں چھپا سکتی تھی۔ آپ حضرت خدیجہؓ کی عین حیات میں اُن سے بھی ویسی ہی محبت اور اُلفت کرتے تھے

جیسا کہ وہ ان سے کرتی تھیں۔ اور اُنکی وفات کے بعد بھی آپ اُن کو بڑی محبت سے یاد فرماتے تھے۔ آپ کی حضرت خدیجہؓ سے محبت اور گہرے تعلق کا اسبات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ عید الضحیٰ کی قربانی کے موقع پر یا جب کبھی بھی آپ قربانی فرماتے تھے۔ تو حضرت خدیجہؓ کی پرانی سہیلیوں کو کبھی نہ بھولتے تھے۔ اور اُن کو بھی گوشت بھجوا دیا کرتے تھے ایسے حالات کے ماتحت ایک شریف خاتون کی شہادت ان تمام میور، سیل، پنجرز اور مارگولیتھ (عیسائی مورخوں کے نام ہیں) کے خبیث گروہ کی شہادت سے کہیں زیادہ قابل عزت و قابل اعتبار ہے حضرت خدیجہؓ کی حیثیت اور مرتبہ ایسا تھا کہ آپ نبی کریمؐ کی سیرت اور چال و چلن سے خوب واقفیت حاصل کر سکتی تھیں۔ تاکہ یہ لوگ جو کہ اندھیرے میں ہاتھ مار کر یہ ٹٹولنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسی زبردست شخصیت کے اندر وہ کیا بات تھی جس نے کہ اتنی تھوڑی مدت میں دُنیا کا تختہ اُلٹ دیا۔

حضرت خدیجہؓ نہ صرف اپنی پندرہ برس کی بیاہتا زندگی میں نبی کریم صلعم کی سیرت سے واقف ہونے کی وجہ سے بلکہ آپ کی بچپن کی مکی زندگی سے بھی واقف ہونے کی وجہ سے (جبکہ آپ الامین (یعنی وفادار اور دیانتدار) کہہ کر پکارے جاتے تھے) یہ نہایت وثوق سے کہہ سکتی تھیں۔ کہ خدا تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کریگا۔ گویا آپ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خوبیوں اور نیکیوں کے جامع اور نمونہ تھے۔ اور کوئی ایسی نیکی اور خوبی نہ تھی جو کہ آپؐ میں موجود نہ ہو۔ سو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ آپ کو کس طرح ضائع کر دیتا +

کوئی شخص بھی چاہے وہ دہریہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک ایسی خاتون کی شہادت کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی محبوب اور عزیز تھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ کے ہم ملک اور ہمقوم لوگوں کی شہادت کو بھی جو کہ تمام کے تمام آپؐ کو

سب سے زیادہ دیانتدار اور راستباز انسان خیال کرتے تھے

اور الامین کہکر پکارتے تھے +

صلوا علیہ وسلم

نعت

عجب نوریست در جانِ محمد
عجب لعلیست در کانِ محمد

زظلمتہا دلے آنگہ شود صاف
کہ گردد از محبانِ محمد

عجب دارم دلِ آں ناکساں را
کہ رو تابند از خوانِ محمد

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم
کہ دارد شوکت و شانِ محمد

خدا زاں سینہ بیزار است صد بار
کہ ہست از کینہ دارانِ محمد

خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را
کہ باشد از عدوانِ محمد

اگر خواہی نجات از مستیِ نفس
بیا در ذیلِ مستانِ محمد

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت
بشو از دل ثنا خوانِ محمد

اگر خواہی دلیلِ عاشقش باش
محمد ہست برہانِ محمد

سرے دارم فدائے خاکِ احمد
دلم ہر وقت قربانِ محمد

بگیسوئے رسول اللہ کہ ہستم
نثارِ روئے تابانِ محمد

دریں رہ گر کشندم ور بسوزند
نتابم رو ز ایوانِ محمد

بکارِ دین نترسم از جہانے
کہ دارم رنگِ ایمانِ محمد

بسے سہل ست از دنیا بریدن
بیادِ حسن و احسانِ محمد

فدا شد در رہش ہر ذرہ من
کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمد

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمد

بدیگر دلبرے کارے ندارم
کہ ہستم کشتۂ آنِ محمد

مرا آں گوشہ چشمے بباید
نخواہم جز گلستانِ محمد

دلِ زارم بہ پہلویم مجوئید
کہ بستیمش بدامانِ محمد

من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم
کہ دارد جا بہ بستانِ محمد

تو جانِ ما منور کردی از عشق
فدایت جانم اے جانِ محمد

دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ
نباشد نیز شایانِ محمد

چہ ہیبتہا بدادند ایں جواں را
کہ ناید کس بمیدانِ محمد

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ بُرّانِ محمد

رہِ مولیٰ کہ گم کردند مردم
بجو در آل و اعوانِ محمد

الا اے منکر از شانِ محمد
ہم از نورِ نمایانِ محمد

قرآن شریف فرماتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (سورۃ النساء - رکوع ۱۰)

ترجمہ - اور (مسلمانو) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں - اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (یعنی مکے) سے نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں - اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا - اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا" +

جب تمام نوجوان اور جری جانبازوں نے اپنے آپ کو فوج میں داخل کر دیا تو اور آدمیوں کی ضرورت محسوس ہوئی - اور یہ ضروری معلوم ہوا کہ مستقل پیشہ و عادات کو بھی بھرتی کیا جائے - اور ان کو یہ جتلایا گیا - کہ یہ ایک فرض ہے جو کہ ادا کرنا ہے صرف ملکی فرض کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مذہبی فرض سمجھ کر بھی کیونکہ اُن کو اپنی جانیں قربان کرنی پڑینگی - کیا تمام انجیل میں کہیں بھی اس قسم کی عبارت ہے جو کہ اس قسم کی کارروائی کو جائز قرار دیتی ہو ؟ مگر قرآن شریف میں کئی جگہ مذہبی جہاد کے موقع پر جبری جنگی بھرتی کے جواز کا ذکر آیا ہے - میں یہ نہیں کہتا کہ یہ گذشتہ جنگ انہی معنوں میں ایک مذہبی جنگ تھی - مگر یہ میں ضرور کہونگا کہ انگریزی آبادی کا بہت سا حصہ اسکو یہی خیال کرتا تھا - چنانچہ گورنمنٹ نے بھی یہی اعلان کیا تھا - کہ یہ لڑائی کمزور آدمیوں عورتوں اور بچوں کی خاطر لڑی جا رہی ہے" قرآن مجید میں مقدس عبارتوں کے بیشمار ذخیرہ سے میں یہاں صرف وہی بیان کرتا ہوں :-

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ترجمہ (مسلمانو) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گزریگا - اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور

عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے۔ اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے "۔ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۶)

(۲) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۳۳)

ترجمہ "۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کو نہ ہٹاتا رہے تو ملک کا انتظام درہم برہم ہو جائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر مہربان ہے "۔

سواسبات کو تسلیم کر لو کہ ہم اپنی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت اور حفاظت اور بدی کے تدارک کی خاطر جنگ کر رہے تھے۔ کیا عیسوی اناجیل میں کہیں بھی ایسے مطلب کی خاطر جنگ کرنا جائز قرار دیا گیا ہے؟ حالانکہ دوسری طرف قرآن کریم بڑے زور سے جواب طلب کرتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ ترجمہ "۔ (مسلمانو) تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا (سورۃ النساء رکوع ۱۰)

اس بات کو تسلیم کر لو کہ ہم پہلے حملہ آور نہیں ہوئے۔ اور ہم نے پہلے زیادتی نہیں کی۔ کیا انجیل مقدس میں سے کوئی عبارت پیش کی جا سکتی ہے۔ جو کہ ہماری کارروائی کی تصدیق کرنے میں قرآن مجید کی اس آیت سے مقابلہ کر سکے؟

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ ترجمہ (مسلمانو) جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے (یعنے دین کی حمایت) میں ان سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۴)

آپ کو یاد ہوگا کہ جب پہلے پہل زہریلی گیس جنگ میں استعمال کی گئی۔ تو یہاں بہت سے لوگ تھے
جن کا خیال تھا۔ کہ ہمیں اس کے بدلے میں گیس استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ یہ ایک نہایت
قبیح جنگی کارروائی تھی۔ جس سے ہم اپنے ہاتھ آلودہ کرنا کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتے
تھے۔ مگر قصاص اور بدلہ انسان کی ہستی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ ابکی دفعہ بھی ضرورت ہمیشہ
کی طرح پھر غالب آئی۔ کیونکہ جب انہوں نے سُنا کہ اس تیز آلۂ حرب سے ہمارے آدمیوں کو
کتنی سخت جانکاہ تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ اور یہ کہ اگر ہم اس کا عوض اور بدلہ لیں تو دشمن
اس سے بیشمار فائدہ اُٹھائیگا۔ تو سنجیدہ مزاج اور نرم دل لوگ بھی اس بات سے ہچکچاتے نہ رکے
اور ذکی الحس اور رقیق الطبیعت والے تو بالکل بیرحم اور کینہ ور ہوگئے۔ مگر عام خیال اور رائے
جسکو کہ میں مذہبی رائے کہونگا یہ تھی کہ بدلہ برابر کا لیا جائے۔ اور کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ پھر پہلے پہل غیر محفوظ
شہروں پر ہوائی حملے ہوئے۔ اور جب پہلے پہل جرمنی میں ہمارے قیدیوں کے ساتھ بیرحمانہ سلوک کی خبریں
آئیں۔ تو بہت سے لوگ تھے جو کہ اسی قسم کے انتقام اور بدلے کے برخلاف تھے۔ اس قسم کی
جنگی کارروائی ہمارے ایک ہی نسل اور جماعت ہونے کی حیثیت سے بالکل شایاں نہیں
تھی۔ مگر آہستہ آہستہ جوں جوں کہ غضب و غصہ بڑھتا گیا۔ لوگ اس قسم کے انتقام
اور بدلے کو جائز سمجھنے لگ پڑے۔ ذکی الحس اور رقیق الطبع آدمی بھی بیرحم اور کینہ ور
بن گئے۔ مگر مذہبی رائے ایک [illegible]

قرآن شریف کے لفظوں کو بغور سنو +

(۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ
لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ
ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ
یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۲۲) + ترجمہ مسلمانو جو
لوگ مارے جائیں اُن میں تم کو بدلے کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ اور غلام کے بدلے

غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی (طالب قصاص) سے کوئی جز و (قصاص) معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کی طرف سے) اس کا (یعنی خون بہا) مطالبہ دستور کے مطابق اور وارث مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ (خون بہا) ادا کر دینا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اور عقلمندو قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو"۔

(۲) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۴)

ترجمہ: "اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی اُن کو (وہاں سے) نکال باہر کرو۔ اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور جب تک کافر حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس تم سے لڑیں تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن کو قتل کرو ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(۳) اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۴)

ترجمہ "حرمت والے مہینوں کا معاوضہ حرمت والے مہینے ہیں اور (مہینوں کی خصوصیت نہیں بلکہ) ادب کی (تمام) چیزیں ادلے کا بدلہ تو جو تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اُس نے تم پر کی ویسی ہی زیادتی تم بھی اُس پر کرو۔ اور (زیادتی کرنے میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ اُن ہی کا ساتھی ہے جو (اُس سے) ڈرتے ہیں"۔ اسی مطلب کی اور بہت سی آیتیں بھی ہیں +

ایک معمولی سا چھوٹا نکتہ ہے جس نے مجھے ایک سپاہی کی حیثیت سے بڑا متعجب کیا اور ساتھ ہی دلچسپ بھی معلوم ہوا۔ میں ہمیشہ سمجھتا تھا۔ کہ یہ مسیحی تعلیم ہے کہ ہر ایک گندہ بیانی اور فحش اور واہیات گفتگو انسان کے برخلاف اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور اسکی رُوح کی نجات کو خطرے میں ڈال دیگی۔ مگر یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ انگریزی قوم اس عقیدے کو تمام سپاہیوں کے نجات پا جانے کے عام یقین کے ساتھ کیوں ملا دیتی ہے۔ اُن کے لئے جبکہ ایک سپاہی سے محبت رکھتے ہیں یہ ایک قدرتی یقین ہے کہ اُس اعلیٰ و ارفع علت کی وجہ سے جس کی خاطر وہ لڑ رہا ہے۔ اور اس بینظیر قربانی کی وجہ سے جس کی بھینٹ چڑھنے کو وہ تیار ہے اسکے تمام گناہ اور خطائیں معاف کر دیجائینگی۔ مگر اناجیل عیسوی میں اس کی کہیں بھی اجازت یا تصدیق نہیں آئی۔ حالانکہ بیہودہ اور فضول گوئی کے متعلق جو عقیدہ ہے۔ اسکی پھر بھی کچھ تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔ اور کسی قسم کے لوگ بھی ایسی اکھڑ اور فحش زبان نہیں بولتے جیسا کہ انگریزی سپاہی بولتے ہیں ۔ ماسوائے اٹالین اور فرانسیسی سپاہیوں کے جو کہ سرتاپا کلمۂ کفر میں ڈوبے ہوتے ہیں ۔ اور مزا یہ ہے کہ اُنکی نیت بالکل صاف ہوتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ان کا مذہب اُن کو ملعون قرار دیتا ہے مگر قرآن شریف فرماتا ہے:۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (سورۃ البقرہ رکوع ۲۸)

ترجمہ " تمہاری قسموں میں جو لایعنی ہیں اُن پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ کرتا نہیں لیکن اُن (قسموں) پر تم سے (ضرور) مواخذہ کریگا جو تمہارے دلی ارادے سے ہوں۔ اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے" ؛

یہ ہے جو کہ قرآن شریف اِن سپاہیوں کی قسمت کے متعلق فرماتا ہے جو کہ خدا کی راہ میں لڑ کر مارے جاتے ہیں۔ یعنی جو کہ سچے مذہب کی حفاظت میں مظلوموں اور کمزوروں کی خاطر۔ اور بدی کا تدارک کرنے میں مارے جاتے ہیں ؛

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۰ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۰ (سورۃ البقرۃ رکوع ۱۹) ترجمہ۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کو مرا ہوا نہ کہنا (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں (مگر تم اُن کی زندگی کی حقیقت) تم نہیں سمجھتے۔ اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار (اراضی) کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور (اے پیغمبر) صبر کرنیوالوں کو (خوشنودی خدا اور کشائش کی) خوشخبری سُنا دو۔ یہ لوگ جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں۔ اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُنکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے اور یہی راہ راست پر ہیں"۔

اس موجودہ جنگ میں لوگوں کو یوں مخاطب کیا گیا تھا۔ اس ملک کی خاطر جس کی خاطر تمہارے باپ دادا نے جانیں لڑا دیں۔ اُنہوں نے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تاکہ یہ ملک تمہارے لئے ہر طرح محفوظ اور مامون رہے۔ اگر اب تم اپنا فرض ادا کرنے سے جی چراؤ۔ تو تم انگریز کہلانے کے کسی طرح اہل نہیں ہو۔ کیا یہ ترغیب و تحریک اس قرآن شریف کی ایک دُنیاوی صدائے بازگشت نہیں ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲۶) ترجمہ۔ کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ بہشت میں جا داخل ہو گے۔ اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ کہ اُن کو سختیاں پہنچیں اور تکلیفیں بھی پہنچیں۔ اور جھڑجھڑائے گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اُنکے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ خدا کی مدد کا کوئی وقت بھی ہے۔ سنبھلو۔ اللہ کی مدد (کا وقت) قریب ہے"۔

آخر کار اب جبکہ لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ دشمنوں سے بیرحمانہ سلوک کرنے کے خواہشمند ہیں۔ بلا استثناء اس کے کہ وہ سپاہی ہیں یا عام شہری۔ مرد ہیں یا عورتیں یا بچے۔ یہ خواہش اسلامی تعلیم سے کوسوں دور ہے۔ مگر جمہور کا یہی خیال ہے کہ جہانتک حالات اجازت دے سکیں وہاں تک جرمنوں سے نیک اور دوستانہ سلوک کرنا چاہئے۔ مگر اس شرط پر کہ جو جو اشخاص ان جرموں اور بیرحمیوں کے بانی مبانی ہیں وہ تلاش کر کے پکڑے جائیں اور اپنی کیفر کردار کو پہنچیں میرا خیال نہیں کہ عیسائیوں کی انجیل کی کوئی عبارت اس خیال کی تائید کرتی ہو۔ اگرچہ انتقام کے مسئلہ کی پرانا عہد نامہ کئی جگہ تائید کرتا ہے یہودی اپنے وطن فلسطین میں محب وطن ہونے کی حیثیت سے نہایت تنگدل بیرحم اور کینہ ور لوگ تھے۔ قرآن شریف کہیں بھی انتقام کی سپرٹ کو پسند نہیں کرتا۔ اور لڑائی کے خاتمے پر ہر طرح کی دشمنی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سوائے بدمعاشوں کی مخالفت کرنے کے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ رکوع ۲۴)

ترجمہ:- "اور وہاں تک ان سے لڑو کہ (ملک میں) فساد (باقی) نہ رہے۔ اور (ایک) خدا کا حکم چلے۔ پھر اگر (فسادی) باز آجائیں۔ تو (ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ زیادتی (تو) ظالموں کے سوا کسی پر (جائز ہی) نہیں" +

باب سوم

غزوات نبوی

عیسائی دنیا میں اب تک خیال پھیلا ہوا ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک بڑا جنگجو اور لڑاکا انسان تھا۔ جو کہ لڑائی کو بحث و مباحثہ پر ترجیح دیتا تھا۔ اور جسکی سب سے زیادہ مضبوط دلیل اور حجت زبردستی اور لڑائی تھی یعنی اس قسم کے خیالات کی کوئی تاریخی بنا

نہیں ہے ۔

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے پہلے انسان بھی پہلے چالیس سالوں میں جبکہ آپ کو ابھی نبوت عطا نہیں ہوئی تھی ۔ ایک نہایت ہی امن دوست منشیات سے متنفر ۔ باعصمت اور پرہیزگار دیانتدار انسان تھے ۔ اور ایسے لوگوں میں رہتے تھے جو کہ اپنی بدمعاشیوں اور زیادتیوں میں مشہور تھے ۔ انہوں نے اپنے عمدہ چال چلن کی وجہ سے الامین کا خطاب حاصل کیا تھا ۔ اور لوگوں میں صلح کرانے کی وجہ سے بھی کچھ کم مشہور نہ تھے مگر عطاء نبوت کے بعد جب آپ نے روحانی اور نبوت کی آنکھوں سے اپنے لوگوں کے گندے اور فحش خیالات اور اعمال کو دیکھا تو آپ کو سخت دکھ اور تکلیف پہنچی ۔ اور آپ نے جان لیا ۔ کہ ان لوگوں کو ان گندگیوں سے نکالنے کا انسانی طاقت سے بالاتر کام آپ کے حصے میں مقدر ہے ۔ چنانچہ پہلے بارہ سال تک آپ نے سخت مصائب اور تکالیف جھیل کر اللہ تعالیٰ کے نام کی منادی کی ۔ آپ نے خانہ کعبہ میں اور دیگر پبلک مجلسوں میں کئی دفعہ کافروں سے بحث و مباحثہ اور ان کو سمجھانے میں ہر روز اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ۔ آپ کے پیروؤں کی تکالیف اور شہادتیں اور اپنا بھی اسی قسم کا انجام ہونے کے خطرے نے غرضکہ کسی چیز نے بھی آپ کو کافروں سے بدلے میں ویسا ہی سلوک کرنے پر آمادہ نہیں کیا ۔ اور اس بات پر یقین کرتے ہوئے کہ آپ سے پہلے زمانہ میں خدا تعالیٰ کا انسان کو آخری پیغام حضرت عیسیٰ کے ذریعے وحی ہوا ۔ اور کیونکہ آپ پر اس وقت تک کوئی وحی الہیٰ نازل نہیں ہوئی تھی جو کہ ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے ۔ اسلئے آپ نے کامل مذہبی طور پر حضرت عیسیٰ کی نرم اور غیر مقاومت پالیسی اختیار کر لی ۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیدیا ۔

مخالفین اسلام یہ ضرور کہیں گے ۔ جیسا کہ وہ اکثر کہتے آئے ہیں ۔ کہ نبی کریم صلعم اس بات کا انتظام کر رہے تھے ۔ کہ ان کے پاس ایک لشکر جمع ہو جائے ۔ تب وہ کوئی کارروائی کریں اگر آپ مدینے کو ہجرت کرنے سے پہلے مکہ معظمہ میں لڑائی کرنا چاہتے ۔ تو وہ اپنے خاندان اور قبیلے کے ایک گروہ کثیر کی کمان کر سکتے تھے ۔ کیونکہ اگرچہ وہ لوگ بت پرست تھے ۔ مگر سوائے ابولہب کے سب کے سب آپ کو قتل سے بچانے کے لئے ہر طرح کمربستہ تھے

اخلاق و عادات نبوی

(از قلم حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ)

حضور رسالت مآب نبی کریم صلعم کی قلمی شبیہ

(حلیہ مبارک)

آپ کا قد مبارک نہ لمبا تھا نہ چھوٹا جب آپ تنہا چلتے لوگ کہتے آپ چھوٹے قد کے ہیں حالانکہ جب کوئی اور آپ کے ہمراہ ہوتا تو آپ اس سے قد میں زیادہ ہی نظر آتے خود آپ فرمایا کرتے تھے کہ قد اوسط بہتر ہے۔ آپ کا رنگ سفید تو تھا لیکن جس میں نہ گندم گونی ہو۔ اور نہ بہت سفیدی۔ گویا آپ کا رنگ تک مرواریدسے ملتا جلتا تھا یعنی ایسی نالص سفیدی جس میں زردی۔ سُرخی یا کسی اور رنگ کی جھلک تک نہ ہو۔ بعض نے آپ کے رنگ میں سُرخی بھی بیان کی ہے لیکن پھر یہ بھی کہا ہے۔ کہ آپ کے ایسے اعضا پر تمازت کا اثر ہوتا۔ مثلاً چہرہ۔ کان۔ گردن۔ سُرخی مائل تھے۔ ان کے بالمقابل باقی آپ کے اعضا مبارک جو کپڑے سے ڈھکے رہتے سفید تھے۔ موئے شریف گھنگریالے تھے۔ نہ بالکل ڈھلکے ہوئے اور نہ گچھے دار۔ جب شانہ فرماتے۔ تو بالوں میں عنبر کی سی کیفیت پیدا ہوتی بعض کہتے ہیں۔ کہ آپ کے بال دوش مبارک تک لٹکتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بناگوش تک پہنچتے تھے۔ بعض وقت آپ کی زلفیں کان کے دوسری طرف بھی آجاتی تھیں۔ بعض وقت آپ بالوں سے اور اس طرح شانہ فرماتے۔ کہ گردن نظر آئے۔ ریش و سر مبارک میں صرف سترہ سفید بال تھے۔ مگر اس سے زیادہ نظر آتے تھے۔ حضور کا چہرہ مبارک دوسروں سے زیادہ خوبصورت اور دلربا تھا۔ اور چہرہ مبارک کا حلیہ بیان کرنیوالے ہمیشہ آپ کو بدر کامل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر جلد کا رنگ نکھرا ہوا تھا۔ اسلئے رنج و خوشی کے آثار چہرہ مبارک سے نمودار ہوجاتے تھے

بعض نے مروی ہے کہ آپ کے صدیق اکبرؓ آپ کو ایسا بیان کرتے ۔ جیسا کہ ذیل کے الفاظ میں موزون کیا گیا ہے ؎

اِس طرح بے عیب درخشاں عارضِ پرسوز تھے
تیرگی سے جس طرح خالی فضائے ماہتاب ہو

جبین مبارک کشادہ تھی ۔ اور آبرو پتلی اور گھنی تھیں ۔ اور آبروؤں کے درمیان ایک روپہلی چمک تھی ۔ چشمانِ مُبارک بڑی بڑی اور سیاہ تھیں جن میں سُرخی کی جھلک تھی ۔ اور مژگان مبارک اسقدر طویل اور گھنی تھیں ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ وہ آپس میں ملنے لگی ہیں بینی مبارک نسبتاً لمبائی میں ترچھی تھی حضور کے دانت کھلے کھلے تھے ۔ اور جب ہنستے ۔ تو انکی درخشانی بجلی کی چمک دمک کو مات کر دیتی تھی ۔ لب مبارک خوبصورت و لُربا تھے ۔ اور رخساران مبارک نرم نہیں تھے بلکہ سخت تھے اور آپ کا چہرہ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ ہی مدور بلکہ کسیقدر گول تھا ۔ اور ریش مبارک گھنی تھی ۔ اور آپ اسے تراشا نہ کرتے تھے ۔ بلکہ اُسکو بڑھنے دیتے ۔ آپ موچھوں کو تراش لیا کرتے تھے ۔ گردن مبارک نہ تو زیادہ طویل اور نہ ہی چھوٹی تھی لیکن دوسروں سے زیادہ خوبصورت تھی ۔ گردن کا وہ حصہ جو سورج اور ہوا کے سامنے ہوتا ۔ وہ ایک روپہلی صراحی کی طرح کہ جس پر سنہری افشاں ہو درخشاں معلوم ہوتا تھا سینہ مبارک تمام کینہ و عناد سے خالی کشادہ اور وسیع تھا ۔ سینہ کے کسی بھی حصہ کا اُبھار دوسرے حصہ سے اُوپر دکھائی نہ دیتا تھا سینہ مبارک ہموار صاف اور شفاف تھا ۔ چھاتی سے لیکر ناف تک بالوں کی باریک سیلی تھی ۔ اس کے علاوہ اور کوئی بال نہ تھا ۔ آنحضرت صلعم کے دونوں شانے کشادہ تھے ۔ اور دونوں شانوں پر کثرت سے گھنے بال تھے ۔ شانے ٹخنے ۔ اور بغلوں مبارک بھرے ہوئے تھے اور پشت مبارک بھی کُشادہ تھی ۔ اور آپ کے دہنے شانہ پر ایک مُہر کا نشان تھا ۔ اور اس مُہر میں سیاہ تل تھا ۔ جو کسی قدر زرد تھا ۔ اور اس کے گرد کچھ موٹے بال تھے ۔ دونوں دست مبارک اور بازو پر گوشت تھے ۔ اور کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں کُشادہ تھیں ۔ اور ہاتھ اور پاؤں کشادہ اور فراخ تھے ۔ آپ کی ہتھیلیاں مبارک مخمل کی طرح نرم تھیں ۔ اور ایک عطار کی ہتھیلیوں کی طرح ان میں سے خوشبو کی مہک آتی تھی ۔ پنڈلیاں اور

رانیں مبارک پُر گوشت تھیں جسم مبارک متوسط طور پر مضبوط تھا عالم پیری میں بھی حضورؐ قوی الاعصاب تھے ۔ چال چلن میں استقلال ٹپکتا تھا ۔ اور قدم مبارک محکم ہوتا ۔ چلتے وقت آگے کو جھک کر چلا کرتے بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھایا کرتے مشابہت میں آپ فرماتے ۔ کہ میں زیادہ تر آدم سے ملتا جلتا ہوں ۔ لیکن جسمانی بناوٹ میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہم السلام سے مشابہ ہوں +

خوش گفتاری

حضرت رسالت مآب نبی کریم صلعم گفتگو میں دوسرے لوگوں سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے ۔ کم سخن اور شیریں کلام تھے ۔ اور آپؐ کی گفتگو معنی خیز اور سلک مروارید کی طرح پیوستہ و مسلسل ہوتی تھی ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کلام مبارک میں اطناب تھا آپؐ بہت ہی کم سخن تھے ۔ اور عوام الناس کو اپنے اظہار خیالات کے لئے اپنے کلام کو بہت طول دینا پڑتا ہے لیکن کلام مبارک تمام دوسرے لوگوں سے خیر الکلام ہوتا تھا ۔ اور آپؐ اپنے خیالات کا اظہار نہایت ہی مختصر معنے خیز و عام فہم الفاظ میں فرمادیا کرتے تھے ۔ اور حضورؐ کے دہن مبارک سے کلمات اس طرح نکلتے تھے جیسا کہ سلک مروارید میں ایک موتی دوسرے کے بعد مسلسل آتا ہے ۔ کلام مبارک میں چھوٹے چھوٹے وقفے ہوتے تھے ۔ تا کہ سامعین گفتگو کو یاد رکھنے کے قابل ہو سکیں ۔ حضور سرور کائنات بلند آواز تھے ۔ اور لب و لہجہ بہت ہی دلکش و دلپسند تھا ۔ بغیر موقعہ و محل کے کلام نہ فرمایا کرتے تھے ۔ اور کبھی بھی کوئی شنیع و قبیح لفظ نہیں فرماتے تھے ۔ اور حالت برافروختگی میں بھی کلمہ حق کے سوائے کوئی دوسرا لفظ نہیں فرماتے تھے ۔ بد کلام اور فحش گو آدمی سے آپ کو نفرت تھی ۔ حضورؐ کے سامنے کوئی شخص دوسرے کی قطع کلام نہ کیا کرتا تھا ۔ وہ بہی خواہ عالم سچے ہمدرد کی طرح نہایت سنجیدگی اور متانت سے نیک مشورہ دیا کرتا تھا ہ آقائے نامدار اپنے خدام کے سامنے ہمیشہ متبسم رہتا ۔ بسا اوقات اسقدر تبسم کرتا کہ ڈاڑھیں تک دکھائی دیتے +

آنحضرت صلعم دستر خوان پر

حضرت رسالت مآب حاضر پر اکتفا فرماتے ۔ اکثر احباب جس تشتری میں کھاتے آپ بھی اسی میں سے

تناول فرماتے وہی حضور کو مرغوب ہوتا۔ جب دستر خوان بچھایا جاتا اور کھانا چنا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر کے دستر خوان پر اس طرح بیٹھتے جیسا کہ ایک مسلم حالت نماز میں بیٹھتا ہے اور ایک ران دوسری سے پیوست ہوتی۔ اور ایک پاؤں دوسرے سے ملا ہوا ہوتا تھا۔ اور حضور سرور دو عالم فرمایا کرتے۔ کہ میں بھی ایک مخلوق ہوں۔ اور دوسری مخلوق کی طرح میری زندگی کا حصہ بھی اکل و شرب پر ہے حضور کو گرم طعام سے احتراز تھا بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی اس طعام میں برکت کی ضرورت ہے۔ اور خدا تعالیٰ ہمیں آگ کھانے کے لئے نہیں دیتے۔ اسلئے اسکو ٹھنڈا ہو جانے دو آپ تین انگلیوں سے اپنے ہاتھ کی درازی کے حدود کے اندر ہی تناول فرمایا کرتے۔ اور بعض وقت چوتھی انگلی لقمہ کے سہارے کیلئے بھی استعمال فرمالیا کرتے۔ ایک دفعہ عثمان بن عفان آپکے پاس فالودہ لائے جب حضور نے اسمیں سے کھالیا تو ان سے دریافت فرمایا "ابو عبداللہ یہ کیا ہے" عثمان نے کہا حضور میری جان آپ پر قربان ہو ہم نے گھی اور شہد کو ایک برتن میں ڈالکر آگ پر پکایا۔ اور پھر اسمیں آرد گندم ڈالا۔ اور اسکو چمچہ کے ساتھ ہلاتے رہے۔ یہاں تک کہ پک کر اسکی وہ حالت ہوگئی جو حضور کے پیش نظر ہے حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ کہ یہ کھانا نہایت لذیذ و نفیس و خوش ذائقہ ہے"۔

حضرت نبی کریم صلعم بغیر چھنے ہوئے جو کے آٹے کی روٹی کھالیا کرتے تھے۔ اور سبز کھیرا کو سبز کھجوروں اور سبز پھلوں کے نمک کے ساتھ کھالیا کرتے۔ اور باقی تمام چیزوں سے انگور اور تر کھجور آپ کے زیادہ مرغوب خاطر تھے۔ روٹی اور قند کے ساتھ خربوزہ کھاتے تھے۔ بعض اوقات سبز کھجوروں کے ساتھ خربوزہ کو دست مبارک سے کھاتے تھے۔ ایکدفعہ جبکہ دائیں ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ تو بائیں ہاتھ میں گٹھلیاں رکھتے جاتے تھے۔ اتنے میں ایک بکری اتفاقیہ پاس آئی۔ حضور نے اس کو گٹھلیاں دکھائیں۔ اور اس نے بائیں ہاتھ میں سے گٹھلیاں کھالیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ دائیں ہاتھ سے آپ خود کھجوریں کھاتے جاتے۔ یہاں تک کہ کھجوریں ختم کر لیں۔ اور بکری چلی گئی۔ پانی کے ساتھ جناب رسالتمآب کھجوریں کھایا کرتے۔ اور دودھ کے ایک گھونٹ کے بعد ایک کھجور کھاتے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً باری باری بہت سی چیزیں کھاتے اور پیتے تھے +

ضروری اعلان

ہم نے متعدد سفیران مختلف اطراف ہندوستان میں ارسال کئے ہیں تاکہ رسالجات کی توسیع اشاعت کریں ہمیں اُمید واثق ہے۔ کہ ہر ایک مسلم احباب اشاعت اسلام بلاد غیر و ووکنگ مشن کے اہم کام سے دلچسپی رکھنے والا اپنے اپنے قصبوں و شہروں میں انہیں ہر ایک قسم کی سہولت فرما کر داخل حسنات ہوں گے۔ سفیران کے پاس دفتر ہذا کی رسید بک ہوگی۔ جس پر مینجر رسالجات کے دستخط ثبت ہیں۔ والسلام

نمونہ دستخط مینجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام۔ عزیز منزل

Khwaja Abdulghani

خادم
مینیجر
لاہور (پنجاب)

اسلامیہ سٹیم پریس بھاٹی دروازہ لاہور میں حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپواکر خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا